الأنوار القدسیه فی بیان آداب العبودیة

آدابِ بندگی

تصوف کی نادر کتاب، اولیاء اللہ کے علوم و معارف کا مجموعہ

تالیف

حضرت العلام امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وتشریح

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وعنوانات از

مولانا شفیع اللہ صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر ادارہ اسلامیات کراچی۔ لاہور

الانوار القدسية فی بیان آداب العبودیة

آدابِ بندگی

تالیف

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترتیب وعنوانات

مولانا شفیع اللہ صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

ادارہٗ اسلامیات کراچی - لاہور

جملہ حقوق بحق ادارۂ اسلامیات محفوظ

پہلی بار : محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

اہتمام : اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

ناشر : ادارۂ اسلامیات کراچی۔ لاہور

ملنے کے پتے

☆ ادارۂ اسلامیات : موہن روڈ، چوک اُردو بازار، کراچی

☆ ادارۂ اسلامیات : ۱۹۰، انارکلی، لاہور

☆ ادارۂ اسلامیات : دینا ناتھ مینشن، شارع قائداعظم، لاہور

☆ ادارۃ المعارف : ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

☆ مکتبہ دارالعلوم : جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

☆ دارالاشاعت : ایم اے جناح روڈ، کراچی

☆ ادارۂ تالیفات اشرفیہ : بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر

☆ ادارۂ تالیفات اشرفیہ : جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد بہاولنگر

☆ بیت القرآن : اردو بازار کراچی

☆ بیت الکتب : نزد اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

☆ بیت العلوم : ۲۶ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب

یہ اللہ تعالیٰ کی دَین ہے کہ اللہ جل شانہ نے جہاں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کو تفسیر و حدیث اور فقہ میں گراں قدر خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائی وہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں فنِ تصوف کی خدمت بھی تربیت، تالیف و تحریر کی صورت میں کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی۔

پھر بندہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان یہ ہوا کہ حضرت استاذی و مربی حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب عثمانی مدظلہم کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس کا داعیہ پیدا فرمایا کہ اکابر کی نایاب تالیفات و تصنیفات کو تلاش و تتبع کر کے جدید انداز میں از سرِ نو لوگوں تک پہنچایا جائے، اس کے لئے حضرت والا نے از راہ شفقت مجھے حکم فرمایا کہ میں اس سلسلے میں حضرت والا کی مدد کروں۔

انہی کی دعا اور مسلسل نگرانی میں فی الحال حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تالیفات کو شائع کیا جارہا ہے، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے **''براۃ عثمان''**، **''البیان المشید''** اور **''ہم سے عہد لیا گیا''** کے بعد اب یہ کتاب **''آدابِ بندگی''** پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔

اگرچہ یہ کتاب ''آدابِ بندگی'' فنِ تصوف میں ہے، مگر اس شخص کی غلطی اس کتاب کو پڑھنے کے بعد واضح ہوگی جو یہ خیال کریگا کہ یہ فنِ تصوف کی خشک کتاب ہوگی، کیونکہ یہ کتاب قاری کو سلف صالحین کے راستہ کا پتہ بتائے گی، دین کی طرف بڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی رغبت دلائے گی، طالبین حق کو وہ گُر کی باتیں اس کتاب

سے حاصل ہوں گی جو شاید ان کو کہیں اور سے دستیاب نہ ہوں، اور ان کی ایسے باریک باریک نکتوں کی طرف توجہ ہوگی جن سے اکثر لوگ غافل ہیں۔

طلبہ کے لئے کام کی ایسی باتیں ہیں جو کہیں اور نہیں ہیں، طلبہ کی کیا کیا شان ہونی چاہئے اس کو خوب واضح کیا گیا، مفتیان کرام کے لئے ایسے اصول بیان کئے جو ان کے لئے بہترین رہنما ہوں گے۔ داعیان دین کے لئے ایسے اسلوب تحریر ہوئے جو ان کے لئے مشعلِ راہ ہیں، مشائخ طریق کی توجہ ایسی ایسی اہم اور دقیق باتوں کی طرف کرائی جن سے عموماً صرف نظر کیا جاتا ہے۔ سالک و مرشد کے ایسے امور واضح کئے گئے جن کی طرف نظر نہیں کی جاتی۔

اس کتاب سے اندازہ ہوگا کہ مشائخ سلف کا طرز عمل کیا تھا؟ اور اب اس شان کے لوگ کون ہیں؟

یہ کتاب دراصل عربی میں تھی حضرت تھانوی قدس سرہ کی رائے تھی کہ اس کا اردو میں ترجمہ ہو جائے تو اس سے عوام وخواص کو بے حد نفع ہوگا، حضرت کی اس خواہش کے مطابق حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ترجمہ کرنا شروع کیا اور رسالہ النور تھانہ بھون میں قسط وار شائع ہوتی رہی، پھر رسالہ بند ہوا تو اس کتاب کے مضامین اسی رسالہ کی فائل میں بند ہو گئے۔

اگر حضرت والا مدظلہم کے دل میں داعیہ نہ ہوتا تو شاید چند سالوں کے بعد اس کتاب کے نام کو یاد رکھنے والا بھی کوئی نہ ہوتا اور امت مسلمہ اس بہترین کتاب سے محروم ہو جاتی۔

حضرت والا کے توجہ دلانے پر احقر نے النور رسالہ سے فوٹو کاپی کرائی اور اس کو موجودہ دور کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی، اور اس میں موجود آیات واحادیث کے حوالہ جات جو میسر ہو سکے درج کئے اور فارسی اشعار کا ترجمہ جو سمجھ میں آیا کر دیا۔ اور پوری کتاب میں عنوانات کا اضافہ کر دیا جس سے ان شاء اللہ پڑھنے والوں کو سہولت

ہوگی اور شروع کتاب میں بھی عنوانات کا اضافہ کردیا، ان کاموں میں پوری کوشش کی گئی کہ ترجمہ میں خلل نہ پڑے اور قاری بغیر دقت کے اصل ترجمہ پڑھ سکے۔

قارئینِ محترم! دعاؤں، نگرانیوں، اور محنتوں کے بعد یہ کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچی ہے، اس کی قدر کیجئے، اور اس میں موجود نصائح پر عمل کیجئے اور حضرات مؤلف ومترجم کے لئے مغفرت کاملہ کے ساتھ حضرت استاذ محترم مدظلہم کے لئے عافیت دارین کی دعا کیجئے۔

اور ہاں! بندہ بھی اس دعا کا محتاج وسائل ہے۔

شفیع اللہ عفا عنہ اللہ
جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

وما خلقت الجن
والانس الا لیعبدون

الزاریات:٥٦

ترجمہ

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا
کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۂ مترجم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد! احقر ظفر احمد عثمانی تھانوی عرض پرداز ہے کہ اس شرور وفتن کے زمانہ میں جس کو زمانہ نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ سے بہت زیادہ بعد ہوگیا ہے، مسلمانوں میں دینی اور مذہبی کمزوریاں جس قدر پیدا ہوگئی ہیں وہ کسی صاحب بصیرت پر پوشیدہ نہیں۔ عوام وخواص سب ہی جادۂ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں ''الامن رحم اللہ'' اس لئے اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو سلف صالحین کے راستہ سے مطلع کیا جائے اور ان کی ایمانی اور مذہبی حالت ان کے سامنے پیش کی جائے، کیا عجب ہے کہ کسی طالب حق کو اس طریقہ کی محبت اور رغبت پیدا ہو اور وہ اپنی حالت کو سلف صالحین کے نمونہ پر منطبق کرنے کی کوشش کرے، چنانچہ اسی غرض کے لئے یہ رسالہ اس وقت آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جو حضرت قطب العارفین امام السالکین علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''**آداب العبودیت**'' کا ترجمہ ہے، اس رسالہ میں ممدوح نے عبدیت (بندگی) کے آداب بیان فرمائے ہیں اور دکھلایا ہے کہ خدا کے خاص بندہ کی کیا شان ہونی چاہئے اور شیخ کامل کی کیا علامت اور کیا پہچان ہے۔ نیز سالکین کو جو دھوکے سلوک میں پیش آئے ہیں ان کو بھی بہت خوبی کے ساتھ دور کیا ہے۔

حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت مولائی ومولی المسلمین مولانا محمد اشرف علی تھانوی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے اس رسالہ کو بے حد پسند فرما کر یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ اس کا اردو میں ترجمہ ہوجانا چاہئے انشاء اللہ عوام وخاص سب کو بے حد نافع ہوگا۔ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ حضرت ممدوح کی یہ خواہش اس

حقیر کے ہاتھوں پوری ہونے والی تھی کہ میں نے فوراً اس کا ترجمہ شروع کردیا۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو بخیر وخوبی انجام کو پہونچائیں اور مجھے اور سب مسلمانوں کو اس کے برکات سے متمتع فرمائیں۔ میں اپنی اس ناچیز خدمت کو حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی بارگاہ عالی میں ہدیہ پیش کرتا اور آپ کے اسم مبارک کے ساتھ اس کتاب کو معنون کرتا ہوں، حق یہ ہے کہ حضرت والا کا طریقہ تربیت بالکل سلف کا نمونہ ہے چنانچہ علامہ شعرانی کی اکثر کتب تصوف اور خصوصاً یہ کتاب حضرت کے طریقہ اور مشرب کی بہت زیادہ تائید کرتی ہے۔

والحمد لله اولا وآخرا وظاهرا وباطنا وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين

نہ بنقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ سرخوشم . نفسے بیادتو میکشم چہ عبارت وچہ معانیم[1]

احقر ظفر احمد عثمانی

۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

---

[1] نہ ظاہری نقش ونگار میں پھنس کر پریشان ہوں اور نہ حروف بنا کر خوش ہوں میں تو آپ کی یاد میں زندگی گزارتا ہوں کیا عبارت اور کیا مفہوم (دونوں برابر ہیں)۔۱۲ مرتب

دیباچۂ مؤلف

(قال الشیخ العلامة القطب الربانی سیدی المولی عبد الوها ب الشعرانی رضی اللّٰہ تعالی عنه)

الحمد للّٰہ رب العلمین حمدا یوافی نعمه ویکافی مزید ہ یاربنالك الحمد کما ینبغی لجلال وجهك ولعظیم سلطانك سبحانك لا نحصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك والصلوة والتسلیم علی اشرف المرسلین محمد خاتم النبیین وعلی آله واصحابه اجمعین ۔

بیان وجہ تالیف

بعد (حمد وصلوۃ کے) معلوم ہو کہ ۱۷ رجب ۹۳۱ھ میں بروز دوشنبہ میرے دل میں اولیاء اللہ کے مقامات کی طلب (اور اشتیاق) کا خطرہ بڑی قوت کے ساتھ جوش زن ہوا (یعنی مقامات اولیاء کی خواہش دل میں پیدا ہوئی کہ ایسے بلند مقامات مجھ کو بھی حاصل ہوتے) اور اپنی مجموعی حالت کو میں حقیر سمجھنے لگا (کہ مقامات اولیاء کے سامنے میری حالت کچھ بھی نہیں) اور اس (خطرہ) کی وجہ سے میری (زندگی تلخ) اور عیش مکدر ہو گیا کیونکہ اس میں مقسوم خداوندی پر رضا مندی نہ (پائی جاتی) تھی حتی کہ مجھ کو سوء خاتمہ اور غصہ وغضب (الٰہی) کا اندیشہ ہوا تو میں (پریشانی کے عالم میں) منہ اٹھا کر (ایک طرف کو) نکل گیا (یہاں تک کہ مصر کی قدیم آبادی میں جو نسطاط کے نام سے مشہور ہے جا پہنچا۔)

الہام

پس جس وقت کہ میں نسطاط مصر میں مقابل روضہ کے (بیٹھا ہوا) تھا مجھ پر

ایک حالت (غنودگی کی) بیداری اور نیند کے درمیان طاری ہوئی اور ایک ہاتف (غیبی) کو جس کی آواز تو مجھے سنائی دیتی تھی اور جسم نظر نہ آتا تھا حق تعالیٰ کی طرف سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرے بندے اگر میں تجھ کو تمام کائنات پر مطلع کردوں اور ریت (بالو) کی شمار اور اس کے ہر ذرہ کا نام اور نباتات (کی قسمیں) اور ان کے نام اور ہر ایک کی عمریں بتلادوں اور حیوانات کی قسمیں اور ان کی عمریں اور تمام وحشی جانوروں اور پرندوں اور حشرات الارض اور (ان کے علاوہ) زمین پر چلنے والے تمام جانوروں کا نسب ان کی اصل تک بتادوں اور آسمانوں اور زمینوں کے عجائبات اور جنت اور دوزخ اور جو کچھ ان میں ظاہر و پوشیدہ ہے سب تجھ پر منکشف کردوں اور تیری دعا سے بارش نازل کردوں اور تیرے ہاتھوں سے مردہ زندہ کردوں اور ان کے علاوہ) جس قدر کرامتیں میں نے اپنے مؤمن بندوں کو عطا کی ہیں سب تیرے ہاتھ پر ظاہر کردوں تو (ان سب باتوں سے) میری عبدیت کے کسی درجہ پر بھی تو نہ پہنچے گا۔[1]

ہاتف کا الہام ختم ہوا۔ ہاتف نے یہ کلام پورا بھی نہ کیا تھا کہ میرے دل میں مقامات اولیاء میں سے کسی مقام کی بھی نہ دنیا میں حاصل ہونے کی) ہوس رہی اور نہ آخرت میں (غرض جب وہ ہوس بالکل جاتی رہی اور دل سے خطرہ بھی دفع ہوگیا) تو میں نے شکر کے ساتھ حق تعالیٰ کی اس عطا پر حمد و ثنا کی۔

اور اب میں چاہتا ہوں کہ ہاتف کی مراد اور اس الہام (کی حقیقت) پر کلام کروں اور اپنے مشائخ میں سے بعض عارفین کے کلام سے اپنے بیان کو آراستہ کر کے اس (باب) میں مفصل گفتگو کروں مبادا کوئی کوتاہ فہم جس کو مراتب وحی کی خبر نہیں ہے یہ وہم نہ کرنے لگے کہ (میرے نزدیک) انبیاءؑ کی وحی کی طرح یہ بھی ایک وحی ہے

[1] مطلب یہ ہے کہ مقامات عالیہ کی ہوس نہ کرنا چاہیے بلکہ عبدیت کاملہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اور مقام عبدیت بڑا مقام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کا مذاق بعینہٖ یہی ہے بارہا فرمایا کہ مجھے جنت کے درجات عالیہ کی کبھی تمنا نہیں ہوتی یہ تمنا تو اہل درجات کو مناسب ہے بس میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جنت میں جگہ مل جائے چاہے جنتیوں کی جوتیوں ہی میں مل جائے اور یہ تمنا بھی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ محض اس وجہ سے ہے کہ دوزخ کے عذاب کا تحمل نہیں۔ مترجم ۱۲

(اور معاذ اللہ میں اپنی نسبت صاحب وحی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہوں) پس (اب) میں کہتا ہوں کہ اس ہاتف مذکور میں چند احتمال ہیں ممکن ہے کہ وہ فرشتہ ہو یا (کوئی چھپا ہوا) ولی ہو (یا کسی ولی کی روحانیت ہو) یا کوئی نیک جن ہو یا خضر علیہ السلام ہوں، کیونکہ خضر علیہ السلام (ابھی تک) زندہ اور موجود ہیں (ہنوز) ان کی وفات نہیں ہوئی اور ہم ان لوگوں سے ملے ہیں جنہوں نے خضر علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے طریق صوفیہ (کی تعلیم کو حاصل کیا ہے یہ گفتگو تو ہاتف کے بارہ میں تھی) اس کو سمجھ لو۔

تحقیق الہام

رہا وہ الہام جو ہاتف کی طرف سے القاء ہوا ہے تو (اس کی بابت) ہم کہتے ہیں کہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ القاء کی چند قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ خیال کے ذریعہ سے کوئی بات معلوم کی جائے جیسا کہ عالم خیال میں سچے خواب (نظر آتے ہیں) اور یہ القاء نیند (کی حالت) میں ہوتا ہے اس صورت میں القاء کرنے والا بھی خیال ہوتا ہے اور جو بات (دل پر) نازل ہوتی ہے وہ بھی خیال ہے اور (خود) القاء بھی خیال ہوتا ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ حس (ظاہری) میں (جاگتے میں) کوئی خیال ایسے شخص کو آوے جس کو (اس کا) احساس بھی ہے کہ (میرے دل میں یہ بات خیالی طور پر آئی ہے۔ یہ مرتبہ سب سے کم درجہ میں ہے، اس طور پر تو ہر شخص کے دل میں القاء ہوتا رہتا ہے اس کا کسی درجہ میں بھی اعتبار نہیں)

اور ایک یہ صورت ہے کہ انسان اپنے دل میں (وجدانی طور پر) کوئی مضمون (آتا ہوا) پائے جس کو نہ حس (ظاہری) سے کوئی علاقہ ہو اور نہ اس مضمون کے نازل کرنے والے کے ساتھ خیال[1] کا (پہلے سے) کچھ لگاؤ ہو اس کو الہام کہتے ہیں۔

---

[1] یہ قید اس واسطے بڑھائی کہ اگر عالم ملکوت کی طرف سے اپنے خیال کو متوجہ کر کے کوئی شخص بیٹھے اور اس وقت اس کے دل میں کوئی بات آوے تو وہ الہام نہیں۔ اس میں خیال کو زیادہ دخل ہونا ممکن ہے۔ الہام وہ ہے جو دفعۃً قلب پر نازل ہو اور تقاضے کے ساتھ بشدت نازل ہو جس کی طرف پہلے سے خیال وغیرہ کچھ نہ ہو۔ مترجم ۱۲

اور کبھی الہام (بصورت کتاب ہوتا ہے اور (یہ بھی) اولیاء اللہ کو بکثرت پیش آتا ہے جیسے قضیب البان وغیرہ (کو پیش آیا ہے) اور ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ (بھی) سوکر اٹھنے کے بعد (بعض دفعہ) ایک کاغذ (رکھا ہوا) پاتے تھے جس میں وہ بات لکھی ہوتی تھی جس کا ان کو الہام کیا گیا تھا۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو (اب سمجھو کہ) غیبی علوم ارواح کے ذریعہ سے بندوں کے دلوں پر نازل ہو سکتے ہیں پھر جو شخص ان (ارواح) کو پہچان لیتا ہے وہ ادب کے ساتھ ان علوم کا استقبال کرتا ہے اور جو ان کو نہیں پہچانتے جیسے کاہن لوگ اور مشرکین (اور فاسقین) وہ غیب کی بات کو (تو) لے لیتے ہیں (لیکن) ان کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ یہ بات کس کی طرف سے تھی (اور کہنے والا کون تھا، اسی لئے ان لوگوں کے علوم کا کچھ اعتبار بھی نہیں) پس (چونکہ) اولیاء اللہ (ارواح کو پہچانتے ہیں) اسی لئے (وہ) ارواح (کی توجہ اور علوم) کو اپنے دلوں پر نازل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور (آنکھوں سے) نازل ہونے والے فرشتہ کو وہ نہیں دیکھتے ہاں اگر یہ شخص جس پر (غیب کی باتوں کا) نزول ہو رہا ہے نبی یا رسول ہو (تو وہ ان آنکھوں سے بھی فرشتہ کو دیکھ لیتا ہے)

تو (اس تقریر سے) معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ (یا تو کسی وقت) ملائکہ کا مشاہدہ کر لیتے ہیں مگر (اس وقت) القاء (اور الہام) کرتے ہوئے مشاہدہ نہیں کرتے یا (کبھی صرف فرشتہ کے) القاء کا اس طرح مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ بدون فرشتہ کے دیکھتے ہوئے ان کو (وجدان سے) یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات فرشتہ کی طرف سے ہے (لیکن اس صورت میں اس کو دیکھ نہیں سکتے)

وحی اور الہام میں فرق

پس فرشتہ کو دیکھنا اور القاء کرتے ہوئے دیکھنا یہ دونوں باتیں نبی یا رسول کے سوا کسی میں جمع نہیں ہو سکتیں اور اسی لئے نبی میں جو کہ صاحب شریعت منزلہ ہے اور ولی میں جو کہ (اس کا) تابع ہے فرق کیا جاتا ہے (کہ دونوں کے علوم برابر نہیں نبی کا علم

قطعی ہوتا ہے کیونکہ وہ فرشتہ کو بھی بلا واسطہ دیکھتا ہے اور القاء کا بھی مشاہدہ کرتا ہے اور ولی کا علم جو بواسطہ الہام والقاء کے حاصل ہو ظنی ہوتا ہے کیونکہ اس کو صرف القاء کا مشاہدہ ہوتا ہے القاء کرنے والے کا اس وقت مشاہدہ نہیں ہوتا)۔

وحی کے اقسام

اور جاننا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف جو القاء ہوتا ہے اس کو وحی اور شریعت کہتے ہیں، پھر (اس کی دو قسمیں ہیں) اگر اس کو حق تعالیٰ کی طرف صفت کی طرح منسوب کیا جائے (کہ اللہ کا کلام ہے) تو اس کا نام قرآن اور فرقان اور توراۃ انجیل اور زبور اور صحیفہ (آسمانی) ہے اور اگر اس کو صفت کے طور پر منسوب نہ کیا جائے بلکہ خدا کی طرف اس کی نسبت اس لئے ہو کہ وہ کلام (رسول کے دل میں) اس کا پیدا کیا ہوا ہے تو اس کو حدیث اور خبر اور سنت کہا جاتا ہے۔

اب احکام شرعیہ نازل ہونے کا دروازہ بند ہو گیا

اور حق تعالیٰ نے احکام شریعہ نازل کرنے کا دروازہ تو بند کر دیا، اب کسی کے اوپر احکام نازل نہ ہونگے، (لیکن) احکام کے متعلق اولیاء اللہ کے دلوں پر علوم (واسرار) نازل کرنے کا دروازہ بند نہیں کیا، پس روحانی طور پر احکام کے علوم (واسرار) نازل کرنا یہ اولیاء اللہ کے واسطے (باقی ہے تا کہ وہ احکام کے ذریعہ سے (مخلوق کو) خدا تعالیٰ کی طرف بلانے میں صاحب بصیرت ہو جائیں جیسا (کہ حضرات صحابہ تھے) جنہوں نے حضور ﷺ کا اتباع کیا تھا اور اسی لئے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے ''ادعوا الی اللّٰہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی'' (کہ میں اور میرے متبعین اللہ تعالیٰ کی طرف بصیرت کے ساتھ بلاتے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ نبی کے متبعین میں جو لوگ داعی الی اللہ ہوتے ہیں وہ بھی صاحب بصیرت ہوتے ہیں اور نبی کو تو وحی سے بصیرت حاصل ہوئی اگر وارث نبی کے قلب پر ان احکام کے متعلق علوم واسرار نازل نہ ہوں تو وہ کیسے صاحب بصیرت ہو گا؟۔

پس معلوم ہوا کہ ولی اللہ تعالی کی طرف ابتداء بلاواسطہ نہیں بلاتا بخلاف نبی کے (وہ خود بلاواسطہ حق تعالی کی طرف بلاتا ہے) ولی تو (محض) رسول کی دعوت کو نقل کر کے اور اس کی زبان بن کر لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے (ورنہ) اس کے پاس (فرشتہ کی) وہ زبان کہاں جو کہ اس سے (بلاواسطہ کھلم کھلا) اس طرح کلام کرے جس طرح رسول سے کرتی ہے۔

ولی کی خلاف شرع بات قبول نہیں

اور اس لئے اگر ولی کوئی ایسی بات کہے جو حکم رسول کے خلاف ہو تو اس میں اس کا اتباع نہ کیا جائے گا اور (اس بات میں) وہ بصیرت پر نہ ہوگا کیونکہ جو شخص بصیرت پر ہوتا ہے اس تک تہمت نہیں پہنچ سکتی کیونکہ اس کا علم غور و فکر سے نہیں ہوتا جس میں غلطی کا احتمال ہو، اور جب اس نے خلاف شرع بات کہی تو اس کے علوم معتبر نہ رہے بلکہ اس پر غلطی کا اتہام قائم ہو گیا اس حالت میں وہ صاحب بصیرت بھی نہ رہے گا اس لئے کہ اہل بصیرت کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ ان کا علم بار بار غور و فکر سے بھی نہیں ٹل سکتا کیونکہ وہ حق الیقین ہوتا ہے (مطلب یہ ہے کہ دل کو اس پر پوری قناعت اور تسلی ہو جاتی ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ علم قطعی ہوتا ہے)۔

جب تم یہ باتیں جان چکے (تو اس سے خود بھی سمجھ گئے ہو گے اور اگر نہیں سمجھے) تو اب سمجھ لو کہ ہاتف کے اس الہام مذکور میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے دعوی نبوت کا ذرہ برابر بھی وہم ہو سکے اور (دعوی نبوت کی بو تو اس سے کیا آتی) اس میں تو اہل دل عارفین کے رتبہ کا بھی دعوی نہیں کیونکہ اس فقیر صاحب الہام نے اس القاء کرنے والے کی صورت بھی نہیں دیکھی اور نہ یہ واقعہ بیداری میں ہوا (تو اس پر تعجب کرنا فضول ہے کیونکہ عارفین کو تو اس سے بڑھ کر بیداری میں الہامات سنائی دیتے ہیں اور نہ یہ الہام احکام شریعہ کے بارے میں ہے حتی کہ ان سے معارضہ پیدا ہو یا

معارضہ کا اندیشہ ہو) پس یہ اہل دل عارفین کے رتبہ سے بھی دور ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اور میرے دوستوں میں سے بعض فقراء نے خدا ان سے (مخلوق کو) نفع پہنچائے یہ درخواست کی ہے کہ اس الہام مذکور سے عبودیت کے آداب میں جس قدر سمجھا ہوں وہ سب لکھ دوں نیز کچھ علم نافع حاصل کرنے کے آداب اور عام وخاص درویشوں کے (بھی) کچھ آداب اور ہر جماعت کو مقصود (کے راستہ) میں جو دھوکے پیش آتے ہیں (ان کو بھی) بیان کردوں کیونکہ شیطان ان لوگوں کی تاک میں لگا رہتا ہے اس لئے وہ اکثر خدا کی طرف چلنے والوں کو دھوکہ میں ڈال دیتا ہے جس سے مقصود تک پہنچنا بھی بعض دفعہ نصیب نہیں ہوتا اور شیطان (کے فریب) سے بجز تھوڑے بندگان خدا کے کوئی نہیں بچ سکتا تو میں نے یہ درخواست قبول کی اور تمام ابواب کے ختم پر اولیاء اللہ کے معدودے چند وہ مقامات بھی بیان کئے ہیں جو مقام عبدیت پر پہنچ کر ساقط ہو جاتے ہیں اور (وہاں یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ) مقام عبدیت انبیاء اور صدیقین کا خاص اعلیٰ مقام ہے اور میں نے اس کتاب کا نام ''**رسالۃ الانوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیہ**'' رکھا ہے اور یہ نام ہاتف کی زبانی معلوم ہوا (جمعہ کے دن جب کہ خطیب منبر کے اوپر پہنچ چکا) تھا۔

اور مجھ کو خداوند کریم سے امید ہے کہ فقراء میں سے جو کوئی اس رسالہ کو دیکھ لے گا آداب خداوندی کا علم اس کو (پوری طرح) احاطہ کے ساتھ حاصل ہو جائے گا کیونکہ اس میں مشیخت اور جاہ کی صورت کو اور ان دونوں کی وجہ سے جو ریاء اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے جو مریدوں کے سامنے اکثر (اوقات) اور بھی بڑھ جاتا ہے (بالکل) توڑ دیا گیا ہے (اور اس میں یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ جو شخص شیخ بن کر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے اس کی حالت خود قابل اصلاح ہے وہ دوسروں کی کیا خاک اصلاح کرے گا۔)

سب سے اچھا آدمی

پس کاش کہ (ایسا شیخ مریدوں ہی کی حالت پر رہ کر کامل ہو جاتا اور (ابھی) شیخ بن کر نہ بیٹھتا اور ان معمولی آدمیوں کی طرح رہتا جن کی طرف (مخلوق کی) انگلیاں نہیں اٹھتیں کیونکہ سب سے اچھا آدمی وہی ہے جو دنیا میں چھپا ہوا (گمنام) رہے البتہ جس کو (مخلوق کی ہدایت کے لئے) ظاہر ہونے کا (من جانب اللہ حکم ہو جیسے انبیاءؑ اور اولیاء کاملین جو کہ انبیاء کے وارث (اور ان کے قائم مقام) ہیں (ایسے لوگوں کو گمنام رہنا بہتر نہیں اور نہ وہ گمنام رہ سکتے ہیں اگرچہ کتنی ہی کوششیں کریں حق تعالیٰ ان کو مشہور ہی کر دیتے ہیں تو ان کی شہرت چونکہ بے اختیار اور بلا قصد ہوتی ہے وہ مضر نہیں ہاں جو لوگ اپنے آپ شیخ بننا اور مشہور ہونا چاہتے ہیں یہ ان کے لئے مضر ہے اس سے یہی بہتر تھا کہ وہ گمنام رہتے)۔

آج کل کے مشہور و ممتاز لوگوں کا حال

علاوہ ازیں یہ کہ آج کل جو لوگ (مشہور اور) ممتاز بنے ہوئے ہیں ان کا ممتاز بننا محض (زبانی) دعوی ہے (ورنہ حقیقت میں ان کے اندر کوئی ایسی نئی بات نہیں ہے جس میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوں) کیونکہ (صنعت و) حرفت والوں میں بھی بعض ایسے لوگ ہیں جو اوراد و اذکار و صدقات کے ایسے پابند ہیں کہ ان کا ایک دن بھی ان کاموں سے خالی نہیں گزرتا مگر (باوجود ایسی رفیع حالت کے) ان سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہمارے حال پر توجہ فرمایئے نہ کوئی یہ کہتا ہے کہ للہ ہم کو کچھ فیض پہنچایئے اور وہ جانتے ہی نہیں کہ ریاء کیا بلا ہوتی ہے (کیونکہ نہ ان کو کوئی بزرگ سمجھتا ہے نہ بزرگی جتلانے کے واسطے وہ کوئی کام کرتے ہیں)۔

اور اسی طرح کھیتی کرنے والے سال بھر مخلوق کی مصلحتوں میں (وہ وہ) مشقت کے کام کرتے ہیں کہ ان (کاموں) کے ساتھ کوئی درویش ایک ہفتہ تک بھی اپنے دین پر (مضبوطی کے ساتھ) نہیں جم سکتا اور ان بے چارے) کاشتکاروں کو

باوجود اتنی مشقت کے) اکثر لوگ حقیر سمجھتے ہیں اور اس زمانہ کے مدعیان مشیخت ان میں زیادہ تر ریاء اور تصنع سے کوئی بھی بچا ہوا نہیں الا ماشاء اللہ اور اس کا سبب ان کا نقص ہے (اگر کامل ہوتے تو اس بلا سے محفوظ رہتے) اور (نیز) ان میں سے کوئی ایک پیسہ بھی خیرات نہیں کرتا، بلکہ جو کچھ (ہدایا) پاتے ہیں اس کو (نفرت کے ساتھ) ڈال دیتے ہیں (تاکہ اس طرح ان کا زہد ظاہر ہو) اور اس کو فخر سمجھتے ہیں خصوصاً اگر مال داروں میں (اس وجہ سے) مدح وثنا کے ساتھ ان کا تذکرہ (بھی) ہوتا ہو (کہ فلاں بزرگ ہدیہ خوشی سے نہیں لیتے، بلکہ نفرت کے ساتھ پھینک دیتے ہیں تب تو ان کے فخر کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔)

امیر اور غریب کے پیر میں فرق

اس لئے ہمارے بعض مشائخ رحمہم اللہ کا ارشاد ہے "شیخ الامیر طبل کبیر و شیخ الفقیر عبد حقیر" امیر کا پیر تو بڑا ڈھول ہے (کہ دور کے ڈھول سہانے اور پاس آکر دیکھو تو اندر سے خالی)۔اسی طرح امیروں کا پیر مشہور تو بہت ہوتا ہے، مگر اندر سے خالی ہوتا ہے) اور غریب کا پیر حقیر غلام ہے، (یعنی اس کی شہرت تو زیادہ نہیں ہوتی بلکہ لوگوں میں ذلیل وحقیر ہوتا ہے۔مگر باطن میں عبدیت سے ممتاز ہوتا ہے اسی لئے شیخ کامل کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کی طرف اہل دنیا کا رجوع زیادہ نہ ہو، بلکہ زیادہ تر اس کی طرف دیندار لوگ رجوع کرتے ہوں اور دیندار اکثر غرباہی ہوتے ہیں)۔

امتیازی شان چھوڑ دے

جب تم یہ بات سمجھ گئے تو (اب یاد رکھو!) امتیازی شان (کا چھوڑ دینا) اور شہرت اور ہیبت (ووقار) کا لباس اتار ڈالنا ہی (زیادہ) بہتر ہے بلکہ یہی خالص صداقت (اور اخلاص کی علامت) ہے اور یہی (حضرات) صحابہؓ اور تابعینؒ اجمعین کا (خاص) طریقہ ہے اریہ طریقہ (بہت) سہل (ہے جس کا حاصل کرنا کچھ دشوار نہیں)

اور عام مسلمانوں کے لئے نافع (بھی بہت) ہے کیونکہ اس سے تمام مخلوق باہر نہیں ہوسکتی (اور جو کوئی اس سے باہر ہوتا ہے اس کے پاس) دعوی ہی دعوی ہوتا ہے حقیقت (کچھ) نہیں ہوتی جیسے انسانوں (میں سے کوئی خدائی کا دعوی کرنے لگے) تو وہ محض نام کی خدائی ہوگی ورنہ بھلا انسان عاجز بھی کہیں خدا ہوسکتا ہے؟

اسی طرح عبدیت اور گمنامی کے طریقے کو چھوڑ کر جو لوگ شہرت اور عزت کے وسائل اختیار کرتے ہیں ان کی مشیخت صرف باتوں ہی میں ہوتی ہے ورنہ سچا شیخ بھی کہیں شہرت کا طالب ہوسکتا ہے؟) اور (عزیز من!) سمجھو کہ بندہ کا اپنی حد سے آگے بڑھنا اس سبب سے ہوتا ہے کہ وہ صورت (حق)[1] پر پیدا ہوا ہے اور حق تعالیٰ شانہ کے لئے عزت اور کبریاء اور عظمت (سب کچھ) ہے۔

تو بندہ کے اندر بھی یہ باتیں (اس) واقعیت کا ثابت کرنے کے لئے سرایت کر جاتی ہیں اور (لیکن) کامل بندہ وہ ہے (جو باوجود صورت حق پر پیدا ہونے کے اپنی اصلی حقیقت کو نہ بھولے) اور صورت حق پر مخلوق ہونا اس کا احتیاج اور ذلت اور عبدیت سے جو کہ اس کے اصلی صفات ہیں) نہ پھیر دے (کیونکہ عزت وعظمت اور تکبر خدا کی صفات ہیں یہ بندے کے اصلی صفات نہیں ہیں البتہ انسان چونکہ مظہر صفات خداوندی ہے اس لئے ان صفات کا بھی اس میں قدرے ظہور ہوتا ہے مگر اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ بندہ اپنے آپ خدا کی صفات اختیار کرنے لگے، بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اپنی اصلی صفات کو اختیار کرے، پھر حق تعالیٰ خود ہی اس میں اپنی صفات کا جلوہ ظاہر کر دیں گے،

---

[1] یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف ان اللہ خلق آدم علی صورتہ (متفق علیہ کذا فی المشکوۃ) اس کی تفسیر حضرت حکیم الامت نے حاجی صاحب قدس سرہ سے نقل فرماتے ہوئے یہ بیان فرمائی کہ ہر چیز کی صورت اس کا ظہور ہے مثلاً زید کی صورت سے اس کی ذات کا ظہور ہوتا ہے اور صورت زید عین ذات زید نہیں ہے، کیونکہ زید حقیقت میں روح کا نام ہے، مگر روح نظر نہیں آتی اس کا ظہور اس صورت سے ہو رہا ہے پس جب صورت ظہور کو کہتے ہیں تو حدیث کا مطلب بالکل سہل اور واضح ہے معنی یہ ہوئے "ان اللہ خلق آدم علی ظھورہ" کہ خدا نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفات کا مظہر بنا کر پیدا کیا۔)

فقد وردفی الحدیث ما تواضع عبدللہ الا رفعہ اللہ[۱] وفی الحدیث القدسی الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنیھما وقصتہ فی النار۔[۲]

اپنی حقیقت کو نہ بھولئے

پس بندہ کو کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ اپنی حقیقت کو بھول جائے) کیونکہ وہ اپنے نفس کی عاجزی اور کمزوری اور ادنی ادنی چیزوں کی طرف احتیاج (اچھی طرح) پہچانتا ہے اور ایک پسو کے کاٹنے سے (بھی) اس کو تکلیف ہوتی ہے اس (حالت) کو ہر شخص اپنے اندر ذوق سے سمجھتا ہے۔ پس (اس کمزوری اور عاجزی پر بڑائی کا دعوی بہت ہی بے حیائی ہے اس لئے) بندہ کو اپنی (ماتحت) رعیت میں بھی اپنے آپ کو کسی سے بڑا سمجھنے سے بچنا چاہیے اگرچہ وہ اپنا زرخرید غلام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ خدا کے نزدیک وہ اس (آقا) سے زیادہ اچھی حالت میں ہو جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور غلام کو ایسی باتیں کہنے سے پرہیز کرنا چاہئے کہ (کیوں رے) تو اپنے سر کو میرے سر سے ملاتا ہے (میرے سامنے سر نیچا نہیں کرتا) یا تو اپنے آپ کو میرے برابر کرتا ہے (میرا ادب نہیں کرتا) کیونکہ ایسی بات (کہنا) جہالت اور غباوت (اور حماقت) اور تکبر کی دلیل ہے اور حق تعالیٰ بڑائی مارنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

اور ان باتوں میں اگر اور بھی کوئی خرابی نہ ہوتی تو یہی بات ان سے رک جانے کو بہت کافی تھی کہ حق تعالیٰ کو یہ (باتیں) ناگوار ہیں کیونکہ تمام بندے آزاد ہوں یا غلام سب حق تعالیٰ کی ملک (ہونے میں برابر) ہیں کسی کو ایک دوسرے پر (کسی بات میں) فضیلت نہیں ہاں (اگر خود) مالک حقیقی ہی کسی کو فضیلت عطا فرمادے تو اور بات ہے (اس صورت میں ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہوجانا ممکن ہے) اور (حق تعالیٰ کے نزدیک کسی کا افضل ہونا) یہ وحی کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا (اور وحی اب آ نہیں سکتی

[۱] دیکھئے مسلم کتاب البر والصلۃ باب استحباب العفو والتواضع ج:۱۶، ص:۱۴۱ و مسند احمد ج:۲، ص ۳۸۶۔ مرتب

[۲] مسند احمد ج:۲، ص:۴۱۴۔ مرتب

تو یہ دعوی کوئی نہیں کرسکتا کہ میں عنداللہ فلاں شخص سے یا اپنے غلام ہی سے افضل ہوں۔

تواضع اختیار کیجئے

پس (عزیز من!) اگر تو خدا کا بندہ (بننا چاہتا) ہے تو ذلت (اور عاجزی) کو ہمیشہ کے لئے اختیار کر اور اپنے غلاموں اور نوکروں کو (تکبر کے ساتھ) دھمکانا چھوڑ دے (البتہ تعلیم اور تادیب کے طریقہ پر دھمکانے کا مضائقہ نہیں اور پرکھنے والا خود دونوں میں فرق کرلے گا) اور جان لینا چاہیے کہ اس طریقہ پر چلنے والے کو کسی شیخ کی طرف رجوع کرنے کی زیادہ ضرورت نہ ہوگی۔ (بلکہ ہمت اور عزم کے ساتھ ہر شخص اس طریقہ پر خود چل سکتا ہے) کیونکہ یہ طریقہ کشف اور واردات اور (سچے) خوابوں وغیرہ پر موقوف نہیں ہے جن کی حضرات صوفیہ کی ضرورت ہوتی ہے (بلکہ یہ طریقہ سلوک ساذج ہے جو کہ بہت سادہ اور سالم اور سہل ہے۔

اور میں نے اس طریقہ کے واضح کرنے میں پوری کوشش کی ہے اور جو اخلاق ذوق کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکے ان کو میں نے ذوق ہی پر چھوڑ دیا (جن کو اہل ذوق خود سمجھ لیں گے) کیونکہ (کتابی) عبارت ان کے بیان کے لئے کافی نہیں ہوسکتی جیسے کوئی شخص شہد کا مزہ ایسے آدمی کے سامنے بیان کرنے لگے جس نے نہ (کبھی) شہد کو دیکھا نہ چکھا تو (صرف تقریر اور) بیان سے شہد کا مزہ وہ اس کو نہیں سمجھا سکتا (بلکہ اس کی صورت صرف یہی ہے کہ وہ شہد کو ایک بار چکھ لے تو خود ہی اس کا مزہ پہچان لے گا)۔

دوسرے میں نے اکثر وہ باتیں جو ذوق (صحیح) کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتیں (اس خیال سے) بھی چھوڑ دی ہیں کہ مبادا ان کو دیکھ کر وہ لوگ رد (اور انکار) کرنے لگیں جن کو (ہنوز) ذوق حاصل نہیں ہوا اور وہ (محض) تقلیدی بات کو مانتے ہیں (اور اگر کوئی اپنی تحقیق بیان کرے تو اس کو قبول نہیں کرتے) کیونکہ جو شخص کسی اعتقاد کو اچھا سمجھتا ہے تو جب اس کے اعتقاد کے خلاف کوئی بات اس کے سامنے آتی ہے وہ اس کو رد

کر دیتا ہے اگر چہ (وہ بات واقع میں) حق ہی ہو اور (ان بے چاروں کی بھی زیادہ خطا نہیں) اس لئے کہ قوم (صوفیہ) کا طریقہ یعنی احوال وواردات وغیرہ کا علم اکثر) ذوقی ہے منقول نہیں ہے سو جس نے (ان چیزوں کا مزہ) نہیں چکھا وہ اگر انکار کرنے لگے اس کو معذور سمجھنا چاہیے اور (قوم بھی اپنے علوم بیان کرنے میں معذور ہے کیونکہ) جب کوئی عالم اپنے پہلے علم سے بڑھ کر دوسرے علم کا مزہ چکھ لیتا ہے وہ پہلے علم (کے دائرہ) میں مقید نہیں ہوسکتا (پس اگر کسی شخص کو اب تک علم تقلیدی حاصل تھا پھر خدا نے اس کو درجہ تحقیق عطا فرمادیا ہو وہ اپنی تحقیق بیان کرنے پر مجبور ہوتا ہے بشرطیکہ وہ تحقیق اصول کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو) "ولیس من نقل کمن شهد "اور جو شخص (محض) ناقل ہی ہو وہ اس کے برابر نہیں ہوسکتا جو کہ (حقیقت کا) مشاہدہ کر چکا ہے۔

اس کتاب کے مضامین کیا ہیں؟

اور یہ جان لینا چاہئے کہ جتنی باتیں خدا چاہے میں اس کتاب میں بیان کروں گا وہ سب اسی وقت کے (دل میں آنے والے) مضامین ہیں نظر وفکر سے حاصل نہیں ہوئے، بلکہ یہ وہ باتیں ہیں جن کو مجھ سے بعض احباب پوچھتے رہتے ہیں اور میں ان کو اپنی (عقل کی) ناقص میزان سے جانچ کر بیان کر دیتا ہوں اور ہر وقت کے مناسب ایک نیا کلام ہوتا ہے جو دوسرے وقت نہیں ہوتا (اس لئے ان مضامین میں خطا نہ ہونے کا میں دعوی نہیں کرتا) پس خدا اس شخص پر رحمت نازل کرے جو اس میں کوئی بات ظاہر کتاب وسنت کے خلاف پائے تو اس کو درست کر دے بشرطیکہ اس (غلطی کی اصلاح) میں اس کو یقین ومعرفت کا درجہ) حاصل ہو (محض) شک ہی شک نہ ہو (یعنی اس کے نزدیک وہ غلطی یقینی اور اصلاح ضروری ہو اور اس مقام کی پوری معرفت اس کو حاصل ہو تب اصلاح کرے محض وہم اور شک سے کسی بات کو غلط نہ قرار دے)۔

اور میں نے اس کتاب کو تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا ہے پہلا باب مطلق عبدیت کے آداب میں ہے اور دوسرا باب طلب علمِ نافع کے آداب میں ہے

اور تیسرا باب فقراء اور مشائخ کے آداب میں ہے اور خاتمہ ان (معدودے) چند مقامات کے بیان میں ہیں جو خالص عبدیت والوں کے نزدیک ساقط (اور ناقابل اعتبار) ہیں اور یہی اس رسالہ کا مقصود اور اس کی تصنیف کا سبب ہے۔

اور لو اب میں خدا کی مدد سے ان مضامین کو بیان کرنا شروع کرتا ہوں جو حق تعالیٰ مجھ پر منکشف فرمائیں گے جن کو میں نے (اب تک لکھا ہوا (کہیں نہیں دیکھا کیونکہ جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرنا چاہے اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے اس مضمون کی طرف سبقت کرنے والا کوئی معلوم نہ ہو ورنہ (اگر اس سے پہلے بھی کوئی اس مضمون کو بیان کر چکا ہے تو) پھر اسی مضمون میں اس کا کتاب تصنیف کرنا (محض) حظ نفس ہوگا جس میں کوئی فائدہ نہیں (ہاں اگر پہلے مصنف نے اس کو اجمالاً بیان کیا ہو اور دوسرا اس کی تفصیل کردے یا پہلے نے لغزشیں کی ہوں اور دوسرا ان کی اصلاح کردے یا اس نے اور زبان میں لکھا ہو اور تم دوسری زبان میں اس کا ترجمہ کردو تو اس کا مضائقہ نہیں کمایدل علی ذلك صنیع السلف الصالح رضی اللہ عنهم)۔

اور میں نے اس رسالہ کو اپنے مشائخ میں سے بعض عارفین کے کلام سے بھی مزین کردیا ہے تاکہ ان کے ذکر سے برکت حاصل ہو، خدا ان سب سے راضی رہے اور میں (بعجز و نیاز) کہتا ہوں کہ اے اللہ! آپ (تمام عیوب سے) پاک ہیں ہم کو کچھ علم (حاصل) نہیں سوا اس کے جو (خود) آپ ہی نے ہم کو بتلایا ہے، بے شک آپ بڑے علم و حکمت والے ہیں اور ہم کو خدا (ہی) کافی ہے وہ بہت اچھا کارساز ہے اور تمام خوبیاں خدا تعالیٰ پروردگار عالم ہی کے واسطے ثابت ہیں۔

باب اول مطلق عبدیت کے آداب کے بیان میں

بعثت انبیاء و نزول کتاب کا مقصد

آیات و احادیث تو اس بارہ میں (یعنی عبدیت کی فضیلت میں) مشہور ہیں۔

جب عبدیت کی ضرورت (اور فضیلت) ثابت ہو چکی تو (اب سمجھنا چاہیے کہ) انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے بھیجنے سے اور کتابیں نازل کرنے سے (حق تعالیٰ کا) مقصود یہ ہے کہ بندے اپنے اوصاف کو پہچانیں اور ان باتوں کو معلوم کریں جن کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں اور ان کو (اپنے اوپر) لازم سمجھیں اور ان صفات کو بھی پہچانیں جو حق تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اور مخلوق کا ان میں حصہ نہیں۔ پس (ان کو چاہئے کہ) ان صفات میں خدا تعالیٰ سے منازعت نہ کریں (یعنی اپنا حصہ ان میں نہ لگائیں اور اپنے واسطے ان صفات کے ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں۔)

اور جتنی کتابیں حق تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے معاہدے ہیں بندوں کے اوپر جن میں خدا کے حقوق بندوں پر اور بندوں کے حقوق خدا تعالیٰ پر ثابت کئے گئے ہیں (اور خدا پر بندوں کے حقوق ہونے سے تعجب نہ کیا جائے) کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل وانعام سے کچھ حقوق بندوں کے اپنے اوپر واجب کر لئے ہیں اور ان کے ساتھ خود بھی ذمہ داری میں شریک ہوئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے "اوفوا بعهدی اوف بعهد کم"[1] تم اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا ہے میں اس عہد کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا ہے۔ پس حق تعالیٰ نے ہم کو عہد (اور میثاق) کے تحت میں داخل کیا (اور ان قیود میں جکڑ بند کر کے) بتلا دیا کہ (درحقیقت) ہم خدا کی بندگی سے انکار کرتے ہیں (اسی لئے عہد لینے کی ضرورت ہوئی) ورنہ اگر ہم خالص غلام ہوتے تو ہم سے کسی قسم کا عہد لینے کی ضرورت نہ ہوتی مگر جب ہم اپنی حقیقت سے بالیقین باہر ہو گئے اور اپنے لئے ملکیت اور تصرفات اور لینے دینے کے اختیارات کا دعوی کرنے لگے تب حق تعالیٰ نے اپنے اور ہمارے درمیان بہت سے معاہدے مقرر کئے اور ہمارے اوپر (ایک) مضبوط عہد کی پابندی عائد کی اور خدا نے اپنے آپ کو بھی اس عہد میں ہمارے ساتھ داخل کیا (کہ بعض باتیں محض فضل ورحمت سے اپنے ذمہ بھی

---

[1] البقرة: ۴۰

رکھ لیں اور اگر ہم اپنی حقیقت کو نہ بھولتے تو اس تمام ترقصے کی ضرورت نہ پڑتی)۔

کیا تم (یہ) نہیں دیکھتے کہ (غلام کو مکاتب کس وقت بنایا جاتا ہے یاد رکھو) غلام کو مکاتب اسی وقت بنایا جاتا ہے جب کہ اس کو آزاد لوگوں کی مثل سمجھ لیا جائے ورنہ اگر (آقا کو غلام میں) آزادی کی بو (بھی) نہ (معلوم) ہو تو غلاموں کو غلام سمجھ کر مکاتب[1] بنانا کبھی ممکن نہیں، کیونکہ (خالص) غلام پر نہ کچھ (رقم وغیرہ کی) چیز لازم کی جاتی ہے نہ اس کے لئے (آقا پر آزادی اور حریت کا) کوئی حق واجب ہوتا ہے کیونکہ وہ تو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر کوئی کام ہی نہیں کیا کرتا (اور جس غلام نے اپنے ارادہ کو آقا کے سامنے بالکل نیست و نابود کر دیا ہو اس سے عہد و معاہدہ کرنے کی کیا ضرورت ہے پس (خوب) سمجھ لو کہ بندہ جب تک اپنی غلامی کا حق (پوری طرح) ادا کرتا رہے اس وقت تک کسی عہد و میثاق کی پابندی اس پر عائد نہیں کی جاتی (ہاں جب وہ غلامی سے نکل کر آزادی میں قدم رکھنا چاہے اس وقت شرائط اور معاہدات میں اس کو جکڑا جاتا ہے۔ پس اگر انسان بھی خدا کی بندگی میں ثابت قدم رہتا تو وہ اس کو احکام و معاہدات میں اس قدر مقید نہ کیا جاتا)۔

کیا تم (یہ) نہیں دیکھتے کہ بیڑیاں اسی غلام کے (پیروں میں) ڈالی جاتی ہیں جو بھاگنے والا ہو (اور جو ہر وقت آقا کی خدمت میں حاضر رہتا ہو اس کے پیروں میں بیڑیاں کوئی نہیں ڈالا کرتا) تو یہ بیڑیاں وہی معاہدے اور پابندیاں ہیں جو آقا اور (سچے) غلام کے درمیان کبھی نہیں ہوا کرتے۔

عارفین کے اوپر سخت آیت

جب تم کو یہ حقیقت معلوم ہوگئی تو اب (سمجھو کہ) جتنی آیتیں عارفین کے سامنے گذرتی ہیں ان میں سب سے زیادہ سخت (اور گراں) ان کے اوپر یہ آیت ہے

---

[1] مکاتب وہ غلام ہے جس سے مالک یہ کہہ دے کہ تو مجھ کو اتنی رقم دیدے پھر تو آزاد ہے، چنانچہ وہ رقم ادا کرنے کے بعد غلام آزاد ہو جاتا ہے مترجم۔

اوفوا بالعقود[۱] (جس میں بندوں کو عہد خداوندی کے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے) کیونکہ اس آیت نے بندوں کو خدا کی (سچی) غلامی سے خارج کر دیا (اور بتلا دیا ہے کہ ہم خدا کے خالص اور سچے غلام نہیں ہیں اس لئے ہم سے یہ معاہدے کئے گئے ہیں)۔

خدا تعالیٰ کی محبت صرف انعامات کی بناء پر نہ ہو

(۱) پس ہم کہتے ہیں کہ تمام بندوں کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ ان (احسانات اور) عطاؤں ہی پر نہ رہیں جو آقائے کریم ﷺ نے ان کو عطا کی ہیں (یعنی خدا تعالیٰ کی محبت اور اطاعت محض اس لئے نہ کریں کہ اس نے ان پر طرح طرح کے انعامات کئے ہیں) اور ان حقوق کو (دل سے) بھلا دیں جو (علاوہ ان احسانات کے محض) اس کے (آقا اور مالک ہونے کی وجہ سے) ان کے اوپر ہیں (اور اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ بہت بڑی ناشکری ہوگی کیونکہ آقا کی طرف سے اگر غلاموں پر کوئی احسان بھی نہ ہو جب بھی آقا ہونے کی وجہ سے اس کا حق یہ ہے) کہ ہمیشہ اسی کی طرف متوجہ رہیں (وراس کے سوا کسی دوسری چیز پر توجہ نہ کریں) کیونکہ بندہ دنیا وآخرت (کی چیزوں) میں (سے) جس چیز کا بھی طالب ہوگا وہ اس کے آقا کے خزانوں کے سوا (کسی دوسری جگہ) سے نہیں آسکتی (چنانچہ وہ خود ہی ارشاد فرماتا ہے) "وان من شی الاعند نا خزائنه "[۲] اور کوئی چیز بھی (دنیا وآخرت میں) ایسی نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں پھر نہ معلوم لوگ کہاں چلے جا رہے ہیں (کہ خزانہ والے کو چھوڑ کر صرف خزانہ کے عاشق ہوگئے، حالانکہ خزانہ خود ان کے پاس کبھی نہیں آسکتا جب تک کہ مالک کی اجازت نہ ہو۔

پس عاقل وہ ہے جس کی نظر خزانہ سے گذر کر مالک تک پہنچ جائے اور اس کی محبت واطاعت میں دوسری چیزوں کو دل سے نکال دے) اور جس شخص کو یہ علم ذوقی

---

۱ المائدہ : ۱

۲ الحجر: ۲۱

(اور وجدانی) طور پر حاصل ہو جاتا ہے وہ خدا کے سوا کسی (چیز) کی طرف التفات نہیں کرتا (بلکہ صرف خدا ہی کے ملنے پر راضی رہتا ہے، چاہے اور کوئی چیز ملے یا نہ ملے) اور جو شخص خدا سے راضی ہو جاتا ہے وہ ان دنیوی یا اخروی لذات کا طالب نہیں ہوتا جو خدا نے اس سے روک دی ہوں جب کہ خود حق تعالیٰ سب چیزوں کے بدلہ میں اس کو ملتے ہیں (چنانچہ عارفین دنیوی لذات کے تو طالب ہوتے ہی نہیں اور جن پر عبدیت غالب ہے وہ آخرت میں درجات عالیہ کے بھی طالب نہیں ہوتے بلکہ صرف رضائے حق کے طالب ہوتے ہیں اور ان کی یہ حالت ہوتی ہے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب　که حیف باشد از و غیر او تمنائے[1]

احکام کو محض حق تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے بجالانا چاہئے

جب تم اس کو سمجھ گئے تو (اب) جان لو کہ بندہ کا کام یہ ہے کہ بدون کسی چیز کی طمع یا خوف کے وہ تمام احکام کو محض حق تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے بجالائے اور منہیات سے بھی اسی لئے اجتناب کرے یہی (صورت) ادب کے مناسب ہے (اور محض ثواب کی امید یا عذاب کے خوف سے اطاعت کرنا سچے غلام کا کام نہیں) کیونکہ بندہ جو کچھ (بھی عمل) کرتا ہے صرف اپنے لئے کرتا ہے۔ (خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی نفع نہیں) پھر وہ ایسے کام پر اجرت کا طالب کیونکر بنتا ہے جو کہ اپنے ہی واسطے کیا تھا (دوسری بات یہ ہے کہ یہ اعمال بندہ خود بھی نہیں کرسکتا بلکہ) "واللہ خلقکم وماتعملون"[2] خدا ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال کو بھی۔

(پس اول تو یہ اعمال ہم اپنے واسطے کرتے ہیں پھر ان کا پیدا کرنے والا بھی خدا ہی ہے) تو (ایسی صورت میں) ان پر ثواب کا طالب ہونا (اور اپنے کو مستحق اجر سمجھنا

[1] جدائی اور وصال کیا چیز ہے اصل مطلوب دوست کی رضا ہے، کیونکہ دوست سے سوائے دوست کے تمنا کرنا افسوس کی بات ہے، ۱۲ مرتب

[2] الصفت: ۹۶

کبھی) زیبا نہیں جب کہ ہم کوئی عمل نہ خدا کے لئے نہ اپنے نفس کے لئے (بدون خدا کی امداد کے) نہیں کر سکتے اور (تیسرے اپنے کو ثواب کا مستحق) اس لئے (بھی نہ سمجھنا چاہئے) کہ انسان کی کوئی ایک عبادت بھی درست نہیں ہوتی بلکہ وہ (سراسر) خراب اور ناقص اور (بلکہ درحقیقت) بے ادبی میں داخل) ہے پھر وہ اس پر ثواب کا طالب (اور مستحق) کیونکر بنتا ہے حالانکہ وہ اس (طرح عبادت کرنے) پر عذاب اور غضب ہی کا مستحق تھا۔

اور اگر کسی کو اپنے اندر اخلاص معلوم ہوتا ہو اور عبادت کے نقص کی اس کو خبر نہ ہو تو (جب بھی اس کو استحقاق اجر کا دعوی نہ کرنا چاہیے (کیونکہ) ابھی اسکے قبول ہونے (یا نہ ہونے) کا خطرہ (ضرور باقی) ہے ممکن ہے (کسی عبادت کو) حق تعالیٰ مردود کردیں پس جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ نے اس (کی عبادات) کو یقیناً قبول کرلیا ہے اس وقت تک ثواب (اور اجر) کا طالب (و مستحق) بننا (کسی طرح) اچھا نہیں۔

اور (بھلا قبولیت کا) یقین اس کو کیونکر ہو سکتا ہے (کسی طرح بھی نہیں، پس کسی حالت میں بھی طالب اجر بننا اچھا نہیں) اور اگر (کسی وقت قبولیت کا) یقین ہو جانا فرض بھی کرلیا جائے تب بھی (خدا کو چھوڑ کر اجر وغیرہ کا مانگنا) یہ برا سوال ہے کیونکہ اس میں (خدا پر) اتہام (کا شائبہ) ہے اور (اس سے) اس کے وعدہ پر اعتماد نہ ہونا (ظاہر ہوتا) ہے (ورنہ جب خدا تعالیٰ) نے اعمال صالحہ پر ثواب عطا کرنے کا خود ہی وعدہ کرلیا ہے اور تم کو اس کے وعدہ پر اعتماد بھی ہے تو پھر مانگنے کی کیا ضرورت ہے ہاں اگر اس نیت سے طلب کرے تا کہ اپنی احتیاج اور عبدیت ظاہر ہو تو مضائقہ نہیں چنانچہ اس بناء پر ثواب اور جنت کا سوال احادیث میں بھی وارد ہے اور حضور ﷺ کی اتباع کرنا سنت ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ (دنیوی حاجات اور) ثواب کے طلب کرنے میں عوام کی

حالت تو ان شاء اللہ اچھی ہے کہ وہ حق تعالیٰ سے سوال کرتے رہتے ہیں اور وہ ان کو (جو کچھ وہ مانگتے ہیں) دیتا رہتا ہے جس کو وہ حق تعالیٰ کا (محض) فضل و انعام سمجھتے ہیں (اور اپنے کو ان نعمتوں کے لائق کبھی نہیں سمجھتے) اور (استحقاق کا دعوی تو وہ کیا ہی کرتے، بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم (سر سے پیر تک) خدا کی نعمت میں غرق ہیں (اور ان کا شکر یہ ہم سے کسی طرح ادا نہیں ہوسکتا اور (اس حالت میں) ان کا دل خدا تعالیٰ کے سامنے (اچھا خاصا) درست ہوتا ہے۔

پس عام لوگوں پر ہم یہ قاعدہ جاری نہیں کرتے کہ وہ دنیوی حاجات اور ثواب کا مانگنا چھوڑ دیں کیونکہ ان چیزوں کا طلب کرنا ہر حالت میں برا نہیں بلکہ دعوی اور استحقاق کے ساتھ طلب کرنا برا ہے اور عام لوگوں کو دعوی اور استحقاق کا وہم نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو اپنے کو سراسر گہنگار بدکار سمجھتے رہتے ہیں) بس یہ قاعدہ انہی لوگوں کے لئے بیان کیا گیا ہے جو خدا تعالیٰ کی (تھوڑی سی) عبادت کر کے دعوی کرنے اور اپنے کو مخلوق سے بڑا سمجھنے لگتے ہیں (اور) یہ وہ لوگ ہیں جن کو (ابھی تک) عبدیت (اور بندگی) کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہوئی اور وہ اپنے کو عابد سمجھ کر پھولے نہیں سماتے اور) ایسی چیز کی وجہ سے سرکش بن گئے جو ہنوز ان کو حاصل بھی نہیں ہوئی (یعنی اپنے کو عابد سمجھتے ہیں حالانکہ وہ عبدیت سے کوسوں دور ہیں)۔

پس (ان لوگوں کو ہمارے بیان سے یہ بات معلوم ہوگئی (ہوگی) کہ غلام کا اپنی خدمت کی وجہ سے آقا پر اجرت (وغیرہ) کا کوئی حق نہیں ہوتا اور اگر وہ اجرت مانگنے لگے تو آقا کے ساتھ یہ (بڑی) بے ادبی (اور گستاخی) ہے، پھر یہ لوگ اپنے کو دوسروں سے زیادہ درجات عالیہ کا مستحق کیوں سمجھتے ہیں) بس بندہ تو محض حکم کی بجا آوری کے لئے آقا کی خدمت کیا کرتا ہے اور (اس کے بعد) حق سبحانہ (خود ہی) اپنے وعدہ کے موافق اس کو (ثواب وغیرہ) عطا کردیتے ہیں کیونکہ وہ وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتے۔

عبادات وطاعات بجالانے کے وقت بندہ کیا سمجھے؟

پس عبادات اور طاعات بجالانے کے وقت بندہ کو یہ سمجھنا چاہیے کہ میں نے کوئی نئی بات نہیں کی، بلکہ وہی کیا ہے جو غلام کو کرنا چاہئے تھا اور اس کی وجہ سے میں کسی اجر وغیرہ کا مستحق نہیں اور اگر آقائے کریم خوش ہوکر کچھ عطا کردے تو یہ محض اس کا فضل وانعام ہوگا) دوسرے یہ کہ (اجرت تو عمل کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہے) عمل خود اجرت کو چاہتا ہے پھر (اس کے طالب بننے ہی کی کیا ضرورت ہے؟) وہ (تو) عمل کرنے والے کو مل ہی کر رہے گی۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام نے حق تعالیٰ کے حکم سے اپنی امتوں کو حقیقت الامر بتلاتے ہوئے یہ فرمایا" قل ما اسئلکم علیہ من اجران اجری الا علی اللہ "[1] تم سے کوئی معاوضہ (اپنی رسالت کا) نہیں مانگتے ہمارا معاوضہ تو خدا تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے (کہ وہ ہم کو اپنی رحمت سے اس کا بدلہ دے گا) تو انبیاء علیہم السلام نے بتلادیا کہ اجرت کا استحقاق صرف اسی (خدا) سے ہے جو ان سے کام لے رہا ہے اس کے سوا وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی اجر

اور (سیدنا) محمد رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ نے ایک خاص فضیلت عطا فرمائی ہے جو آپ کے سوا کسی (نبی) کو عطا نہیں ہوئی۔ کہ آپ کی رسالت کا (ایک) اجر امت کے اوپر بھی (لازم کیا گیا) ہے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح حق تعالیٰ پر تو آپ کا اجر ہے ہی پس حق تعالیٰ نے آپ کو امر فرمایا ہے کہ اپنی امت سے بھی رسالت کا اجر وصول فرمائیں وہ یہ ہے کہ آپ کے (اہل بیت اور) اہل قرابت کو (کسی قسم کی) تکلیف نہ پہنچاویں چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی "[2] آپ اپنی امت سے کہہ دیجئے کہ میں رسالت پر تم سے اس کے سوا کوئی

[1] الشوریٰ : ۲۳

[2] ہود : ۲۹

اجر نہیں مانگتا کہ میری قرابت سے دوستی (اور محبت) رکھو پس امت کے اوپر اس حق کا ادا کرنا لازم ہے جو حق تعالیٰ نے ان پر واجب کیا ہے کہ آپ کی قرابت اور اہل بیت سے محبت رکھیں۔

اعمال کا معاوضہ منقسم ہے

اس (تمام) تقریر سے معلوم ہوا کہ (اعمال کا) معاوضہ حق تعالیٰ اور بندوں کے درمیان منقسم ہے ایک معاوضہ تو حق تعالیٰ کا مخلوق کے ذمہ ہے (کہ اس کی عبادت کریں) کیونکہ اس نے بندوں کی خاطر بہت سے کام کیے ہیں (کہ آسمان زمین میں جو کچھ ہے سب انہی کے واسطے ہے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کی نعمتیں بارش کی طرح ان پر برستی رہتی ہیں) اور ایک معاوضہ مخلوق کا خدا کے ذمہ ہے (یعنی ثواب اور اجر) جو اس نے (محض) اپنے فضل واحسان سے اپنے ذمہ رکھ لیا ہے اس وجہ سے کہ بندے بعض کام اللہ کے لئے کرتے ہیں کیونکہ اگر مخلوق کا وجود نہ ہوتا تو یہ اعمال (جو خدا کی عبادت کے لئے کیے جاتے ہیں) ظاہر نہ ہو سکتے۔ پس چونکہ بندوں کے ذریعہ سے خدا کی عبادت ظاہر ہوتی ہے اس لئے اس کا معاوضہ اس نے اپنے ذمہ لازم کرلیا ہے اور اس مسئلہ میں گفتگو کرنا تفصیل طلب ہے (مگر بہر صورت بندوں کو استحقاق کا دعویٰ کبھی جائز نہیں کیونکہ جو چیز جس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے اس کا بجالانا اس کے ذمہ ضروری ہے معاوضہ مانگنے کا اسے کیا حق ہے۔)

محبت و تعظیم ہی کی بناء پر عبادت کرنے میں بندہ کا فائدہ ہے

اور جاننا چاہئے کہ بندہ اجر (اور ثواب) کی خواہش (اور دعوی استحقاق) کو چھوڑ کر حق تعالیٰ کا ادب اور محبت اور قرب حاصل کرتا ہے کیونکہ جب حق تعالیٰ اپنے بندہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ (محض) اس کی محبت اور تعظیم کی وجہ سے عبادت (اور اطاعت) کی طرف متوجہ ہے تو وہ اس پر اپنی (خوشی اور رضامندی کے خلعت بھیجتے ہیں اور ایسی

نعمتیں نازل کرتے ہیں کہ جو اس کے خیال میں بھی نہیں ہوتیں بخلاف اس شخص کے جس کی نسبت حق تعالیٰ کو یہ معلوم ہو کہ وہ کسی (خاص) چیز کی وجہ سے اس کی عبادت کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی باگ چھوڑ دیتے (اور اپنے دربار سے اس کو آزاد کر دیتے) ہیں اور بہت سے بہت اس کو وہ چیز دے دیتے ہیں جس کی وجہ سے اس نے عبادت کی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس صورت میں پریشانی اور بے ادبی اور غضب کا اندیشہ بھی ہوتا ہے چنانچہ (یہ فرق) ان لوگوں میں بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے جو کسی بادشاہ (دنیا) کی خدمت کرتے ہیں (کہ جو لوگ محض) بادشاہ کی محبت (اور عظمت) کی وجہ سے (خدمت کرتے ہیں) اور اس سے مطلقاً کچھ نہیں مانگتے تو بادشاہ ان کو جاگیریں وغیرہ بدون ان کے مانگے ہی دے دیتا ہے بخلاف ان لوگوں کے جو اپنی خدمت پر اس سے کچھ (معاوضہ) مانگتے ہیں یا اس کے پاس (کسی کی سفارش وغیرہ کا) کوئی قصہ لے جاتے ہیں یا اپنے مقرب بننے کی درخواست کرتے ہیں تو بادشاہ کو اپنے لئے ان کا خادم بنانا (بھی) گراں گذرتا ہے (مقرب بنانا تو بہت دور ہے) اور (اس کی طبیعت اس کا دل) ان سے اکتا جاتا ہے کیونکہ (ان باتوں سے) وہ یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ لوگ اس کی خدمت (محبت کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ) محض ان چیزوں کی خاطر کرتے ہیں جو (کبھی کبھی) بادشاہ ان کو عطا کر دیتا ہے۔ پس (یاد رکھو کہ عالم غیب کے معاملات عالم ظاہر کے بہت زیادہ مشابہ ہیں) اس کو خوب سمجھ لو۔

بندہ کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھنا چاہئے

پس بندہ کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی ذمہ داری پر (ہمیشہ) اعتماد رکھے (اور یہ سمجھ لے کہ جب اس نے عبادات وطاعات پر اجر اور ثواب عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے تو وہ ضرور خود ہی اس کو پورا کرے گا مجھے اس کی طلب اور استحقاق کا خیال نہ کرنا چاہئے)۔ اور (اسی طرح بندہ کو یہ بھی چاہئے کہ) اس کے دل میں کسی چیز کے متعلق خدا کی نسبت

اتہام (کا وہم بھی) نہ ہونا چاہئے (مثلاً یہ وسوسہ لائے کہ نہ معلوم حق تعالیٰ مجھے کچھ ثواب دیں گے بھی یا نہیں) کیونکہ انسان غلام ہے اور غلام کی آقا کے ذمہ کوئی ایسی چیز نہیں ہوا کرتی جس کو وہ (استحقاق کے ساتھ) مانگ سکے اور (نہ دینے کی صورت میں) اس کو متہم کر سکے۔

پس جب بندہ کو خدا کی ذمہ داری اور اس کے وعدہ پر وثوق (واعتماد) نہ ہو تو (سمجھنا چاہئے کہ) اس کا ایمان ناقص ہے اور وثوق کی علامت یہ ہے کہ انسان کے نزدیک غائب اور حاضر (دونوں قسم کی چیزیں) برابر ہو جاویں دونوں میں کچھ بھی فرق نہ رہے (پس جیسا وثوق تم کو اس رقم پر ہے جو آج تمہارے قبضہ میں ہے ویسا ہی اعتماد آئندہ کی نسبت بھی ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ اس رقم کے ختم ہونے کے بعد بھی مجھ کو اپنے خزانہ سے رزق پہنچاویں گے) اور اس سے ڈرنا چاہئے کہ تمہارے دل میں خدا کی نسبت کوئی اتہام (پیدا) ہو کیونکہ خدا کے نزدیک دل کی بات ویسی ہی ہے جیسے زبان سے صاف صاف کوئی بات کہہ دی جائے۔

اور (بھلا یہ تو سوچو کہ) اگر تم زبان سے صاف صاف یوں کہہ دو کہ مجھے خدا (کے وعدہ) پر اعتماد نہیں یا میں خدا کے وعدہ کو سچا نہیں سمجھتا تو (اس صورت میں تمہارے لئے کیا حکم ہوگا ظاہر ہے کہ) شریعت (تم کو مرتد سمجھ کر) تمہارے قتل کا حکم دے گی۔ (اور یہ معلوم ہی ہو چکا ہے کہ خدا کے نزدیک دل میں کہنا اور زبان سے کہنا برابر ہے) تو جو شخص خدا کے نزدیک مثل (مرتد) کے ہو وہ اپنے کو مسلمان کیونکر سمجھتا ہے (یقیناً وہ اگر کافر نہیں تو اس کے ایمان میں کمی ضرور ہے) کیونکہ اسلام (کی حقیقت) یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جتنی باتوں کی خبر دی ہے ان سب کو (دل سے) سچا سمجھا جائے۔ اس کو خوب ذہن نشین کر لو۔

حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے مٹنا

کیونکہ طلب ثواب وغیرہ کی علت سے پاک ہو کر (خالص عبادت کرنا

سالکین کے ان (خاص) حالات میں سے ہے جو طریقت میں پہلا قدم رکھتے ہی ان کو ذوقی (اور وجدانی) طور پر حاصل ہوتے ہیں (پس جو شخص ابھی تک ثواب وغیرہ ہی کے لئے عبادت کر رہا ہے اس نے طریقت میں پہلا قدم بھی نہیں رکھا) اس لئے بعض عارفین نے کہا ہے کہ (عالم اور) فقیہ کی انتہا فقیر (یعنی سالک) کی ابتدا ہے کیونکہ عالم (ظاہری) کی بڑی (انتہائی) حالت یہ ہے کہ اپنے علم وعمل میں اس حق تعالیٰ کے لئے اخلاص (حاصل) کرے اور اپنے (اندر) اخلاص کا مشاہدہ کرے اور اس پر کسی (معاوضہ اور) اجر کا طالب نہ بنے بس عالم (ظاہری) اس کے سوا (اور کسی مقام کا مزہ) کچھ نہیں چکھتا اور یہ حالت سالک کے طریقت میں داخل ہونے کی ابتدائی منزل) ہے پھر وہ اپنے نصیب اور قسمت کے موافق دوسرے احوال ومقامات کی طرف ترقی کرتا ہے (جن کی علماء ظاہری کو ہوا بھی نہیں لگی) یہاں تک کہ وہ اپنے نفس پر نظر کرنے سے بھی غائب ہوجاتا ہے (یعنی غلبۂ توحید کی وجہ سے ہر چیز اس کو مضمحل اور لاشئ معلوم ہوتی ہے حتی کہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہوجاتا ہے کہ اپنا وجود بھی اس کو لاشئ اور کالعدم معلوم ہوتا ہے)۔

اور یہ سب (باتیں خیالی نہیں ہیں، بلکہ جن کو یہ حالات پیش آتے ہیں وہ ان کی حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ) سالک پر چونکہ حق تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا انکشاف ہوجاتا ہے اس لئے (اس کے سامنے) تمام چیزیں مضمحل (اور کالعدم محسوس) ہوتی ہیں کیونکہ جس شخص کو ان (حالات) کا کچھ بھی ذوق (نصیب) ہو(جا) تا ہے وہ (دوسری چیزوں سے بالکل) یکسو ہوجاتا ہے اور (ایسا ہوجانا کچھ تعجب کی بات نہیں) دیکھو جب انسان کو کوئی مصیبت پہونچتی ہے تو وہ (پریشانی کی وجہ سے) کبھی اندر جاتا ہے کبھی باہر آتا ہے اور (اسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ) اس کا کوئی دوست (اس سے ملنے کے لئے آیا ہوا اور اس کا منتظر) بیٹھا ہوا ہے، پھر جب وہ دوست (خود ہی) اس سے کہتا ہے کہ میں بہت دیر سے (آپ کا) منتظر بیٹھا ہوا ہوں

(اس وقت اس کو خبر ہوتی ہے کہ کوئی مجھ سے ملنے آیا ہے) تو اب یہ (معذرت کے طور پر) اس سے کہتا ہے کہ واللہ میں نے پریشانی کی وجہ سے آپ کو دیکھا تک نہیں (تو دیکھو ایک ادنی پریشانی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے سامنے کا آدمی نظر نہیں آتا) باوجود یہ کہ اس کی آنکھیں صحیح سالم ہوتی ہیں مگر دل (چونکہ دوسری طرف) مشغول ہے (اس لئے ادھر التفات نہیں ہوتا) اور دوسرے اعضا بھی (اس وقت) دل کے تابع ہو جاتے ہیں (کہ جس طرف دل مشغول ہے وہ بھی ادھر ہی متوجہ ہو جاتے ہیں۔

پس اگر کسی شخص کو غلبۂ توحید اور غلبۂ حال کی وجہ سے خدا تعالی کے سوا کوئی چیز موجود نظر نہ آتی ہو تو اس پر تعجب نہ کرو اور نہ اس کو جھوٹا بتاؤ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا دل حق تعالی کی طرف اس درجہ متوجہ اور مشغول ہو کہ دوسری چیزوں پر اسے التفات ہی نہ ہوتا ہو اور جیسا کہ پریشانی اور مصیبت کے وقت انسان کو اپنے سامنے کی چیز نظر نہیں آتی اسی طرح اس کو بھی غلبۂ حال کی وجہ سے کوئی چیز خدا کے سوا موجود نہ معلوم ہوتی ہو) پس اس کو خوب سمجھ لو (کہ وحدۃ الوجود کی حقیقت بس اتنی ہی ہے مگر جہال نے اس میں بہت کچھ غلو کر لیا ہے وہ یہ دعوی کرنے لگے کہ عالم میں ہر چیز خدا ہی ہے نعوذ باللہ منہ)۔

اور (چونکہ) عالم (کو ان احوال کا ذوق حاصل نہیں ہوتا اس لئے وہ) یہ کہتا ہے کہ بلا کسی علت کے اور بدون ثواب کی خواہش کے عبادت کرنا خاص لوگوں کا مرتبہ ہے (ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ثواب وغیرہ کی خواہش کے بغیر عبادت کر سکیں) اور وہ (بے چارہ اس بات میں) معذور ہے کیونکہ اس کا قدم ترقی (کے راستہ) میں نہیں ہے بخلاف سالک کے (کہ وہ اپنے ذوق سے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ حق تعالیٰ کی عبادت محض اس کی عظمت کی وجہ سے کرنی چاہیے۔[1] ثواب وغیرہ کے لئے

---

[1] جاننا چاہیے کہ طلب ثواب کے تین درجے ہیں ایک یہ کہ بندہ عبادات بجالانے کے بعد اپنے آپ کو ثواب کا مستحق سمجھے۔ دوسرے یہ کہ مستحق اگرچہ نہ سمجھے مگر عبادت سے اس کا مقصود یہی ہو کہ مجھے ثواب ملے گا، جنت اور حور قصور ملیں گے۔ تیسرے یہ کہ عبادت تو محض خدا کی رضا کے لئے اور اس کی (جاری......)

نہ کرنی چاہئے کیونکہ سالک ہمیشہ ترقی میں رہتا ہے (اس لئے اس کو یہ ذوق نصیب ہوجاتا ہے)۔

اور جب (سالک) ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرتا ہے تو وہ پہلے مقام کو چھوڑ دیتا ہے اور (حقیقت الامر یہ ہے کہ سالک بھی کسی مقام پر پہنچنے کے بعد ہی اس کا مزہ چکھتا ہے اس سے پہلے وہ بھی اس کو نہیں سمجھ سکتا کیونکہ) ہر ترقی کرنے والے کو ترقی کے زمانہ میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جس مقام تک وہ پہونچا ہے اس سے آگے بھی کوئی (بڑا) مقام ہے اسی لئے اہل طریقت ان مشائخ کو اپنا پیشوا اور رہنما) بناتے ہیں جو کہ سلوک طے کر چکے ہیں کیونکہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ مرید نے کسی ایک مقام تک ترقی کی ہے تو اس کو بتلا دیتے ہیں کہ اس کے آگے فلاں فلاں مقامات ہیں (ابھی) تم (بہت) دور ہو، پھر جب مرید اس سے آگے ترقی کرتا ہے اور اس مقام کو دیکھتا ہے جس کی خبر شیخ نے پہلے ہی دیدی تھی جب کہ یہ اس مقام پر پہنچا بھی نہ تھا تو اس کو شیخ (کے کمال) پر اعتماد ہوجاتا اور یقین مضبوط ہوجاتا ہے۔

طریق سلوک میں شیخ کا اتباع بہت ہی ضروری ہے

(اور اس راستہ میں شیخ کے اتباع کی بہت ہی ضرورت ہے) کیونکہ یہ غیبی راستہ ہے (جس کو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اس لئے) بدون رہنما کے یہ (کبھی) طے نہیں

(**بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ**) عظمت کا حق سمجھ کر کرے پھر جنت اور ثواب کا اس لئے طلب کرے تاکہ اس سے اپنا محتاج ہونا ظاہر ہو کہ الٰہی آپ کی رضا تو بہت بڑی چیز ہے میں اس کا محتاج تو کیوں نہ ہوتا میں تو اس سے بھی چھوٹی نعمتوں کا محتاج ہوں۔

پس پہلی صورت تو بالکل ناجائز ہے اور دوسری صورت گو جائز ہے، مگر عبدیت کے خلاف ہے اور تیسری صورت کمال عبدیت ہے پس جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ ثواب کا طالب ہونا مطلقاً برا ہے حتی کہ بعضے یہ کہنے لگے کہ ہم کو جنت کی کیا پرواہ ہے وہ عبدیت سے کوسوں دور ہیں اور ظاہر ہے کہ جب حضور ﷺ نے جنت وغیرہ کا سوال حق تعالیٰ سے کیا ہے اور قرآن میں بھی جنت کی نعمتوں میں رغبت کرنے کا امر وارد ہے تو ان کا مانگنا اور طلب کرنا مطلقاً کیسے ممنوع ہوسکتا پس علامہ کا مقصود پہلی دو صورتوں سے منع کرنا ہے اور تیسری صورت کمال عبدیت اور عین سنت ہے ۱۲ مترجم۔

ہوسکتا اور (حضرت) جنید رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ میں دس برس تک (صوفیہ کرام کے) اس قول میں توقف (اور شک) کرتا رہا کہ ذاکر (اثناء سلوک میں) ایک ایسے حال پر پہونچتا ہے کہ اگر (اس وقت) اس کے چہرہ پر تلوار ماری جائے تو اس کو (ذرا بھی) احساس نہ ہو یہاں تک کہ (جب ہم کو خود یہ حالت پیش آئی تو اس وقت شک دور ہوا اور ہم نے اس بات کو (بعینہ) ویسا ہی پایا جیسا کہ مشائخ نے فرمایا تھا اور جس شخص کو (کسی خاص حالت کا) ذوق حاصل ہو جاتا ہے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ ایسے شخص سے جس کو وہ ذوق نصیب نہیں ہوا یہ کہتا ہے کہ مجھ کو (فلاں حالت کا) ذوق حاصل ہے تو یقین کے ساتھ اس کی بات قبول نہیں کی جاتی، بلکہ محض تقلید کے طور پر مان لی جاتی ہے (اور یقین کے ساتھ وہی شخص اس کی بات کو مان سکتا ہے جس کو خود اس حالت کا ذوق حاصل ہو چکا ہو کسی نے سچ کہا ہے۔ ع

ذوق ایں می نہ شناسی بخدا تا نچشی [1]

احادیث ترغیب وترہیب پر ایک اشکال اور اس کا جواب

اور جب میں صوفیہ کے طریق پر محبت (الٰہی) کے راستہ میں داخل ہوا اور مجھ کو اس (خاص) حالت کا ذوق حاصل ہوا (کہ حق تعالیٰ کی اطاعت وعبادت ثواب وغیرہ کے لئے نہ کرنی چاہئے) تو (غلبۂ حال کی وجہ سے) میری سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ کوئی شخص کبھی ثواب کی طلب یا عذاب کے خوف سے بھی خدا کی عبادت کرتا ہوگا (میں یہ خیال کرتا تھا کہ ایسا کون شخص ہوگا اور سب کو اپنا ہی جیسا سمجھتا تھا کہ وہ محض خدا کی عظمت کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہیں) اور (اپنے دل میں) یہ کہتا تھا کہ احادیث میں جو عبادات پر (ثواب کی) ترغیب اور محرمات کے ارتکاب پر (عذاب کی) ترہیب (اور دھمکی) دی گئی ہے اس میں کیا فائدہ ہے جب ہر شخص خدا کی عظمت کی وجہ

---

[1] خدا کی قسم اس کا ذوق (ذائقہ) تو نہیں سمجھ سکتا جب تک تو چکھ نہ لے۔۱۲ مرتب

سے اس کی عبادت کرتا ہے تو ان ترغیبوں اور دھمکیوں کی کیا ضرورت تھی؟) پس میں نے (سیدنا) رسول اللہ ﷺ کو اس عالم کے سوا (دوسرے عالم) میں دیکھا اور آپ نے (میرے اس خطرہ کا جواب دیتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ اگر ہم مخلوق کے سامنے عبادات کے درجے اور ان کا ثواب اور محرمات کے درجے اور ان کا عذاب نہ بیان کرتے تو آخرت میں ہم پر (الزام اور) حجت قائم ہوجاتی اور ہم سے مؤاخذہ ہوتا کہ تم نے (تمام) احکام کے درجے اور ان کا ثواب وعذاب کیوں نہیں بیان کیا، مگر ہم نے (الزام قائم ہونے سے) پہلے ہی دنیا میں سب کچھ بیان کردیا ہے (اس لئے اب ہم سے کچھ مؤاخذہ نہ ہوگا) تو (حضور ﷺ کے اس جواب سے) میرا وہ خطرہ زائل ہوگیا جس کو میں (اپنے دل میں) پاتا تھا اور (اس سے) جو کچھ میں سمجھا وہ سمجھ گیا۔[1] پس حق تعالیٰ حضور پر صلوٰۃ وسلام نازل فرمائیں (سبحان اللہ) آپ کیا ہی اچھے معلم ہیں وباللہ التوفیق۔

---

[1] مترجم عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ حضور ﷺ کے اس جواب کا حقیقی مطلب جو کچھ ہے اور علامہ شعرانیؒ نے جو کچھ سمجھا ہے وہاں تک تو ہم جیسوں کی رسائی کب ہوسکتی ہے مگر جو کچھ میں اپنی وسعت کے موافق سمجھا ہوں وہ عرض کئے دیتا ہوں اگر صحیح ہو تو خدا کی طرف سے ہے ورنہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے، میری سمجھ میں حضور ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ آیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ عبادات کے ثواب اور محرمات کے عذاب بیان کرنے سے ہمارا یہ مقصود نہیں کہ انسان ان کی وجہ سے خدا کی عبادت کیا کرے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اوامر ونواہی میں مختلف درجے مقرر کئے ہیں کہ بعضے فرض ہیں بعضے واجب، بعضے مستحب اسی طرح کوئی حرام ہے کوئی مکروہ ہے، کوئی خلاف اولیٰ تو ہمارے اوپر یہ لازم تھا کہ مخلوق کے سامنے یہ تمام درجے بیان کردیں تاکہ وہ معلوم کرلیں کہ کون سے احکام زیادہ ضروری ہیں اور کن کا بجالانا ان کے اختیار پر چھوڑا گیا ہے اگر ہم یہ مراتب بیان نہ کرتے تو ممکن تھا کہ بعض لوگ ضروری احکام کو چھوڑ کر غیر ضروری کا زیادہ اہتمام کرتے تو ہم سے آخرت میں اس کی باز پرس ہوتی اور جب احکام کے مراتب کا بتلانا ضروری تھا تو عذاب وثواب کا بتلانا بھی ضروری تھا کیونکہ عذاب وثواب کی کمی زیادتی ہی سے احکام کے درجے مخلوق کو معلوم ہوسکتے ہیں اس کے بغیر ان کو یہ امتیاز دشوار ہوتا کہ کون فرض ہے، کون واجب، کون حرام ہے، کون مکروہ ہے۔ (جاری......)

بندہ کو ہر حالت میں حق تعالیٰ سے راضی رہنا چاہئے

(۲) اور بندوں کی یہ بھی شان ہونی چاہئے کہ وہ حق تعالیٰ سے ہر حالت میں راضی رہیں جو حالت بھی ہو اور حق تعالیٰ جو کچھ بھی ان پر (احکام اور تکالیف) جاری کریں (ان سے) کچھ بھی ناراضی (اور ناگواری) پیدا نہ ہو اور حق تعالیٰ جو کچھ ان کو عطا کریں خواہ کچھ ہی ہو اس کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کے مصالح کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔ تو وہ جو کچھ (ان کے واسطے) کریں گے وہی بہتر ہوگا وعسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم الآیة[1] (اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور تمہارے لئے وہی بہتر ہو) پس حکمت الٰہی کامل ہے (اس میں کچھ نقصان نہیں اور) اس کا مقتضی یہی ہے کہ جو کچھ بندہ کو عطا کیا گیا ہے (وہی عطا کیا جاوے) اس کے سوا کچھ نہ عطا کیا جائے چاہے وہ (اس حالت موجودہ سے) اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔

پس (بندہ کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جو حالت اس کو عطا ہوئی ہے) اگر اس کے سوا (دوسری حالت) اس کو عطا کی جاتی تو (یقیناً) اس کی حالت خراب ہو جاتی جیسا کہ (یہ) حدیث قدسی، اس طرف اشارہ کرتی ہے "ان من عبادی من لا یصلح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دوسری بات یہ ہے کہ مخلوق سب یکساں بھی نہیں ہے کہ سب محض خدا کی عظمت کے لئے عبادت کیا کریں ان میں بعضے وہ بھی ہیں جو ثواب وعذاب ہی کی وجہ سے عبادت کر سکتے ہیں پس اگر ہم اس کو بیان نہ کرتے تو ایسے لوگ بالکل عبادت سے محروم رہتے اور آخرت میں اس پر بھی ہم سے سوال ہوتا۔ تیسرے یہ کہ عذاب وثواب کے بیان کرنے سے حق تعالیٰ کو مخلوق کا امتحان بھی مقصود ہے کہ ان چیزوں کو سن کر کون ایسا ہے جو انہی کی وجہ سے عبادت کرتا ہے اور کون ایسا ہے جو محض خدا کی عظمت کی وجہ سے عبادت کرتا ہے اگر ہم ثواب وعذاب کو بیان نہ کرتے تو یہ امتحان نہ ہو سکتا اور اس امتحان میں جو لوگ کامیاب ہوتے اور اعلیٰ درجہ پاتے ہیں پہلی صورت میں ان کے درجات زیادہ بلند نہ ہوتے تو اس پر بھی ہم سے مواخذہ ہوتا اس لئے ہم نے ثواب وعذاب بتلا دیا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

[1] البقرة: ص: ٢١٦

لہ الا الفقر ولو اغنیتہ لفسد حالہ وان من عبادی من لا یصلح لہ الا الغنی ولوا فقرتہ لفسد حالہ[1] (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بعضے بندوں کے لئے فقر ہی مناسب ہوتا ہے (اس لئے میں ان کو فقیر کردیتا ہوں) اور اگر میں ان کو غنی کردوں تو ان کی حالت خراب ہوجائے اور بعضوں کے لئے غنا (اور تو انگری) ہی مناسب ہوتی ہے (اس لئے میں ان کو غنی کردیتا ہوں) اور اگر میں ان کو فقیر کردوں تو ان کی حالت خراب ہوجائے۔

جب تم اس کو سمجھ گئے اور تم نے یہ جان لیا کہ جس شخص کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس کے حق میں وہی (حالت) اکمل اور مناسب تر ہے اور (خداوند) حکیم وعلیم کی حکمت بالغہ (کا وہی) تقاضا ہے تو (اب سمجھو کہ) انبیاء کے حق میں نبوت اور اولیاء کے حق میں ولایت اور مومن کے حق میں ایمان اور عالم کے حق میں علم اور پیشہ ور (آدمی) کے حق میں پیشہ کرنا اور پیشہ نہ کرنے والے کے حق میں پیشہ نہ کرنا ہی (کامل و) اکمل (حالت) ہے اور اسی طرح سب کو اس پر قیاس کرلو[2] (کہ تندرست کے حق میں تندرستی اور بیمار کے حق میں بیماری اور بادشاہ کے حق میں بادشاہت اور مزدور کے واسطے مزدوری ہی زیادہ مناسب ہے)۔

---

[1] دیکھئے کتاب الاسماء والصفات ص:۱۲۱۔ مرتب

[2] یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ کافر کے حق میں کفر اور عاصی کے حق میں معصیت ہی کامل واکمل حالت ہو اور کافر کو ایمان کی اور عاصی کو اطاعت کی خواہش نہ کرنا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ اس جگہ حق تعالیٰ کی عطاؤں میں گفتگو ہورہی ہے کہ جو کچھ وہ عطا کردیں اس کو اپنے لئے بہتر سمجھنا چاہئے۔ اور کفر و معصیت خدا کی عطا نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ نے تو ہر شخص کی فطرت میں ایمان اور اطاعت کا مادہ رکھا ہے اور وہی خدا کی عطا ہے مگر انسان ہواء نفسانی کا اتباع کرکے اپنی فطرت کو خراب کرکے کفر ومعصیت اختیار کرتا ہے پس یہ خدا کی عطا ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں تو انسان خدا کی اصلی عطا کو دھکے دے کر ناشکری پر کمر باندھ لیتا ہے۔ خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم

اور یہاں بہت سے پوشیدہ راز ہیں جن کو اہل اللہ ہی سمجھتے ہیں (دوسرے لوگ نہیں سمجھ سکتے) پس جس حالت میں بندہ (کو خدا نے رکھا) ہے۔ اس سے (دوسری حالت کی طرف) انتقال چاہنا یہ خدا کی ناپسند کی ہوئی چیز کو پسند کرنا ہے اور دعوی کر کے یہ بتلانا ہے کہ میں خدا تعالیٰ سے زیادہ اپنے مصالح کو جانتا ہوں اور اس کا جہل وکفر ہونا کھلا ہوا ہے اور یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے سب حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے اعطی کل شئي خلقه ثم هدى[1] (خدا نے ہر چیز کو اس کی مناسب حالت عطا کی پھر اس کو (جس کام کے لئے پیدا کیا ہے اس کی طرف) ہدایت کی۔ پس خوب سمجھ جاؤ۔

اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک نہ سمجھیں

(۳) اور بندوں کی یہ بھی شان ہونی چاہئے کہ اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک نہ سمجھیں نہ ظاہر میں نہ باطن میں (بلکہ ہر چیز کا مالک حق تعالیٰ کو سمجھیں) اور اس حالت کا مشاہدہ ذوق سے ہوا کرتا ہے علم (ظاہر) سے نہیں ہوتا کیونکہ ذوق (باطنی) کسی دلیل پر موقوف نہیں (بلکہ وہ صحیح انکشاف ہوتا ہے) اس لئے وہ (علم ظاہری سے) زیادہ مستحکم ہے (کیونکہ علم ظاہری دلیل پر موقوف ہوتا ہے) اور اگر دلیل نہ ہو تو عالم (ظاہری) کا علم بھی (باقی) نہیں رہتا اور جس دلیل سے وہ کسی کو مالک سمجھتا ہوگا (اب دلیل کے نہ ہونے کی صورت میں) وہ اس کی طرف ملک کو منسوب نہ کر سکے گا۔

(مگر حق تعالیٰ کو ہر چیز کا مالک سمجھنے اور بندہ کو مالک نہ سمجھنے کا یہ مطلب نہیں کہ جو لوگ شرعی قاعدہ کے موافق ظاہر میں کسی چیز کے مالک قرار دیئے گئے ہیں اس چیز کو مالک کی اجازت کے بغیر لینا اور استعمال کرنا جائز ہے) پس جو سالکین ناقص ہوتے ہیں ان پر حق تعالیٰ کی ملک کا مشاہدہ اس درجہ غالب ہوتا ہے کہ ان کی نظر مخلوق کی ملک سے بالکل قطع ہو جاتی ہے (اور وہ ہر شخص کے مال کو اپنے لئے حلال سمجھتے ہیں) اور کسی چیز کو حرام نہیں سمجھتے نہ غصب کو نہ ربوا کو نہ کسی اور طریقہ (سے مال لینے) کو اور وہ یہ کہتے

[1] طه: ۲۰

ہیں کہ جو شخص اپنے مالک کی کسی چیز کو لے لے وہ اسی کی ہو جاتی ہے (تو ہم بھی جو کچھ لیتے ہیں وہ خدا کی چیز ہے کسی دوسرے کی تھوڑا ہی ہے) اور (غلبۂ حال کی وجہ سے) اس کے مقابلہ میں کوئی دلیل ان کی نظر میں نہیں رہتی، اسی واسطے سالک ناقص میں اور فقہاء میں نزع واقع ہو جاتا ہے کیونکہ (ان میں سے) ہر ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنا (اور ایک دوسرے کی تغلیط کرنا) چاہتا ہے اور (ظاہر ہے کہ) ایک آنکھ والا کانا ہوتا ہے (اس لئے حقیقت سے یہ دونوں دور ہیں)۔

اور مجھ کو بھی اس حالت کا ذوق حاصل ہوا ہے مگر (باوجودیکہ میں اس وقت ہر چیز کو ظاہراً و باطناً خدا تعالیٰ کی ملک میں مشاہدہ کرتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی شریعت کا حق بھی ادا کرتا تھا یعنی) حق تعالیٰ نے مجھ کو ان چیزوں کے استعمال سے محفوظ رکھا جن کو شریعت نے حرام کیا ہے پھر حق تعالیٰ نے مجھ کو اس (غلبۂ حال) سے نجات دیدی۔

پس کامل سالکین پروردگار عالم کی ملک کا مشاہدہ کرتے ہوئے بندہ کے تعلق ملک کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں (اس طرح سے) کہ ایک مشاہدہ دوسرے مشاہدہ سے ان کو مانع نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ بندہ (خود کسی چیز کا مالک نہیں، بلکہ اس کا مالک ہونا محض اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے اس کو مالک بنا دیا ہے تو (واقع میں) بندہ کی ملک حقیقی نہیں ہے، کیونکہ حقیقی ملک تو پیدا کرنے والے کی ہوتی ہے (اور پیدا کرنے والا خدا کے سوا کوئی نہیں) بس بندہ کا مالک ہونا محض ایک شرعی نسبت ہے (کہ برائے نام اس کی طرف بعض چیزیں منسوب کر دیجاتی ہیں) جس کی وجہ سے خلاف شرع بندہ سے (کسی چیز کا) غصب کرنا اور چرانا حرام ہو گیا۔

بندہ کی طرف نسبت سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی ملک سے خارج نہیں ہوئی

پس بندہ کی طرف (برائے نام) نسبت ہونے سے (کوئی چیز) خدا کی ملک

سے خارج نہیں ہوئی (اسی لئے امام العارفین سیدی ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اپنے ظاہر و باطن (یعنی دل اور زبان) سے کسی چیز کے مالک ہونے کا دعوی کرتے ہوئے ڈرو، کیونکہ جو بندہ اپنے لئے حقیقۃً مالک ہونے کا دعوی کرتا ہے وہ مؤمن نہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرما چکے ہیں "ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم"[1] کہ خدا تعالیٰ نے مؤمنین سے ان کے مال اور جان کو خرید لیا ہے، پس مومن وہی ہے جو اپنے نفس کو خدا کے ہاتھ بیع کر چکا (اور ظاہر ہے کہ بیع کر دینے کے بعد بیچنے والا کا اس چیز میں کوئی حق نہیں رہتا۔)

(پس مومن ہونے کا) مطلب یہ ہے کہ جو چیز خدا کی ہے اسکی نسبت بندہ کے دل میں کچھ منازعت باقی نہ رہے (یعنی اس میں اپنا کوئی حق نہ سمجھے) پس ایسے دعوی سے اپنے نفس کو بچاؤ جو تم سے ایمان کو سلب کر لے اور ادب کا لازم سمجھو کیونکہ ادب ہر خیر (وخوبی) کا دروازہ ہے اور (اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لئے فضول) بحث مت کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

انسان کو دعویٰ ملک میں ڈالنے والی بات

اور جاننا چاہئے کہ انسان کو دعوی ملک میں ڈالنے والی بات یہ ہے کہ وہ (خدا کا) خلیفہ ہے اور حق تعالیٰ نے اس کی نسبت فرمایا ہے "وما ملکت ایمانکم"[2] (اور جن چیزوں کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں) اور اس کی مثل دوسری آیتیں (بھی) ہیں اور یہ بات انسان کے سوا کسی کے لئے نہیں کہی گئی یعنی انسان کے سوا دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی غلامی کا کوئی اقرار کرتا ہو کہ میں فلاں کا غلام ہوں (بس ایک انسان ہی ایسا ہے جس کی غلامی کا اقرار بعض دوسرے انسان کرتے ہیں) اسی طرح شریعت نے اس کو آزادی (عطا) کرنے کا حق بھی دیا ہے اور اسی طرح آقا کے لئے

---

[1] التوبۃ: ۱۱۱

[2] النساء: ۳۶

آزادکردہ غلام کی میراث میں بھی حق دیا گیا ہے جب کہ اس کا اور کوئی وارث نہ ہو جیسا کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کے وارث ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا ہے "انا نحن نرث الارض ومن علیھا"[۱] (کہ بے شک ہم زمین کے اور اس کی تمام چیزوں کے وارث ہوں گے)۔

پس ان آیتوں وغیرہ میں جو بظاہر انسان کی طرف (خلافت اور ملکیت وراثت وغیرہ کی) نسبت کی گئی ہے تو کوتاہ نظر لوگوں کی نگاہیں اسی پر ٹھہر گئیں (اور وہ اپنے آپ کو سچ مچ مالک وغیرہ سمجھنے لگے) اور اہل اللہ اس (ظاہری نسبت) کی وجہ (اور راز) کو خوب سمجھتے ہیں، اس لئے وہ ان خطابات کو سن کر حیا وشرم کی وجہ سے پگھل جانے کے قریب ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے اس خطاب کے اسرار جانتے ہیں اور اس میں جو کچھ ان کے لئے تنبیہ اور دھمکی ہے (اس کو خوب پہچانتے ہیں) اس لئے کہ وہ حق تعالیٰ کے مقرب اور اس کے ہم نشین ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہمارے اندر مالک بننے کا دعویٰ اور خدا کی صفات میں حصہ لگانے کا مادہ نہ ہوتا تو حق تعالیٰ یوں نہ فرماتے "ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم" (کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان ومال کو خرید لیا ہے۔ کیونکہ ہم سب کے سب اسی کی ملک ہیں اور ہماری جان ومال بھی اسی کی ہے، پھر خریدنے کا کیا مطلب؟۔ سو بات یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے آپ کو اپنی جان ومال کا مالک سمجھتے ہیں، اس لئے حق تعالیٰ نے خریدنے کا لفظ ارشاد فرمایا)۔

اور اسی طرح حق تعالیٰ کا یہ ارشاد "ان اصحاب الجنۃ الیوم فی شغل فاکھون" (کہ جنت والے مشغلہ میں خوش دل ہوں گے) اور اس کی مثل جو آیتیں ہیں (ان کو سن کر بھی اہل اللہ شرمندہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم کو خدا تعالیٰ کے سوا دوسری چیزوں کی طرف رغبت نہ ہوتی تو حق تعالی ان چیزوں کی ہم کو ترغیب نہ دلاتے پس) یہ لوگ (جن کو اس قسم کی رغبت دلائی گئی) اغیار میں سے ہیں (ورنہ خاص

[۱] مریم : ۴۰

بندے وہ ہیں جو خدا تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہیں اور محض اس کی رضا کے طالب ہیں) اسی لئے بعض عارفین نے (ان آیات کو سن کر) عرض کیا کہ اے اللہ! مجھ کو ان لوگوں میں سے نہ کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات، نعمت بھی اور آزمائش بھی

(۴) اور خدا کے بندوں کی یہ بھی شان ہوتی ہے کہ جس قدر نعمتیں ان کے پاس ہوتی ہیں ان کو دو جہتوں سے دیکھتے ہیں ایک جہت نعمت سے، دوسری آزمائش اور امتحان ہونے کی جہت سے (خلاصہ یہ کہ وہ اپنے اوپر خدا تعالیٰ کے انعامات فائض ہوتے دیکھ کر بے فکر اور مطمئن نہیں ہوتے) کیونکہ بعض دفعہ نعمتیں امتحان کے طور پر بھی عطا ہوتی ہیں (اس لئے وہ اس سے بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں اس امتحان میں ہم ناکام نہ ہو جائیں)۔

پس (خدا کا سچا) بندہ دونوں جانبوں کا حق (پوری طرح) ادا کرتا ہے وہ نعمت کو نعمت بھی سمجھتا ہے اور اس کا شکر ادا کرنے سے اپنے عاجز ہونے کا اقرار کرتا ہے اور اس کو آزمائش اور امتحان کی جہت سے بھی دیکھتا ہے اور (خدا تعالیٰ کی مخفی) تدبیر اور (ظاہر میں) ڈھیل دینے سے ڈرتا رہتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں "سنستدرجھم من حیث لایعلمون"[1] (ہم ان کو آہستہ آہستہ اس طرح پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی سو نعمت میں استدراج کا پہلو بھی محتمل ہے اس لئے اس سے ڈرتا رہنا چاہئے)۔

تو بندہ جب نعمت کے اس پہلو پر بھی نظر رکھے گا تو ان شاء اللہ وہ اس کی وجہ سے ان لوگوں پر تکبر کرنے سے محفوظ رہے گا جو اس نعمت سے محروم ہیں کیونکہ انسان جب اپنے اوپر (خدا کی طرف سے) ظاہری اور باطنی نعمتیں دیکھتا ہے مثلاً احوال (وواردات) وعلوم اور مواہب ومعارف اور کشفیات وغیرہ اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھتا ہے کہ ان نعمتوں کی وجہ سے مخلوق اس کی تعظیم کرتی ہے تو (بعض دفعہ) وہ سرکشی

[1] القلم: ٤٤

اور تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے (اور اپنے آپ کو دوسروں سے افضل و اعلیٰ سمجھنے لگتا ہے (چنانچہ) حق تعالیٰ فرماتے ہیں "کلا ان الانسان لیطغی ان رآہ استغنی"[1] بے شک انسان اس وجہ سے سرکشی کرنے لگتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو (دوسروں سے) مستغنی دیکھتا ہے۔

دنیا میں نعمت سے زیادہ مصیبت ہے

اور جاننا چاہیے کہ دنیا میں بلائیں نعمتوں سے زیادہ ہیں کیونکہ (دنیا میں) کوئی نعمت جو انسان کو خدا کی طرف سے عطا ہو ایسی نہیں ہے جو بلا سے خالی ہو۔ پس (ادنیٰ بلاء تو یہ ہے کہ) حق تعالیٰ نعمت کا حق ادا کرنے کا اس سے مطالبہ کرتے ہیں اس کا (کماحقہ) شکر بجالائے اور اس کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرے (اور اسی کی طرف سے سمجھے) جو اس کا پیدا کرنے والا ہے اور اس نعمت کو اسی موقع میں صرف کرے جس میں صرف کرنے کا خدا نے اس کو حکم دیا ہے، پس جو شخص کہ نعمتوں کے مشاہدہ میں پوری طرح مستغرق ہے وہ ان کے ساتھ لذت حاصل کرنے سے کب فارغ ہوگا (اور ان کے دوسرے پہلو پر کب تک نظر نہ کرے گا) تاکہ نعمتوں کے مشاہدہ سے غائب ہو کر منعم (اور محسن) کا مشاہدہ کرے۔

اور اسی طرح مصائب میں بھی (دو جہتیں ہیں) کیونکہ مصائب خود تو بلاء اور مصیبت ہیں ہی۔ (مگر ایک پہلو ان میں بھی نعمت کا ہے وہ یہ کہ مصائب سے گناہ معاف اور درجات بلند ہوتے ہیں اور ان پر صبر کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے) اور جیسا کہ نعمتوں میں حق تعالیٰ کی طرف سے (شکر وغیرہ کا) مطالبہ ہوتا ہے اسی طرح مصائب میں صبر کا مطالبہ ہے اور نیز یہ کہ ان کے دور ہونے کے لئے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کریں (مخلوق کی طرف رجوع نہ کریں) اور ان کو رضا اور صبر کے ساتھ برداشت کریں اور صبر کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی شکایت دوسروں کے سامنے کرنے سے اپنے نفس

---

[1] الاقراء: ۶،۷

کو روکیں اور یہ (دوسروں کے سامنے مصائب کی شکایت کرنا) خدا تعالیٰ (کی عظمت شان) سے جاہل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ (اس صورت میں) تم قوی کی شکایت کمزور سے کرتے ہو (اور جس سے شکایت کرتے ہو اس کو اس قابل سمجھتے ہو کہ وہ تم سے خدا کی تقدیر کو ہٹا دے گا) کیونکہ شکایت کرتے ہوئے تم (اپنے دل میں ایک قسم کی) راحت پایا کرتے ہو (اور راحت پانے کا سبب بجز اس کے اور کیا ہے کہ تم کو اس شخص سے یہ امید ہے کہ وہ تمہاری مصیبت کو دور کر دے گا) حالانکہ تم ایسے شخص کے پاس شکایت لے جا رہے ہو جو اس کو دور نہیں کر سکتا کیونکہ جو مصیبت تم پر نازل ہوئی ہے اس کے دفع کرنے پر بجز اس (خدا) کے کوئی قادر نہیں جس نے اس کو نازل کیا ہے۔

دنیا مصیبت کا گھر ہے

پس تم نے (اس تقریر سے) سمجھ لیا ہوگا کہ یہ دنیا بلاء (اور مصیبت) کا گھر ہے کہ اس میں نعمت بھی کسی وقت بلاء سے خالی نہیں ہوتی اور ادنیٰ بات یہی ہے کہ انعام کرنے والے کی طرف سے اس کے شکر کا (تم سے) مطالبہ ہے اور نفس پر اس سے زیادہ گراں اور کون سی تکلیف ہوگی (سچ ہے۔

ہیں منن اور محن دونوں جہاں میں توأم — حکمت حق کا ہے دنیا میں نرالا عالم

اور اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ "وقلیل من عبادی الشکور"[1] (میرے بندوں میں شکر گذار بہت کم ہیں) کیونکہ (اکثر لوگ) اس بات سے جاہل ہیں کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنا (بھی) واجب ہے (بس وہ محض نعمتوں کو دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں اور ان کا حق ادا نہیں کرتے) اور ہمارے قول کی تائید حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے (بھی) ہوتی ہے جو کہ دریا میں (کشتیوں اور جہازوں پر) سوار ہونے والوں کے بارہ میں فرمایا گیا ہے جب کہ (بعض دفعہ) ان کو تیز ہوا کا سامنا ہوتا ہے اور پھر سکون ہو جاتا ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) "ان فی ذلک لآیات لکل

---

[1] سبا:۱۳

صبار شکور "[1] (کہ اس حالت میں ہر صابر شاکر انسان کے لئے (توحید الٰہی کی) بہت سی دلیلیں ہیں) تو اس حالت میں (ہوا کا تھم جانا اور سلامتی کے ساتھ کنارہ پر پہنچ جانا) جو کہ نعمت (عظیمہ) ہے اس پر ان سے شکر کا مطالبہ ہے اور اس میں جو خوف اور پریشانی کی حالت ہے اس پر صبر کا مطالبہ ہے)۔ غرض کوئی حالت مصیبت اور نعمت سے خالی نہیں اور ہر صورت میں انسان سے صبر و شکر کا مطالبہ ہے۔

پس (اس راز کو) سمجھو اور حق تعالیٰ کے کلام میں (خوب) غور کرو تم کو اس میں وہ تمام علوم ملیں گے جو حق تعالیٰ کی طرف قریب کرنے والے ہیں پس خدا سے ادب کے ساتھ معاملہ کرو (اور نعمت و راحت میں غافل مت ہو) تو وہ تم پر علوم کے خلعت نازل کرے گا ورنہ بغیر ادب کے اس کے دربار میں داخل ہونے کی تم کیونکر خواہش کرتے ہو، پس ادب کو لازم سمجھو تو (انشاء اللہ) وہ امید سے زیادہ تم کو عطا کریں گے۔ والسلام۔

اپنی طاعات کو بھی طاعات نہ سمجھیں

(۵) اور (خدا کے) بندے کی یہ بھی شان ہوتی ہے کہ جس قدر طاعات بجالاتا ہے ان سب کو ذلت اور عاجزی اور بندگی کی وجہ سے یوں سمجھے کہ یہ تمام (طاعات درحقیقت طاعات نہیں۔ بلکہ) سراپا گناہ اور بے ادبی (میں داخل) ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں " وماقدر واللہ حق قدرہ "[2] (بندوں نے خدا کی کما حقہ قدر نہیں کی پس حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے شایان شان عبادت ہم کبھی نہیں کر سکتے)۔

پس بندہ (عارف) اگرچہ اولیاء کاملین کے بڑے سے بڑے درجہ ہی میں کیوں نہ پہونچا ہوا ہو اپنے تمام طاعات کو (اس درجہ) ناقص سمجھتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ معاف نہ فرمائیں تو وہ ان پر (ثواب کا مستحق تو کیا ہوتا الٹا) عذاب کا مستحق ہے)

---

[1] سبا:۱۹

[2] الزمر:۶۸

اور (اس کی) یہ (حالت محض) حق تعالیٰ کی عظمت وجلال پر نظر کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔اسی لئے حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں" سبحانك لا احصی ثناء علیك انت كما اثنیت علی نفسك"[۱] (اے اللہ! آپ ہماری مدح وثنا سے پاک ہیں ہم آپ کی پوری ثنا نہیں کرسکتے آپ ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی ہے) باوجودیکہ آپ ایسی لمبی لمبی نمازیں پڑھتے تھے کہ آپ کے مبارک قدموں پر ورم ہوجاتا تھا اور آپ ﷺ کا کوئی وقت عبادت کے سوا (کسی کام میں) ضائع نہ ہوتا تھا۔ مگر چونکہ آپ کو سب سے زیادہ حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کی معرفت تھی اس لئے اتنی محنت ومشقت پر بھی آپ اپنی عبادات کو کچھ نہ سمجھتے تھے) پس حق تعالیٰ آپ پر درود وسلام نازل فرمائیں کہ آپ (بہت ہی بڑے) معلم خیر ہیں اور تمام بندوں کے سردار ہیں۔

اور امام غزالی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ بندہ (بعض دفعہ) ایک سجدہ کرتا ہے جس میں ایسا خشوع وخضوع ہوتا ہے کہ وہ گمان کرتا ہے کہ میں اعلیٰ علیین میں پہنچ گیا حالانکہ اسی سجدہ میں اس کے گناہ بھی اس قدر ہوتے ہیں کہ اگر ان کو تمام زمین والوں پر تقسیم کردیا جائے تو ان سب کو ایک دم سے ہلاک کرڈالیں پس (اے عزیز!) عارفین کے احوال میں غور کرو اور دیکھو کہ وہ اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ عبادت کو کس درجہ ناقص سمجھتے ہیں اور ان کا طریقہ اختیار کرو خدا تم کو ہدایت کرے اور وہی (اپنے) نیک بندوں کا مددگار ہے۔

حتی الامکان ائمۂ مجتہدین کے اختلاف سے بچئے

(۶) اور (خدا کے سچے) بندہ کی یہ بھی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے دین کے لئے بہت احتیاط کا طریقہ اختیار کرتا ہے اور حتی الامکان ائمہ مجتہدین کے اختلاف سے بچتا ہے پس جو سنتیں دوسرے (امام کے) مذہب میں واجب ہیں وہ ان کے بجالانے میں سستی نہیں کرتا اور جو مکروہ باتیں دوسرے مذہب میں حرام ہیں ان کا (کبھی) ارتکاب

---

[۱] مسند احمد ج۶:ص ۲۰۱، کنزالاعمال ج۲:ص ۱۸۳۔مرتب

نہیں کرتا۔ پس وہ ایسی سنتوں اور مکروہات کے ساتھ واجب اور حرام کا سا معاملہ کرتا ہے مکروہات سے اس طرح بچتا ہے گویا کہ وہ حرام ہیں اور سنتوں کو (ایسی پابندی سے) ادا کرتا ہے گویا کہ وہ واجب ہیں۔

اگر وہ شافعی ہو تو پورے سر کا مسح کرتا ہے (کیونکہ امام مالک کے نزدیک تمام سر کا مسح فرض ہے) اور اگر مالکی ہو تو کتے کی نجاست سے اس کو ناپاک سمجھ کر پاکی اور صفائی اختیار کرتا ہے محض ثواب کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ ثواب اور ناپاکی دونوں کی وجہ سے طہارت حاصل کرتا ہے (یعنی یہ سمجھ کر کہ امام شافعیؒ کے نزدیک کتا نجس العین ہے اس کو ناپاک ہی سمجھتا ہے) تاکہ (رسول اللہ ﷺ کے) حکم پر عمل ہو جاوے کیونکہ حدیث میں (حکم) ہے "فاغسلوہ سبعا"[1] (کہ کتا جس برتن میں منہ ڈالدے اس کو سات دفعہ دھوؤ) اور اگر حنفی ہو تو شرم گاہ کے چھونے سے وضو کرتا ہے (کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک شرم گاہ کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے)۔

اور اس کے سوا بے شمار مسائل ہیں (جن میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے پس عارف ان سب میں اختلاف سے بچنے کی حتی الامکان پوری کوشش کرتا ہے) کیونکہ جس شخص کی عبادت تمام مذاہب کے موافق صحیح ہو وہ اس سے بہتر ہے جو کہ بعض مذاہب پر (صحیح اور بعض مذاہب پر) باطل ہو۔ عارفین اہل اللہ کا یہی مذہب ہے۔

پس معلوم ہوا کہ صرف تعظیم اور اہتمام میں مکروہات ان کے نزدیک بمنزلہ حرام کے اور مستحبات بمنزلہ واجبات کے ہیں نہ کہ مشروع ہونے میں (کیونکہ مشروعیت کے اعتبار سے وہ مکروہ اور حرام اور مستحب اور واجب میں ضرور فرق کرتے ہیں، سب کو برابر نہیں سمجھتے) اس لئے کہ جو شخص اتنے بڑے مرتبہ پر پہونچا ہوا ہوگا وہ حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مراتب سے جاہل نہیں ہو سکتا۔ پس خوب سمجھ لو (کہ عارفین عقیدہ کے اعتبار سے شریعت کے ہر حکم کو اسی کے مرتبہ میں رکھتے ہیں نہ مکروہ کو حرام سمجھتے ہیں نہ

---

[1] الدرایۃ ج۱: ص۶۱ رقم ۵۳ و نصب الرایہ ج۱: ص۱۳۲۔مرتب

مستحب کو واجب) کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی مجلس (اور دربار میں حاضر ہونے والے ہیں (وہ ہر حکم کے مرتبہ کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اور کسی حکم کو اس کے درجہ سے گھٹا بڑھا نہیں سکتے۔

البتہ عظمت وجلال خداوندی کی وجہ سے عمل میں مکروہات کے ساتھ حرام کا سا اور مستحبات کے ساتھ واجبات کا سا برتاؤ کرتے ہیں) اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی مخالفت میں کوئی چیز جائز نہیں (بلکہ ہر چیز نا جائز ہے اگر چہ وہ مکروہ ہی کیوں نہ ہو) اور خدا کے حکم بجالانے میں کوئی چیز غیر ضروری نہیں (بلکہ ہر اک ضروری ہے اگر چہ وہ مستحب ہی ہو)۔

پس عارفین کی نظر میں چونکہ (احکام کی) عظمت بہت زیادہ ہے اس لئے وہ فقہاء کی ان اصطلاحات سے گویا غافل ہوتے ہیں کہ انہوں نے بعض احکام کا نام سنت اور بعض کا نام واجب رکھ لیا ہے (کیونکہ عارفین عمل اور اہتمام میں سنت اور واجب کو یکساں سمجھتے ہیں) ان کا معاملہ اپنے پروردگار کے ساتھ اسی طرح ہے اسی لئے اس نے دنیا وآخرت میں ان کا درجہ بلند فرمادیا۔

اور (چونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ عارفین مستحب کو واجب اور مکروہ کو حرام شرعی طور پر نہیں سمجھتے، بلکہ محض عمل اور اہتمام میں دونوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے ہیں اس لئے) یہ وہم نہ کیا جاوے کہ وہ فرقہ ظاہریہ کے مذہب پر چلتے ہیں کیونکہ یہ اور راستہ ہے اور وہ دوسرا طریقہ ہے اور فرض ونفل کے رتبہ میں حدیث (اعرابی سے فرق ثابت ہو چکا ہے (کہ اعرابی نے حضور ﷺ کی زبان مبارک سے فرائض کا حکم سن کر دریافت کیا تھا) ھل علی غیرھا[1] (کیا میرے ذمہ ان فرائض کے سوا اور بھی کچھ ہے) آپ نے فرمایا" لاالا ان تطوع" (کہ نہیں ان کے سوا تجھ پر کچھ نہیں ہے مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے (بطور نفل کے کچھ کرے) اور (نیز) اس حدیث سے بھی (فرض ونفل کے درجہ میں فرق ثابت ہوتا ہے) لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ۔

---

[1] مسلم کتاب الایمان باب بیان الصلوات ج۱: ص۱۶۶۔مرتب

الحدیث[۱] (کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے ہمیشہ مقرب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو چاہنے لگتا ہوں) اوران کے سوا (بہت سی حدیثیں ہیں جن سے فرض ونفل ومکروہ وحرام وغیرہ کے مراتب میں فرق ثابت ہوتا ہے۔پس عارفین اس فرق کا انکار کس طرح کر سکتے ہیں)۔

سالک کوسنت کے چھوٹنے پر بھی توبہ کرنی چاہئے

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو جو شخص عارفین کے طریقہ پر چلنا چاہے اس کو مناسب یہ ہے کہ ایک سنت کو چھوٹنے پر (بھی) ویسی ہی توبہ کرے جیسی کہ واجب کے چھوٹنے سے کرتا ہے اور (عارفین کے) اس (مذاق کے صحیح ہونے) پر حضور ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے (ان اللّٰہ فرض فرائض وفرضت فرائض[۲] الحدیث) کہ بیشک حق تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں اور کچھ فرائض میں نے مقرر کئے ہیں (تو اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنی مقرر کی ہوئی سنتوں کو فرائض کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے) اور حضور ﷺ کے بارہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی"[۳] (کہ آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو کچھ (احکام بیان) فرماتے ہیں وہ سراسر وحی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔یہ بھی (عارفین کے اس مذاق کی) دلیل ہے (کیونکہ) اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس قدر سنتیں وغیرہ آپ نے مقرر فرمائی ہیں وہ درحقیقت حق تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں۔

اوامر ونواہی کی عظمت بقدر معرفت ہوتی ہے

پس خوب سمجھ لو اور (یاد رکھو کہ) حق تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ یہی ادب لائق ہے اور بندہ کو جس قدر خدا کی معرفت زیادہ ہوتی ہے (اسی قدر وہ) خدا کے

[۱] دیکھئے المغنی للعراقی ج۱: ص۷۱ والاولیاء لابن الدنیا ص۲۳۔مرتب

[۲] حوالہ نہیں ملا۔مرتب

[۳] النجم: ۳/۲

اوامر و نواہی کی عظمت کرتا ہے اور جتنا خدا سے دور ہوتا ہے (اتنا ہی) سستی کرتا ہے (یہی وجہ ہے کہ عارفین کو مستحبات اور سنن کی بہت عظمت ہوتی ہے) اور (سیدنا) رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے "انا اعرفکم باللّٰہ و اخوفکم منہ"[۱] (کہ میں تم سب سے زیادہ خدا کو پہچانتا ہوں اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اس لئے آپ کو سب سے زیادہ احکام الٰہی کا اہتمام اور مستحبات و سنن کی عظمت کا خیال تھا)۔

اور بندہ جب حق تعالیٰ کے احکام کی عظمت کرتا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو (خدا کی) محبت اور قرب نصیب ہوتا ہے اور اس کے خلاف (جب بے تعظیمی کرتا ہے تو اس) کے بدلہ میں (خدا کی) ناراضی اور دوری ہی نصیب ہوتی ہے اور جتنا قرب زیادہ ہوتا ہے اس قدر عظمت زیادہ ہوتی ہے اسی لئے) انبیاء کی فہم (اور معرفت) حق تعالیٰ کے متعلق اولیاء کی فہم (و معرفت) کی طرح نہیں اور نہ اولیاء کی فہم (و معرفت) حق تعالیٰ کے متعلق معمولی آدمیوں کی فہم کی طرح ہے (بلکہ ان میں سے ایک کی معرفت کو دوسرے کی معرفت سے زمین و آسمان کا فرق ہے اور ایسا ہی فرق احکام کی تعظیم میں ہے کیونکہ (احکام الٰہی کے ساتھ) ہر اک کی تعظیم بقدر معرفت کے ہوتی ہے۔

بدون شرعی دلیل کے اعتراض نہ کرنا چاہئے

اور جو شخص کسی ایسے کام کی طرف مائل (و راغب) ہو جس میں حق تعالیٰ کی تعظیم ہو (مثلاً کوئی عارف سنن و مستحبات کا بہت اہتمام رکھتا ہو) تو اس پر اعتراض کرنا کسی کو مناسب نہیں کیونکہ اس پر اعتراض کرنا خدا کی (بے تعظیمی اور) بے ادبی ہے اور جس کا دل خدا کی عظمت سے بھرا ہو اور عظمت نے اس کے دل کو گھیر لیا ہو (بھلا) وہ معترض کی بات پر کب کان دھر سکتا ہے۔ اور اگر وہ ظاہر میں معترض کی موافقت بھی کر لے تو باطن میں موافقت کرنا تو اسے کسی طرح ممکن نہیں پس (خوب) سمجھ لو (اور عارفین پر اعتراض نہ کرو) اور یہ جان لو کہ تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے اور خدا کی

---

[۱] کشف الخفاء ج ۱: ص ۲۳۱۔ مرتب

عظمت کی جو حالت تمہارے دل میں ہوگی ویسا ہی مرتبہ خدا کے نزدیک ہوگا۔

اور خلاصہ (کلام) یہ ہے کہ جو شخص ان مصائب وفتن اور ظاہری باطنی تکالیف کو دیکھ رہا ہو جن میں (آج کل تمام) مخلوق گرفتار ہے اس کو یہ بات (بہت) آسان ہے کہ جس بات کو وہ (خود) نہ سمجھے اس میں مناقشہ (اور نکتہ چینی) کرنا چھوڑ دے۔ اور جو لوگ اس کے (سمجھنے کے) اہل ہیں ان پر (اس کے معاملہ کو) حوالہ کرے کیونکہ ہر مقام کے لئے (خاص خاص) لوگ ہیں جو کہ آپس میں ذوقی (اور وجدانی) طریقہ سے اس کو سمجھتے ہیں (نا اہل اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں) اور جو شخص اس بات کو جانتا ہے وہ اپنے غیر (کی حالت) پر انکار کرنے سے رک جاتا ہے کیونکہ وہ ایک ایسے راستہ پر چل رہا ہے جو اس کے راستہ سے جدا ہے (اور ہر راستہ میں جدا جدا حالتیں پیش آتی ہیں لہٰذا ایک راہ پر چلنے والوں کو دوسرے راستہ سے جانے والے کی کسی حالت پر انکار کرنے کا کیا حق ہے)۔

پس نہ فقیہ کو نحوی پر اعتراض کرنا چاہئے نہ قاری کو اصولی پر نہ فقیہ کو صوفی پر نہ صوفی کو فقیہ پر کیونکہ (اپنے اپنے درجہ مین ہر جماعت دین کے ایک کام میں لگی ہوئی ہے اور) ہر فریق کے لئے آپس میں ایک (خاص) اصطلاح ہے (جس کو اسی فرقہ کے لوگ سمجھتے ہیں مثلاً صوفیہ کے نزدیک جس نماز میں غیر اللہ کا خیال عمداً دل میں آیا ہو وہ فاسد ہے اور فقہاء کے نزدیک صحیح ہے تو اس میں نہ فقیہ کو صوفی پر اعتراض کرنا چاہئے نہ صوفی کو فقیہ پر کیونکہ صوفیہ کے نزدیک صحیح نماز وہ ہے جس میں فرائض وواجبات کے علاوہ تمام آداب ظاہری وباطنی کو بھی ادا کیا گیا ہو اور فقہاء کے نزدیک صحت صلاۃ کے معنی یہ ہے کہ صرف فرائض وواجبات کو ادا کر دیا جاوے) اور (یہ جو ہم نے کہا کہ ایک فریق کو دوسرے پر اعتراض نہ کرنا چاہیے اس کا) مطلب یہ ہے کہ (محض اپنی) فہم (اور عقل) سے بدون شرعی دلیل کے اعتراض نہ کرنا چاہئے ورنہ (اگر شرعی دلیل سے اعتراض کیا جائے تو اس کی ممانعت نہیں)۔

پس اگر ہم کسی صوفی کو ہوا میں (معلق) بیٹھا ہوا دیکھیں تو اس وقت تک اس کا (ذرا بھی) اعتبار نہ کریں جب تک کہ وہ احکام الٰہی کی بجا آوری اور محرمات شرعیہ سے پرہیز نہ کرتا ہو جن سے سنت نبوی میں ممانعت آئی ہے جن کو چھوڑنے کا تمام مکلّف آدمیوں کو حکم کیا گیا ہے کہ ایک شخص بھی اس (حکم) سے مستثنیٰ نہیں۔

اور جو شخص یہ دعوی کرے کہ اس کو خدا تعالی کے ساتھ ایک ایسی حالت نصیب ہوگئی ہے جس نے تکالیف شرعیہ کو اس سے ساقط (اور معاف) کر دیا ہے حالانکہ اس میں کوئی ایسی علامت ظاہر نہیں ہوئی جو اس کے دعوے کی تصدیق کرے (کہ نہ تو وہ مسلوب الحواس ہے نہ سُکر کا اس پر غلبہ ہے وغیرہ وغیرہ) تو یہ شخص (بالکل) جھوٹا ہے جیسا کہ بعض لوگ (محض) خیالی حضور و شہود کی وجہ سے خدا تعالیٰ پر اور اہل اللہ پر جھوٹے دعوے کرنے لگے ہیں اور احکام شرعیہ (کی بجا آوری) کے لئے ذرا سر نہیں اٹھاتے نہ حدود الٰہیہ (کے موقعہ) پر رکتے ہیں (باوجودیکہ (اس قدر) عقل (وفہم) ان میں ہوتی ہے جس پر تکلیف کا مدار ہے۔ پس ایسے لوگ دروازۂ حق سے مطرود اور مقام صدق سے دور کئے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے لوگوں (کی بات) کو تسلیم کرنا عالم پر حرام ہے اور ان کو عالم کی نصیحت سے مکدر ہونا حرام ہے، کیونکہ وہ اسی بات کی نصیحت کر رہا ہے جو اس کو معلوم ہے اور اس کی عقل نے وہاں تک رسائی کی ہے اور (اس طرح) عالم کو (بھی) ولی (عارف) کی نصیحت سے مکدر ہونا حرام ہے کیونکہ وہ احکام الٰہی کے سمجھنے میں اس سے بلند مرتبہ پر ہے اور وہ اسی بات کی نصیحت کرتا ہے جس (کی تہ) تک اس کا علم پہنچا ہوا ہے۔

اور یہ وہم نہ کرنا چاہئے کہ اولیاء اللہ کے علم (بھی) ان آلات (واسباب) پر موقوف ہے جن پر دوسروں کا علم موقوف ہوتا ہے جیسے نحو اور لغت اور معانی وغیرہ (اولیاء اللہ کے لئے احکام الٰہی کا سمجھنا علوم پر ہرگز موقوف نہیں) کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کسی قید کے پابند نہیں ہیں اس لئے وہ جس کو جو کچھ چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں عطا

فرمادیتے ہیں (پس اولیاء کو بدون آلات واسباب ہی کے وہ سب کچھ علم وفہم دے سکتے ہیں)۔

نصیحت یا اعتراض سے مکدر نہ ہونا چاہئے

اور (عزیز من!) یہ جان لینا چاہئے کہ لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے پر اعتراض کرنا ان کی ترقی کا اور رذیل اخلاق سے پاک صاف ہونے کا سبب ہے اور یہ (حقیقت میں) حق تعالیٰ کی رحمت اور اپنے بندوں پر (بڑی) نعمت ہے کیونکہ وہ جب ہی تک خیر میں رہیں گے جب تک کہ آپس میں (ایک دوسرے کو) نصیحت کرتے رہیں اور (واقعی بات یہ ہے کہ) ہر شخص نصیحت (اور اعتراض) سے اپنے بھائی کی خیر خواہی ہی کا قصد کرتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس بات کی طرف میں بلا رہا ہوں وہ سب سے افضل اور نفیس ہے (پس فقہاء اور صوفیہ کو ایک دوسرے کی نصیحت یا اعتراض سے مکدر اور رنجیدہ نہ ہونا چاہئے اور نہ اپنے بھائی سے بدگمانی کرنی چاہئے، بلکہ ہر نصیحت اور اعتراض کو ہمدردی اور خیر خواہی پر محمول کرنا چاہئے۔ الا ان یشهد الحال بخلافه)۔

اصلی صوفی فقہاء عاملین ہی ہیں

اور (حقیقت میں اصلی) صوفی فقہاء ہی ہیں بشرطیکہ وہ اپنے علم پر عمل کرتے رہیں کیونکہ اولیاء کو فقہاء (اور علماء) سے امتیاز عمل ہی کی وجہ سے ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کو (عمل کی برکت سے) حق تعالیٰ کی طرف سے علم وفہم میں (ایسی) قوت عطا ہوئی ہے جو دوسروں کو نصیب نہیں۔ پس یہی وہ چیز ہے جس سے ان کو دوسروں سے امتیاز حاصل ہوگیا اور اسی وجہ سے اولیاء میں اور ناقص علماء میں نزاع پیدا ہوگیا (کیونکہ جو علماء اپنے علم پر عمل نہیں کرتے ان کو علم وفہم میں اولیاء جیسی قوت عطا نہیں ہوئی اس لئے وہ ان کی باتیں سمجھنے سے قاصر ہیں اور بدون سمجھے ان پر اعتراض کرتے ہیں۔) پس

اولیاء کے سامنے ان کی ایسی مثال ہے جیسے کہ شکاری کے جال میں رانگ کے چھلے ہوا کرتے ہیں اور اولیاء (کی مثال شکاری جیسی ہے کہ وہ) جال کی ڈور کو اپنے قبضہ میں کئے ہوئے چلے آتے ہیں۔ پس جس وقت وہ ڈور کو کھینچتے ہیں اس وقت رانگ کے چھلے (اکٹھے ہوکر) خود بخود کھچے ہوئے چلے آتے ہیں۔ پس ناقص علماء (کے تمام علوم) اولیاء کے باطن میں موجود ہیں اور اس کا عکس نہیں ہے (یعنی اولیاء کے علوم ناقص علماء کے اندر موجود نہیں ہیں)۔

مگر ہاں جو علماء عارفین باللہ ہیں (وہ صوفیہ سے کم نہیں ہیں، بلکہ حقیقت میں صوفی وہی ہیں، مگر ایسے علماء کو اولیاء وصوفیہ کرام پر اعتراض بھی نہیں ہوتا) کیونکہ وہ تو اپنے علم وفہم کو بہت ہی حقیر (اور ناقص) سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ان کی فہم ومعرفت سے اوپر بھی بہت سے درجے ہیں اور اگر مراتب میں یہ امتیاز نہ ہوتا جو کہ ہم نے بیان کیا ہے تو ہر نماز وروزہ کرنے والا (سیدنا) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر اور ان کا ہم مرتبہ ہوجاتا کیونکہ (ظاہر میں) یہ بھی وہی کام کر رہا ہے جو وہ کرتے تھے اور تمام عالم میں کسی کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت نہ ہوتی حالانکہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں "یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتو العلم درجت"[1]۔ حق تعالیٰ ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لے آئے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے (مختلف) درجات میں (بلندی عطا) کرتے ہیں، پس اولیاء دوسروں سے ایسے علوم کے ساتھ ممتاز ہیں جن میں کوئی ان کا شریک نہیں اور ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں دولاکھ سینتالیس ہزار نوسو ننانوے علم بیان فرمائے ہیں (اس سے اولیاء کے علوم کی وسعت کا اندازہ کرلینا چاہئے) اور میں نے ان علوم کا زیادہ حصہ اپنی کتاب "تنبیہ الاغبیاء علی قطرة من بحور الاولیاء" میں ذکر کیا ہے اس کو دیکھنا چاہئے۔

---

[1] المجادلة/١١

اولیاء کے سامنے انقیاد و تسلیم مناسب ہے

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو (اب اولیاء کے سامنے انقیاد اور) تسلیم ہی زیادہ مناسب ہے (انکار کرنا اچھا نہیں) اور میں نے متعدد مرتبہ اپنے شیخ یعنی شیخ الاسلام زکریا انصاری رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (اولیاء کے) اعتقاد سے اگر نفع (بھی) نہ ہو تو ضرر بھی نہیں ہوتا (اور بے اعتقادی میں بہت بڑے خطرہ کا اندیشہ ہے) اور اگر کسی فقیہ کو صوفیہ کے طریقہ اور ان کے ذوق اور اصطلاحات اور ماخذ وغیرہ سے کچھ بھی مس نہ ہو تو وہ (بالکل) کورا ہے۔

صوفیہ کا طریقہ کتاب وسنت کے موافق ہے

اور جاننا چاہئے کہ قوم صوفیہ کا طریقہ کتاب وسنت کے (بالکل موافق ہے پس جو صوفی) کتاب وسنت کی مخالفت کرتا ہو وہ سیدھے راستہ سے (یقیناً) باہر ہوگیا جیسا کہ سید الطائفہ (حضرت) ابوالقاسم جنید رضی اللہ عنہ فرما گئے ہیں پس تم یہ گمان (ہرگز) مت کرنا کہ (حضرات) صوفیہ کرام کی وہ حالت آج کل کے مدعیان تصوف جیسی تھی بلکہ وہ حضرات رضی اللہ عنہم اسرار شریعت کے جاننے والے، روزہ رکھنے والے، راتوں کو جاگنے والے، زاہد متقی (خدا سے) خوف وخشیت رکھنے والے تھے جیسا کہ ان کی سوانح اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے اور جو لوگ (صوفیوں پر) انکار کرتے ہیں وہ ان لوگوں پر انکار کر رہے ہیں جو کہ چھٹے درجہ میں ان (صوفیہ کاملین) کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں (اور ہنوز پوری مشابہت ان کو حاصل نہیں ہوئی) کیونکہ ہر قرن کو (جب اس سے) پہلے قرن کے ساتھ نسبت کر کے (دیکھا جائے تو دونوں کی حالت میں زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا جس کی وجہ سے) اس پر انکار کرنا صحیح ہے جب کہ وہ یہ دعوے کرے کہ میں (بہمہ وجوہ) پہلے قرن کے طریقہ پر ہوں کیونکہ (یہ دعوے کسی طرح قابل تسلیم نہیں اس لئے کہ) لوگ ہمیشہ (ہر زمانہ میں) پہلی حالت سے پیچھے ہی ہٹتے رہتے ہیں اور حضور ﷺ کے ارشاد "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم

الـذین یلو نهم "[1] میں اسی طرف اشارہ ہے (کہ تمام جماعتوں سے بہتر میری جماعت ہے (یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم) پھر وہ لوگ جوان کے قریب ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ جوان کے قریب ہیں (یعنی تبع تابعین)۔

اور (عزیز من ! ذرا) ابو بکر شبلی رضی اللہ عنہ کے قول میں (تو) غور کرو (وہ فرماتے ہیں کہ) مجھ سے میرے شیخ نے یہ فرمایا تھا کہ برخوردار اگر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تمہارے دل میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی غیر کا خطرہ بھی آوے تو پھر کبھی ہمارے پاس نہ آنا کیونکہ (اس حالت میں) تم سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ تم سچے مرید بن سکو گے ۔ پس جن لوگوں کے مریدوں کا یہ حال تھا تو خود ان مشائخ کی حالت کیا کچھ ہوگی۔

(عزیز من !) تم اس مرید کی اور آج کل کے مشائخ کی حالت میں غور کرو تو تم کو (زمین آسمان کا) فرق معلوم ہوگا۔ اور امام حسن (بصری) رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ میں نے سری (سقطی) رحمہ اللہ سے زیادہ عابد کسی کو نہیں دیکھا کہ ان کی اٹھانوے سال کی عمر ہوگئی تھی، مگر مرض الموت کے سوا کبھی ان کو لیٹے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا اور (اس پر بھی) وہ (ہم سے) یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ میری طرح عاجز و ناتواں ہو جانے سے پہلے کچھ کوشش کرلو حالانکہ ہم ان کے مجاہدات کا اس وقت بھی مقابلہ نہ کرسکتے تھے باوجودیکہ ہم نوجوان تھے (اور وہ نہایت درجہ بوڑھے تھے)۔

پس حق تعالیٰ ان سب حضرات سے راضی ہوں (کہ واقعی انہوں نے مجاہدہ کا حق ادا کر دیا) اور خلاصہ (کلام) یہ ہے کہ جو شخص ولی عارف باللہ کے ہاتھ پر تربیت پائے گا وہ حقیقی طور پر عبدیت کا درجہ حاصل کرے گا اور ان کے آداب کو (بخوبی) پہچان لے گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ اخیر میں خاتمۂ رسالہ پر عبدیت کے کچھ آداب کا ذکر آئے گا۔ واللّٰہ یتولی ھداك وھو یتولی الصّٰلحین ٥

---

[1] فتح الباری، ج:۷، ص:٦ و ج:۱۳، ص:۲۱۔ مرتب

(دوسرا باب طلب علم نافع کے بیان میں ہے انشاءاللہ تعالیٰ)

علاماتِ اخلاص

جاننا چاہئے کہ اس باب میں (یعنی طلب علم میں) بڑی چیز خدا کے لئے نیت کا خالص کرنا ہے (۱) اور اخلاص کی علامات میں سے ایک (علامت) یہ ہے کہ اگر کوئی اس کو جاہل یا ناسمجھ کہہ دے تو اس سے طالب علم کو تکدر (اور انقباض) نہ پیدا ہو اس طرح اگر کوئی یہ کہہ دے کہ فلاں اس لئے علم حاصل کر رہا ہے کہ تا کہ (آخرت میں) اس پر حجت (اور وبال) ہو یا یہ کہہ دے کہ فلانا اپنے علم پر عمل نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ اس سے بھی (ذرا) تکدر نہ ہو، بلکہ اس کے نزدیک اس کو عالم کہنا اور جاہل کہنا دونوں برابر ایک درجہ میں ہوں (کہ نہ عالم کہنے سے اپنے علم کا زعم پیدا ہو نہ جاہل کہنے سے دل برا مانتا ہو۔)

(۲) اور اخلاص کی یہ بھی ایک علامت ہے کہ جب اس کا حلقہ درس بڑا ہونے لگے اور لوگوں کی نگاہوں میں معزز سمجھا جانے لگے تو اس سے اپنے نفس میں کچھ حلاوت نہ پائے۔ خوب سمجھ لو۔

طالب علم اپنے باطن کو تباہ کرنے والی خصلتوں سے پاک کرے

(۱) اور طالب علم کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے باطن کو تباہ و ہلاک کرنے والی خصلتوں سے پاک کرے جیسے تکبر اور حرص اور علم کا دعوی اور دنیا کی محبت وغیرہ وغیرہ، کیونکہ (علماء کے ساتھ) احسان و ہمدردی کرنے والے تو پہلے گذر گئے (اب کوئی اس قابل نہیں رہا جس سے ان باتوں کی امید کی جائے) پھر اس سے بھی کیا کم ہو کہ (علماء ہی کو ایسے) بخیل لوگوں کے اموال (وغیرہ) کی طمع (نہ کرنی چاہئے، بلکہ لالچ اور حرص) سے اپنی ہمت (اور حوصلہ) کو بلند رکھنا چاہئے۔

پس جو کوئی آج کل اس کی طمع رکھے کہ اسے علم کی وجہ سے کچھ دنیا مل جائے گی اس نے (یقیناً) بے موقع طمع کی اور مفت میں اپنے دین کو بیچ دیا اور اے کاش یہ (عالم) دنیادار ہی بن کر رہتا تو (اچھا تھا کیونکہ) اس صورت میں کچھ اس فائدہ کی امید ہو سکتی تھی کہ اس کو اپنے نفس اور اہل وعیال کے لئے وسعت (مالی) نصیب ہو جاتی (اور دیندار بن کر اگر دنیا ملتی بھی ہے تو ویسی وسعت کہاں نصیب ہوتی ہے جیسی دنیاداروں کو میسر ہوتی ہے۔ پس دنیا کا تو یہ نقصان ہوا اور) علاوہ اُس کے (دین کا نقصان یہ ہوا کہ) وہ (حرص وطمع کی وجہ سے بہت سی باتوں میں) اپنے علم پر عمل کرنے سے پہلو بچاتا ہے۔

پس آج کل سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو ضروریات دین معلوم کرنے کے بعد کوئی ایسا پیشہ اختیار کرے جس سے اس کو دنیوی فائدہ حاصل ہوتا رہے اور (دین کو دنیا کا ذریعہ نہ بنانا پڑے اور) جس قدر علم (بقدر ضرورت) اس نے حاصل کر لیا ہے وہ اس کی (آخرت درست کرنے کے لئے) کافی ہے۔

اور ایک بار ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ کا گذر ایک پتھر پر ہوا جس پر لکھا ہوا تھا "قلبنی تعتبر" مجھ کو پلٹ کر دیکھو عبرت حاصل کرو گے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو پلٹ کر دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا "انت بما تعلم لم تعمل فکیف تطلب علم مالم تعلم" تم نے جو باتیں معلوم کر لی ہیں ان پر تو ابھی تک عمل کیا ہی نہیں پھر جو باتیں معلوم نہیں ہیں ان کا علم کیسے طلب کرتے ہو۔

طالب علم کے لئے صحبت شیخ ضروری ہے

اور جاننا چاہئے کہ طالب علم کو علم پر عمل کرنا اور اس کے آداب بجالانا اور علم (کی برکت) سے انس وخیر نصیب ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ جماعت صوفیہ کا معتقد اور ان سے (ہمیشہ) ملتا جلتا نہ رہتا ہو اس کے بعد (بے شک) اس کو علم پر

عمل کرنے کی توفیق ہوگی کیونکہ یہ حضرات اس کوان وسائس پر تنبہ کریں گے جو کہ دل کو قبول خیر سے مانع ہوتے ہیں اس لئے کہ علم (بھی) نفس کے لئے ایک قوت ہے پس جتنا علم زیادہ ہوگا وہ اسی قدر نفس قوی اور متکبر اور خیر سے منکر ہوگا (تو عارفین اپنے خدام کو ایسے نسخے اور ترکیبیں بتلا دیتے ہیں جس سے علم کا زہریلا مادہ نکل جاتا ہے اور پاک صاف حصہ باقی رہ جاتا ہے)۔

اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ مذہب صوفیہ کے صحیح ہونے کی دلیل تمہارے سامنے یہ ہے کہ ان سے کرامات بکثرت ظاہر ہوتی ہیں (اگر چہ مقبولیت اور ولایت کے لئے کرامات کا ظہور کچھ ضروری نہیں نہ وہ اس پر موقوف ہے، مگر تاہم جس طرح معجزات نبی کی نبوت پر دلالت کیا کرتے ہیں اسی طرح کرامات ولی کی ولایت پر دلیل ہوتی ہے) اور فقہاء میں سے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کے ہاتھ پر ایک کرامت بھی ظاہر ہوئی ہو، ہاں اگر (کوئی فقیہ) صوفیہ کے طریقہ پر چل چکا ہو (تو اس کے ہاتھ سے کرامات کا ظہور ہوسکتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ برکت محض علم کی نہیں ہے، بلکہ طریق صوفیہ پر چلنے کی برکت ہے) اور جو شخص کرامات اولیاء کی تصدیق نہیں کرتا وہ ان کی برکت سے محروم رہتا ہے۔

مشائخ طریقت پر اعتراض کا نقصان

اور ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ جس شخص نے صوفیہ پر بدون ان کے طریقہ میں داخل ہوئے اعتراض کیا ہے اس کے چہرہ پر پریشانی (اور بدرونقی) اور مردود و مطرود ہونے کی علامت ظاہر ہو جاتی ہے جو کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں رہتی (اور اگر طریقہ میں داخل ہونے کے بعد اعتراض کیا تب تو سلب ایمان کا قوی اندیشہ ہے) اور ایسے آدمی کے علم سے خدا تعالیٰ کسی کو نفع نہیں پہونچاتے بخلاف ان لوگوں کے جو صوفیہ سے اعتقاد رکھتے ہیں (کہ ان کے چہروں پر مقبولیت کے آثار ظاہر ہوتے اور ان کے علم

سے مخلوق کو بے حد نفع ہوتا ہے)۔

اور شیخ یحییٰ نووی رضی اللہ عنہ اپنے شیخ مراکشی رحمہ اللہ کے پاس دمشق سے باہر اس غرض سے جایا کرتے تھے کہ اس کے سامنے بعض ایسے مسائل پیش کریں جو (درس وغیرہ کے وقت) نقل کرتے ہوئے ان کی سمجھ میں نہ آئے تھے۔ پس اگر حضرات صوفیہ اسرار شریعت کو علماء شریعت سے زیادہ سمجھنے والے نہ ہوتے تو امام نوویؒ اس جلالت وصحت اعتقاد اور بزرگی کے باوجود (جو ان کو خود حاصل تھی) اپنے شیخ مراکشی رحمہ اللہ سے احکام کے بارے میں رجوع نہ کرتے (پس معلوم ہوا کہ صوفیہ کرام رضی اللہ عنہم احکام شرعیہ کو بھی سب سے زیادہ جانتے ہیں)۔

جامع علم وعمل ہر زمانہ میں ہوتے ہیں

اور (یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ اب ایسے بزرگ کہاں ہیں یہ بات تو پہلے ہی بزرگوں میں تھی کیونکہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ) جب کوئی بزرگ انتقال فرما جاتے ہیں ان کی جگہ اسی مقام پر کوئی دوسرا شخص نائب ہو جاتا ہے اس لئے کہ اصحاب مراتب کم نہیں ہوا کرتے (بلکہ ہر مرتبہ پر ہر زمانہ میں کوئی ضرور ہوتا ہے) اور اعتقاد انسان کو خود ان کی طرف کھینچ لاتا اور (اس کی برکت سے) وہ ان کو پہچان لیتا ہے اور اعتراض ونکتہ چینی درمیان میں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے (جس کی نحوست سے معترض ان کو نہیں پہچان سکتا) پس یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضرات صوفیہ قواعد شریعت پر جمے ہوئے ہیں (ان کا طریقہ خلاف شریعت ہرگز نہیں) اور اس کا انکار صرف ناقص علماء نے ناقص درویشوں کو دیکھ کر کیا ہے ورنہ ہر جماعت میں جو لوگ کامل ہیں وہ آپس میں (کبھی) ایک دوسرے پر اعتراض نہیں کرتے کیونکہ وہ تو سب کے سب ایک ہی راستہ پر ہیں۔

چنانچہ جب کوئی ناقص عالم کسی ناقص صوفی کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہے کہ بندہ کچھ نہیں کرتا (بلکہ حق تعالیٰ ہی سب کچھ کرتے ہیں اور یہ بات وہ) اس لئے (کہتا ہے) کہ اس پر اس کا مشاہدہ غالب ہوتا ہے تو ناقص عالم اس سے یہ کہنے لگتا ہے کہ تو جبری اور

بدعتی ہے اسی طرح جب کسی صوفی کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہے کہ بندہ کسی چیز کا مالک نہیں تو اس پر انکار کرنے لگتا ہے (حالانکہ صوفی جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بھی درست ہے) اور وہ عالم بھی اس کے انکار کرنے میں راہ راست پر ہے کیونکہ ان مسائل کی حقیقت سے وہ دونوں ناواقف ہیں (ناقص صوفی تو یہ سمجھتا ہے کہ جب بندہ کی ملک میں کوئی چیز نہیں تو ہر شخص کے لئے دوسرے کی چیز بلا تکلف حلال ہے اور ناقص عالم یہ سمجھتا ہے کہ اس مسئلہ کی حقیقت بس یہی ہے کہ جو اس ناقص صوفی نے سمجھی ہے اس لئے وہ اس پر انکار کرتا ہے حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ملک ہیں بندہ کی ملک کوئی چیز نہیں، مگر حق تعالیٰ نے کچھ اسباب و معاملات شریعت میں مقرر فرما کر یہ حکم دے دیا ہے کہ ان اسباب کے ذریعہ سے جب کوئی چیز میرے کسی بندہ کے پاس پہنچ جائے تو دوسرے کو اس کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو میں اس کو سزا دوں گا۔ اس حقیقت کے سمجھنے کے بعد یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہے اور اس سے احکام شرعیہ کا ابطال ہرگز لازم نہیں آتا) اس کو خوب سمجھ لو۔

درویش کی ابتداء عالم کی انتہا

اور امام یافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں دس برس تک دو خیالوں میں متردد رہا ایک خیال مجھ کو فقہاء کے طریقہ کی طرف بلاتا تھا اور دوسرا خیال صوفیہ کے طریقہ کی طرف، پھر میں اولیاء یمن میں سے ایک شخص سے ملا تو اس نے کشفی طور پر میرے دل کی حالت معلوم کر لی اور کہنے لگے کہ برخوردار من! درویش کی ابتداء عالم کی انتہا ہے (یعنی صوفی پہلے ہی دن جس مقام پر پہنچتا ہے عالم اخیر درجہ میں اس پر پہنچتا ہے) کیونکہ صوفی کی ابتدا یہ ہے کہ (خدا کے سوا) ہر چیز سے بے رغبت (اور بے التفات) ہو جائے اور تمام عبادات میں حق تعالیٰ کے لئے نیت کو خالص کرے اور اپنی عبادات پر اس سے عوض کا طالب نہ ہو اور یہ (مقام) عالم کی انتہا ہے پھر درویش (اپنی

قسمت کے موافق درجات قرب اور عطیات الٰہی میں (اس سے آگے بھی) ترقی کرتا ہے (اور علماء ظاہر کو اس سے آگے کچھ نصیب نہیں ہوتا)۔

پھر فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تم کو اس علم کا کچھ ثمرہ دکھلا دوں جس کو تم (حاصل کرنا) چاہتے ہو اور درویشی کا ثمرہ بھی دکھلا دوں، پھر انہوں نے اکابر علماء میں سے ایک شخص کو بلا بھیجا کہ (ذرا میرے پاس) تشریف لائیے اور اپنی جماعت کو یہ حکم دیا کہ اس (کی تعظیم) کے لئے کھڑے نہ ہوں اور نہ (مجلس میں) اس کے لئے (جگہ کی) وسعت کریں، پھر وہ (عالم صاحب) آئے تو جوتوں کی جگہ کے سوا اور کوئی جگہ (اپنے لئے) نہ پائی (کیونکہ اہل مجلس میں سے کسی نے ان کو جگہ ہی نہ دی) اور کسی نے ان کی طرف التفات بھی نہ کیا تو وہ (بہت ناراض اور) مکدر ہوئے اور قریب تھے کہ سب کو کافر بنا دیں۔ پس شیخ نے ان سے کہا کہ اے فقیہ! میں اپنے دل میں تیری طرف سے ایک بات (رنج کی) پاتا ہوں تو اس عالم نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر کہا کہ میں اپنے دل میں تم سب کی طرف سے دو باتیں پاتا ہوں اور پیٹھ موڑ کر ناراض ہوتا ہوا اور شیخ کو اور ان کی جماعت کو برا بھلا کہتا ہوا چلا گیا تو شیخ نے (میری طرف اشارہ کر کے) فرمایا کہ جس علم کو تم طلب کرنا چاہتے ہو اس کا (یہ) ثمرہ (ہے) دیکھ لو۔

پھر انہوں نے درویشوں میں سے ایک درویش کو بلا بھیجا (اور اس کے لئے بھی اپنے خدام کو وہی ہدایت کر دی جو عالم کے لئے کی تھی) پس وہ آئے اور (آکر) کھڑے ہو گئے اور پہلے شخص کی طرح اس نے بھی (جوتوں کی جگہ کے سوا) کوئی جگہ نہ پائی اور (کسی نے اس کی طرف بھی التفات نہ کیا اس نے) سلام کیا تو ایک شخص کے سوا کسی نے اس کے سلام کا جواب بھی نہ دیا تو وہ ہنسے اور جوتوں کی صف پر کھڑے ہو گئے اور درویشوں کے جوتے سیدھے کرنے لگے۔ تو شیخ نے ان سے (بھی یہی) کہا کہ میرے دل میں آپ کی طرف سے ایک بات ہے وہ کہنے لگے حضرت والا میں (آپ کے سامنے) حق تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنا سر کھول دیا (کہ لیجئے یہ سر حاضر

ہے) پھر شیخ نے (مجھ سے) فرمایا کہ درویشوں کے طریقہ کا ثمرہ (بھی) دیکھ لو۔ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے درویشوں ہی کا طریقہ اختیار کیا یہاں تک کہ میں ایسا ہو گیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

علم بدون عمل کے وبال ہے

پس عزیز من! اس حکایت میں غور کرو اور اسی طریقہ میں مشغول ہو جس سے تم کو یہ ثمرہ حاصل ہو جائے۔ اور خبردار تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو بدون عمل کے زیادہ علم حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں ان احادیث پر اعتماد کر کے جو علم کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں مثلاً حضور ﷺ کا ارشاد ہے العلماء ورثۃ الانبیاء[1] (علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ یا یہ ارشاد ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل[2] (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مشابہ ہیں۔ پس تم ان احادیث سے یہ مت سمجھنا کہ بدون عمل کے بھی علم سے فضیلت حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے (یہ بھی) فرمایا ہے "من از داد علما ولم یزدد ھدیٰ[3] لم یزدد من اللہ الا بعدا" جس شخص نے زیادہ علم حاصل کیا اور ہدایت زیادہ نہ پائی (یعنی[4] عمل کی توفیق زیادہ نہ ہوئی) تو وہ حق تعالیٰ سے زیادہ دور ہی ہوتا جائے گا۔

---

[1] کنزالعمال، ج:۱۰، ص:۱۳۵ رقم ۲۸۶۷۹ و کشف الخفاء ج:۲، ص:۸۳۔ مرتب

[2] قال السیوطی وابن حجر رحمھما اللہ لا اصل لہ، کشف الخفاء، ج:۲، ص:۸۳۔ مرتب

[3] قال المصحح لعلہ روایۃ والافالمشھور زھدا۔ (۱)

(۱) حدیث: من ازداد علما ولم یزدد فی الدنیا زھدا لم یزد دمن اللہ الا بعداً، کنز العمال، ج:۱۰، ص:۱۹۳ حدیث ۲۹۰۱۶ و فیض القدیر، ج:۶، ص:۵۲۔ مرتب

[4] اسی طرح علم بلا عمل کے بارہ میں اور بھی بہت سی وعیدیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں مثلاً اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا پھر جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو اس کی آنتیں نکل پڑیں گی۔ وہ ان کو لئے لئے ایسا گھومے گا جیسا کہ گدھا چکی کو لے کر گھومتا ہے تو دوزخ والے اس پر اکٹھے ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ اے فلانے!

انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارث

اور جاننا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت حقیقت میں محدثین ہی کو حاصل ہے جو کہ احادیث کو سند متصل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچا کر روایت کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے شیخ نے فرمایا ہے۔ پس محدثین کو رسالت میں کسی قدر حصہ (حاصل ہے کیونکہ وہ وحی کے نقل کرنے والے اور اس کے پہنچانے میں وارث ہیں اور فقہاء[1] جب

(**بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ**) تیری کیا حالت ہوگئی، کیا تو ہم کو نیک باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع نہ کرتا تھا؟؟ وہ کہے گا کہ میں تم کو نیک کاموں کا حکم کرتا تھا اور خود نہ کرتا تھا اور بری باتوں سے روکتا تھا اور خود نہ رکتا تھا۔

اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا کہ معراج کی رات میں چند ایسے لوگوں پر میرا گذر ہوا جن کے لبوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جارہا تھا میں نے جبریل سے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں کہا یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو ایسی باتیں کہیں گے کہ خود ان پر عمل نہ کریں گے۔ رواہ البخاری ومسلم واللفظ لہ۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو اچھی باتیں سکھلائے اور اپنے نفس کو بھول جائے یعنی خود عمل نہ کرے اس کی ایسی مثال ہے جیسے چراغ کی بتی کہ لوگوں کو تو روشنی پہنچاتی ہے اور اپنے آپ کو جلاتی ہے رواہ الطبرانی فی الکبیر واسنادہ حسن انشاء اللہ تعالیٰ کذا فی الترغیب۔ ان احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن احادیث میں علم کی فضیلت معلوم ہوتی ہے ان سے وہی علم مراد ہے جس پر عمل کیا جائے اور علماء سے بھی علمائے باعمل مراد ہیں واللہ اعلم۔

(**حاشیہ صفحہ ہذا**) [1] جاننا چاہئے کہ ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم ان فقہاء میں داخل ہیں جو اپنے دلائل کو احادیث وآیات سے معلوم کر چکے ہیں پس وہ بھی محدثین میں داخل ہیں اور وارث نبی ہونے میں دوسروں سے افضل ہیں بالخصوص امام ابوحنیفہؒ جو کہ امام اعظمؒ اور سید الفقہاء اور راس الاتقیاء ہیں، امام صاحب کی نسبت جس شخص نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ محدث نہ تھے، اس نے نہایت تعصب اور افتراء سے کام لیا، یا اس کو حقیقت حال کی خبر ہی نہیں، امام صاحب کے محدث ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ امام شافعیؒ ان کی بابت

تک (احادیث وغیرہ سے) دلائل معلوم نہ کرلیں ان کے لئے یہ درجہ (وراثت نبوت کا) نہیں ہے۔ پس ایسے فقہاء رسولوں کے ساتھ محشور نہ ہوں گے بلکہ عام لوگوں میں (داخل ہوکر) محشور ہوں گے۔ پس حقیقت میں علماء کا لفظ محدثین ہی پر صادق آتا ہے۔

اسی طرح زاہدین وعابدین وغیرہ بھی جو کہ آخرت (کے طلب کرنے) والے ہیں اگر محدث نہ ہوں گے تو وہ بھی انہی فقہاء کی طرح ہوں گے جو کہ محدث نہیں ہیں پس وہ بھی عام لوگوں کے ساتھ محشور ہوں گے اور محض اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز ہوں گے جیسا کہ فقہاء کو عام لوگوں سے دنیا میں علم کی وجہ سے امتیاز ہوتا ہے۔ بس اس کے سوا (وارث نبوت ہونے کا) امتیاز ان کو حاصل نہ ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فرماتے ہیں "الناس کلھم عیال ابی حنیفہ فی الفقہ" کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں اور ظاہر ہے کہ فقہ واجتہاد کے لئے احادیث وآیات واسماء رجال، لغت اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ متعدد علوم میں ماہر ہونا شرط ہے جو شخص احادیث کا جامع نہ ہوگا وہ فقیہ کیونکر ہوسکتا ہے اور امام صاحب کا فقیہ اعظم ہونا جملہ ائمہ کو تسلیم ہے اس سے ان کا محدث ہونا بھی لازم آگیا۔

علامہ شعرانیؒ میزان میں فرماتے ہیں ائمة المذاهب هم اوتاد الارض وارکان الدین وامناء الشارع علی امته رضی الله عنهم اجمعین۔ ائمہ مذاہب زمین کے سنبھالنے والے اور دین کے ارکان اور شارع علیہ السلام کے امین ہیں، امت کے حق میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ وراثت نبوت کے درجہ میں دوسروں سے بدرجہا افضل ہیں اور علامہ شعرانی نے میزان میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے مخالفین کے اعتراضات کو بخوبی رد کر دیا ہے اور فرمادیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دلائل مذہب کو میں نے خصوصیت کے ساتھ تلاش اور تفتیش سے دیکھا ہے تو مجھ کو ان کے مسائل صحیح حدیث یا حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ سے ثابت معلوم ہوئے اور وہ قیاس سے اس وقت کام لیتے ہیں جب کہ اس مسئلہ میں کوئی آیت یا حدیث یا قول صحابی موجود نہ ہو اور اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہیں، بلکہ تمام ائمہ ایسے وقت میں قیاس واجتہاد سے کام لیتے ہیں کیونکہ قیاس صحیح بھی اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے والتفصیل فی المیزان ۱۲ مترجم۔

ایسے شخص کے پاس جانا چاہئے جو سیدھا راستہ بتلائے

جب تم کو یہ بات معلوم ہوگئی اور تم نے جان لیا کہ عمل کے بغیر علم کا نفع بہت کم ہے اور عمل کرنا تم کو اس لئے آسان نہیں کہ تمہارا باطن پاکیزہ نہیں تو تم کو ایسے شخص کے پاس جانا چاہئے جو سیدھا راستہ تم کو بتلا دے (جس سے علم پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہو) حق تعالیٰ فرماتے ہیں "واتوا البیوت من ابوابھا (اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آنا چاہئے، جس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ہر کام کو قاعدہ کے موافق کرنا چاہئے اور ظاہر ہے کہ عمل کرنا اس وقت تک آسان نہیں ہوسکتا جب تک نفس کو رذائل سے پاک صاف نہ کیا جائے تو بغیر اس راستہ کے طے کئے سہولتِ اعمال کی امید کرنا غلط امید ہے)۔

اور شیخ عبادہ مالکی رحمہ اللہ ایک مرتبہ سیدی شیخ مدین رضی اللہ عنہ سے ملے تو شیخ مدین نے ان کی تعظیم نہ کی اور نہ ان کی طرف التفات کیا۔ شیخ عبادہؒ نے کہا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے میرا حقِ تعظیم ادا نہ کیا؟ شیخ مدین نے فرمایا کہ میں تمہاری تعظیم کس لئے کروں تم مشرک ہو۔ انہوں نے پوچھا کہ میرے مشرک ہونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ جس حالت پر تم اس وقت ہو (وہ خود تمہارے مشرک ہونے کی دلیل ہے) کہ تم (مجھ سے اپنی تعظیم (وتکریم) چاہتے ہو اور اپنے سامنے (مجھ سے) خشوع (وخضوع) کی درخواست کرتے ہو حالانکہ خدا تعالی کے سوا یہ کسی کا حق نہیں۔ تو جو شخص حق تعالیٰ کے خاص صفات (اور حقوق) میں منازعت کرتا (اور اپنا حصہ لگاتا) ہو اور یہ چاہتا ہو کہ خدا کی طرح اس کے لئے بھی تعظیم اور خشوع کیا جائے اس کا اکرام کیونکر کیا جاسکتا ہے بلکہ وہ تو اہانت اور تذلیل کا مستحق ہے۔

پس شیخ عبادہ تھوڑی دیر تک خاموش رہے (اور شیخ کے قول میں اور اپنی حالت میں غور کرتے رہے) پھر جب سمجھ میں آگیا کہ واقعی مجھ میں یہ مرض موجود ہے کہ

میں اپنے کو دوسروں سے بڑا اور افضل سمجھتا ہوں اور ان سے اپنی تعظیم وتکریم چاہتا ہوں تو) پھر بول اٹھے "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ" میں حق تعالیٰ کی طرف (اس شرک خفی سے) توبہ کرتا ہوں اور اس وقت (از سرنو) اسلام میں داخل ہوتا ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ اس وقت سچا اور کامل اسلام اختیار کرتا ہوں کیونکہ اسلام نام ہے اطاعت کا اور حق تعالیٰ کے خاص اوصاف وحقوق میں منازعت نہ کرنے اور اعمال صالحہ کی پابندی کرنے اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی مسلمان مخلوق میں سب سے کمتر سمجھنے کا پس (یہ کامل اسلام ان کو اسی وقت نصیب ہوا) خوب سمجھ لو۔

حق تعالیٰ ہم کو اور تم کو سیدھے راستہ کی ہدایت فرمائیں کیونکہ جس قدر شریعت پر مستقیم رہو گے اسی قدر صراط پر مستقیم رہو گے اور جتنا شریعت سے ہٹو گے اتنا ہی صراط سے ہٹو گے (اور جو صراط سے ہٹے گا وہ جہنم میں گر جائے گا) پس حق تعالیٰ سے استقامت کی درخواست کرتے رہو کیونکہ ہر چیز کی حکومت اسی کے ہاتھ میں ہے بیدہ ملکوت کل شئی۔[1]

اشاعتِ علم میں صحیح غرض

(۲) اور طالب علم کی شان یہ بھی ہونی چاہئے کہ اپنے علم کو اس غرض سے نہ پھیلائے کہ لوگ اس کی تصدیق کریں بلکہ اس غرض سے پھیلائے کہ حق تعالیٰ اس کی تصدیق فرمائیں گے اگرچہ علت اور (غرض) دونوں صورتوں میں موجود ہے، مگر وہ غرض جو بندے کے اور خدا کے درمیان میں ہو، جس کا خدا تعالیٰ نے امر فرمایا ہو اس غرض سے بہتر ہے جو بندے کے اور مخلوق کے درمیان میں ہو، جس سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہو (کیونکہ پہلی غرض خدا سے ملانے والی اور دوسری جدا کرنے والی ہے) اور یقیناً جو غرض بندہ کو خدا تک پہنچا دے وہ اس سے (بدرجہا) بہتر ہے جو اس کو خدا سے جدا کر دے۔

---

[1] ہر چیز کی حکومت اس کے ہاتھ میں ہے۔ یٰسین ر۸۳۔ مرتب

اوراسی وجہ سے بندہ کے (ہر عمل کے) ساتھ ثواب وعقاب لگا ہوا ہے (پس جو عمل خدا سے ملانے والا ہے اس پر ثواب اور جو دور کرنے والا ہے اس پر عذاب ہوگا۔ پس مخلوق سے کسی قسم کی امید وابستہ نہ رکھنی چاہئے) کیونکہ امید اور خوف (کا تعلق) صرف خدا تعالیٰ ہی سے ہوسکتا ہے۔

اور (بندہ کے لئے) یہ بات کافی ہے کہ حق تعالیٰ صادق ہیں اور (سچی بات کی) تصدیق کرنے والے ہیں (پھر مخلوق کی تصدیق وتکذیب کی پروا کیوں ہو) اور یہ بات بھی کافی ہے کہ حق تعالیٰ (ہر بات کو) جاننے والے اور بتلانے والے ہیں (پس یہ احتمال ہرگز نہیں ہوسکتا کہ نہ معلوم خدا تعالیٰ کو ہمارے علوم کی خبر بھی ہے یا نہیں کیونکہ وہی تو ہر شخص کو سکھلاتے اور بتلاتے ہیں اور پھر ان کو علم کیونکر نہ ہوگا)۔

جب تک دلیل قطعی نہ ہو مباحثہ نہ کریں

(۳) اور طالب علم کی یہ شان بھی ہونی چاہئے کہ جب تک اس کے پاس (کسی مسئلہ میں) دلیل قطعی نہ ہو اس وقت تک (کسی سے) علمی (مضامین میں) مباحثہ نہ کرے کیونکہ کاملین کے نزدیک مناظرہ کرنے والے کے لئے ایک شرط یہ (بھی) ہے کہ جس بات میں وہ مباحثہ (اور گفتگو) کرے اس میں یقین (کا مرتبہ) اس کو حاصل ہو۔ اور یہ بات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اہل کشف رضی اللہ عنہم کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوسکتی (اختلافی مسائل میں انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ سے علم قطعی حاصل ہوجاتا ہے اور اہل کشف کو کشف صحیح کے ذریعہ سے علم اقناعی نصیب ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ان کا دل ایک جانب مطمئن اور طبیعت یکسو ہوجاتی ہے اور صوفیہ اپنی اصطلاح میں علم اقناعی کو علم قطعی کہہ دیا کرتے ہیں کیونکہ دونوں سے اطمینان قلب میسر ہوجاتا ہے، اگرچہ اس اطمینان کو جو کہ کشف سے حاصل ہو اس اطمینان سے کچھ بھی نسبت نہیں جو کہ وحی سے حاصل ہوتا ہے وحی میں خطا کا احتمال محال ہے اور کشف میں ہر وقت خطا کا

احتمال ممکن ہے۔ چنانچہ علامہ نے اپنی تصانیف میں جابجا اس پر تنبیہ کی ہے کہ اس کو خوب سمجھ لو۔

پس علامہ کی عبارت سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اہل کشف کوکشف کے ذریعہ سے ویسا ہی علم قطعی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ انبیاء کو وحی سے۔ علامہ کا یہ ہرگز مقصود نہیں، بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ اہل کشف کو اختلافی مسائل میں بہت سے بہت ظن یا وہم (کا درجہ) حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کا علم محض (قیاسی اور) اجتہادی ہے (جس سے انسان کو ایک جانب پر اطمینان نصیب نہیں ہوتا، بلکہ دوسری جانب بھی حق ہونے کا احتمال رہتا ہے سو ایسے مسائل میں مباحثہ کرنا بالکل فضول ہے کیونکہ جب مناظرہ کرنے والے کو خود ہی یہ احتمال ہے کہ شاید دوسری جانب حق ہو تو وہ کس منہ سے اپنے طریق کو ثابت اور دوسرے کو باطل کرنے کی کوشش کرتا ہے) اور جس کو خدا تعالیٰ توفیقِ (عمل) عطا فرمائیں اس کے لئے وہی مسائل کافی ہیں جو کہ ظاہر شریعت میں محکم (اور مضبوط اور متفق علیہ) ہیں اور ان کو مناظرہ (ومباحثہ) کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔

(ہاں اگر کوئی شخص قطعی مسائل میں کلام کرنے لگے اس کے ساتھ مناظرہ ومباحثہ کا کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ للّٰھیت کے ساتھ ہو نفسانیت سے ان کے سوا دیگر مسائل میں گفتگو کرنا بے کار ہے) کیونکہ غذا درست نہ ہونے کی وجہ سے اور نیز ان حکمتوں کی وجہ سے جو کہ حق تعالیٰ کے ارادہ میں ہیں (آج کل اکثر) قلوب اسرار شریعت کے سمجھنے سے محجوب (اور محروم) ہیں (پس صوفی کو چاہئے کہ علمائے ظاہر سے مسائل تصوف، وحدۃ الوجود وغیرہ میں ہرگز مناظرہ نہ کرے کیونکہ یہ مسائل کشفی اور ذوقی ہیں جن کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو ذوق طریق حاصل ہو چکا ہو)۔

اور جاننا چاہئے کہ جو شخص تم سے کسی بات میں مباحثہ کرے اور تم نے اس کو بہت کچھ سمجھانا چاہا، مگر وہ (اپنی رائے سے) نہیں ہٹا تو سمجھ جاؤ کہ وہ (حق تعالیٰ کے) کسی اسم کے غلبہ (سے مغلوب اور اس) کا ماتحت غلام ہے۔[۱] پس وہ تمھاری بات کی

طرف اس وقت تک رجوع نہیں کرسکتا جب تک کہ (اس اسم کے) غلبہ کا زمانہ ختم نہ ہو جائے جیسا کہ خود تم بھی اس کی اس کی رائے کی طرف اس لئے رجوع نہیں کر سکتے کہ تم بھی اس کی طرح (کسی اسم کے غلبہ سے) مغلوب ہو اور ہر شخص کا مقام اس کی بات سے ظاہر ہو جاتا ہے (یعنی عارف لوگوں کی باتوں ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کون شخص کس اسم کا ماتحت ہے، اور اس میں خدا تعالیٰ کی کونسی صفت کا ظہور ہو رہا ہے بالخصوص اگر وہ کسی بات پر پختگی کے ساتھ جما ہوا ہو (تب تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس پر فلاں اسم کا غلبہ ہے) اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کا) ظاہر (اس کے) باطن کا عنوان ہے تو ہر شخص جو بات بھی کرتا ہے وہ اپنے ذوق سے اور کسی باطنی حالت کے غلبہ سے کرتا ہے (کہ پہلے اس کے باطن میں کوئی ذوقی حالت پیدا ہوتی ہے پھر بات چیت کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہو جاتا ہے) پس جو بات اس کی تمہارے نزدیک باطل ہو اس کو مشیت الٰہی کے سپرد کرو (اور سمجھو کہ خدا کی یہی مشیت ہے کہ یہ شخص غلط راستہ پر رہے) اور جو بات تمہارے نزدیک حق ہو اس میں اس کا اتباع کرو۔ اس مضمون کو خوب سمجھ جاؤ اور اس پر عمل کرو، پھر تم کو بحث و مباحثہ سے خود ہی نفرت ہو جائے گی)۔

طالب علم کے پاس مخفی عمل بھی ہونا چاہئے

(۴) اور طالب علم کی یہ شان بھی ہونی چاہئے کہ وہ ہمیشہ کے لئے علم حاصل کرنے ہی پر کفایت نہ کرے بلکہ علم کے سوا اس کے پاس کوئی (خاص) عمل بھی ہونا چاہئے۔ جیسے رات کو اٹھنا اور حسب مقدور صدقہ خیرات کرنا اور ہر نیک و بد آدمی کی ایذا رسانی سے بچنا اور جاننا چاہئے کہ مکر (خفی) کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ حق تعالیٰ بندہ کو ایسا علم عطا فرما دیں جو کہ عمل کا مطالبہ کرتا ہے اور عمل سے اس کو محروم کر دیں یا عمل

---

۱ صوفیہ کا قول ہے کہ تمام عالم کی تربیت اسماء و صفات الٰہی سے ہو رہی ہے، ہر چیز کا مربی ایک خاص اسم ہے جس کا اس میں ظہور ہوتا ہے اور اس مسئلہ کی مفصل تحقیق احقر نے حاشیہ "درحضو دحصہ اول" (ہم سے عہد لیا گیا ص ۳ ۱۷) میں بیان کی ہے ۱۲ مترجم۔

کی بھی توفیق ہو جائے مگر اخلاص سے محروم کر دیا جائے۔

پس جب کسی کی اپنی یا دوسروں کی ایسی حالت ہو تو جان لینا چاہئے کہ اس شخص کے ساتھ مکر[1] (خفی) کیا گیا ہے (پس اس کو بہت جلد اپنی حالت کی اصلاح کرنا چاہئے اور خداتعالیٰ کی مخفی تدابیر سے ہمیشہ ڈرتا رہنا چاہئے (فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون)۔[2]

جب تم اس کو سمجھ گئے تو (اب ہرگز علم کو کافی نہ سمجھنا بلکہ اس پر عمل کرنے کی کوشش کو اپنے لئے لازم سمجھنا کیونکہ) امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ عالم کو چاہیے کہ اس کے پاس علم کے سوا کوئی ایسا مخفی عمل ہو جو اس کے اور خدا ہی کے درمیان ہو (کسی تیسرے کو اس کی مطلق خبر نہ ہو) کیونکہ (ہر شخص کے) علم (کا حال) آدمیوں پر اکثر ظاہر ہو جاتا ہے اور جو علم وعمل مخلوق پر ظاہر ہو جائے آخرت میں اس سے نفع کم ہوتا ہے اور امام شافعی کا اپنی رات کو تین حصہ کرنا اور ایک حصہ کو تہجد کے لئے مخصوص کرنا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ (کہ عالم کو علم کے سوا کسی خاص عمل کا بھی اہتمام کرنا چاہیے) باوجودیکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ علم میں مشغول ہونا صلوۃ نافلہ سے افضل ہے۔

اور اس مضمون کو خوب سمجھ لو (اور اپنا سارا وقت تحصیل علم ہی میں صرف نہ کرو) کیونکہ رات اور دن میں ہر وقت کے لئے جدا اشغال ہیں کہ اس وقت انہی میں مشغول ہونا مناسب ہے۔ پس رات کے اخیر حصہ میں تہجد اور استغفار ہی افضل ہے اور جمعہ کی

---

[1] اور مکر خفی کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ امتحان کے طور پر بندہ کو ایک نعمت عطا فرما دیتے ہیں جس کے بہت سے حقوق ہوتے ہیں مگر بندہ اس نعمت کی وجہ سے اترانے اور غفلت کرنے لگتا ہے اور اس کے حقوق کو ادا نہیں کرتا پس انجام کار وہ نعمت اس کے لئے وبال جان ہو جاتی ہے مثلاً بندہ کو علم عطا کیا گیا جس کا حق یہ تھا کہ اس پر عمل کرتا، مگر وہ محض علم ہی کو اپنے لئے کافی سمجھنے لگا اور عمل سے غافل ہو گیا یا عمل کی بھی توفیق عطا ہوئی، مگر اخلاص نصیب نہ ہوا اور وہ بغیر اخلاص ہی کے عمل کو کافی سمجھنے لگا تو یہ دونوں صورتیں سخت امتحان کی ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] الاعراف: ۹۹

رات میں رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا اور قرآن کی تلاوت کرنا افضل ہے اور اسی طرح دوسرے اوقات کو سمجھ لو (کیونکہ احادیث میں ہر وقت کے لئے ایک خاص ذکر بتلایا گیا ہے پس اس وقت میں وہ ذکر تمام طاعات سے افضل ہے) چنانچہ جو لوگ حق تعالیٰ کے مقرب ہیں وہ اس کا مشاہدہ کرتے اور ہر عبادت میں ایک (خاص) حلاوت پاتے ہیں جب کہ اس کو اسی وقت میں ادا کیا جائے جو اس کے لئے مناسب ہے اور ان کے سوا جو اور لوگ ہیں وہ تو چوندھی اونٹنی کی طرح ادھر ادھر ہاتھ پیر مارتے (اور گڑبڑ) کرتے رہتے ہیں کہ کبھی کام ٹھیک کر لیا کبھی چُوک گئی۔

اور جب وہ پہلی صورت کے خلاف (خاص عبادت کے وقت میں) دوسرے غیر ضروری کام میں مشغول ہوتے ہیں اس وقت ان کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کوئی شخص جان نکلنے کے وقت علم نحو اور لغت میں مشغول ہو اور اس کے حاصل نہ ہونے پر غم کرتا ہو (سو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ بیوقوف کون ہوگا پس ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ نہ معلوم کس وقت اس کی جان نکل جائے تو ہر وقت ایسے کام میں مشغول رہے جو اس وقت کے مناسب ہے)۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو آپ سے دریافت کیا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا (معاملہ) کیا؟ فرمایا افسوس (علم کچھ کام نہ آیا کیونکہ) علم کے لئے بہت شرائط اور بہت آفتیں ہیں جن سے بہت کم لوگ بچ سکتے ہیں (خواب دیکھنے والے نے) عرض کیا کہ، پھر آپ کی مغفرت کس چیز سے ہوئی؟ فرمایا: کہ ایک تسبیح کی وجہ سے (مغفرت ہوئی) جو میں صبح و شام پڑھا کرتا تھا۔ اور اس طرح ائمہ طریق جنید رحمہ اللہ وغیرہ (کو بھی بعض لوگوں نے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا ہے اور ان) سے بھی (اسی کے قریب قریب جواب) منقول ہے[1] خوب سمجھ لو۔

---

[1] مترجم عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ ان خوابوں کی بنا پر ان حضرات سے بدگمان نہ ہونا چاہئے اور نہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کے علوم میں اخلاص نہ تھا نعوذ باللہ منہ۔ کیونکہ خواب میں اکثر جوابات خواب دیکھنے والے کی حالت

طالب علم کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ادب کا معاملہ کرے

(۵) اور طالب علم کی یہ بھی شان ہونی چاہئے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ادب کا معاملہ کرے اور جس بات کو جانتا (اور سمجھتا) ہواسی میں کلام کرے (اور جن باتوں کو نہ جانتا ہوان کو خدا پر چھوڑ دے اپنی طرف سے ان کا مطلب اختراع نہ کرے) پس حق تعالیٰ کے کلام میں جو (آیت) متشابہ ہواس پر ایمان لائے اور اس (اعتقاد) پر جما رہے کہ حق تعالیٰ اس کا مطلب (خوب) جانتے ہیں اور بغیر تحقیق کے اس میں (غور و خوض نہ کرے اور عمل کرنے والے کے لئے کتاب اللہ کی محکم (آیات) کا جان لینا کافی ہے رہی متشابہ (آیات) سو (عمل کے واسطے ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ خدا تعالیٰ کے اسرار ہیں پس) اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی بصیرت (کے پردہ) کو کھول دیا تو یہ خود ہی اس کا مطلب معلوم کرلے گا مگر (اس وقت بھی یقین کے ساتھ معلوم نہ ہوگا بلکہ) اس میں بھی نزاع اور اختلاف باقی) رہے گا۔

اور اگر کشف (بصیرت) نہ ہو تو ادب یہی ہے کہ ان میں غور وخوض کرنا اور اپنی سمجھ کے موافق تاویل کرنا چھوڑ دے اور ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص (شریعت میں) غلط بات بنانے سے بچنا چاہے اس کو چاہئے کہ کتاب وسنت کے ظاہر (مطلب) پر ٹھہر جائے [1] ظاہر (مطلب) پر زیادتی نہ کرے کیونکہ تاویل بعض

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے مناسب ہوا کرتے ہیں۔ تو ممکن ہے کہ یہاں بھی خواب دیکھنے والے کی حالت کے مناسب یہ جواب عطا ہوا ہو ورنہ اگر ایسے جلیل القدر اولیاء بھی آفات علم سے محفوظ نہ رہے تو پھر مخلوق کا کہاں ٹھکانا ہے۔۱۲ مترجم

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] ظاہر کتاب وسنت میں نص اور مفسر اور ظاہر ومحکم اور عبارت النص واشارۃ النص ودلالۃ النص اقتضاء النص وغیرہ سب داخل ہیں کیونکہ شیخ کے کلام میں اس جگہ ظاہر کے مقابلہ میں متشابہ مذکور ہے اور متشابہ کی نسبت سے یہ سب اقسام ظاہر ہیں خوب سمجھ لو عام ناظرین اصطلاحات علمیہ کے جاننے کے لئے اصول فقہ کی کتابیں دیکھ لیں جن میں بعض کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم

بناوٹ (میں داخل) ہوجاتی ہے پس ظاہر (قرآن وحدیث) جو حکم دے اس پر چلتا رہے اور جو بات اس پر متشابہ ہوجائے اس کا علم خدا تعالیٰ کے سپرد کرکے اس پر ایمان لے آوے۔ پس یہ ایسا راستہ ہے جس میں بناوٹ کو (ذرا) دخل نہیں ہوسکتا اور حق تعالیٰ کے یہاں اس پر کوئی (الزام اور) حجت (بھی) قائم نہ ہوگی (کیونکہ متشابہات کے جاننے کا انسان کو مکلّف نہیں کیا گیا۔ پس ان کا نہ جاننا کوئی جرم نہیں ہے)۔

پھر اگر کوئی شخص صاحب بصیرت ہو تو وہ حق تعالیٰ کی طرف بصیرت کے ساتھ بلائے گا اور بصیرت ہی سے کلام کرے گا تو وہ بھی بناوٹ سے بری ہے، بلکہ وہ تو صحیح علم رکھنے والا ہے اور (خود) اہل زینت میں سے ہے (یعنی خدا نے اس کو زینت عطا کی ہے جس سے وہ آراستہ ہے) بناوٹ کرنے والوں میں نہیں ہے۔

دین کی جو بات بندہ کو معلوم نہ ہو اس میں غور وخوض کرنے سے بچا جائے

پس (تمام تقریر سے) یہ بات معلوم ہوگئی کہ دین کی جو بات بندہ کو معلوم نہ ہو اس میں (غور و) خوض کرنے سے رک جانا یہی حق ہے اور ایک مرتبہ (سیدنا) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے (صاف) فرمادیا کہ مجھے معلوم نہیں تو شاید سوال کرنے والے نے اس (جواب) کو مستبعد سمجھا (اور تعجب کیا کہ ابوبکر صدیق جیسے بڑے صحابی کو قرآن کی ایک آیت کا علم نہ ہو یہ بعید بات ہے) تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں کتاب اللہ (کی تفسیر) میں ایسی بات کہوں جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے تو مجھ پر کون آسمان سایہ کرسکتا ہے اور کون سی زمین مجھ کو اٹھا سکتی ہے، بلکہ اس وقت تو میں اس قابل ہوں گا کہ مجھ کو زمین کے اندر گاڑ دیا جائے۔

پس عزیز من! آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا مطلب بیان کرنے میں زیادہ جرات نہ کرنا چاہئے) تو (اب سمجھ لو کہ) ایسی آیات (یعنی متشابہات) کے معنی میں کلام کرنا اس شخص کے سوا جس پر حق تعالیٰ کا یہ قول صادق آتا ہو جو کہ حدیث قدسی میں وارد

ہے کہ "فی یسمع وبی یبصروبی ینطق الخ"[۱] اور کسی کو حلال نہیں۔ پس بندہ جس بات کو نہ جانتا ہو اس کو جاننے والے پر چھوڑ دے اور (اپنی) فہم سے اس (کے مطلب) کو نہ ڈھونڈے کہ (اس صورت میں) اس سے خدا تعالٰی کی طرف توجہ فوت ہو جائے گی اور بے ادبی میں مبتلا ہو جائے گا اور اس پر غصہٗ خداوندی کا اندیشہ ہوگا "وبدالھم من اللہ مالم یکونو یحتسبون"[۲] اور خدا کی طرف سے ان کے لئے وہ حالت ظاہر ہوگی جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔

شریعت کی جو بات معلوم نہ ہو اس پر اجمالاً ایمان لانا چاہئے

(پس شریعت کی جو بات سمجھ میں نہ آئے اس پر اجمالاً ایمان لے آنا چاہئے اور اپنی عقل سے اس میں کھود کرید نہ کرنا چاہئے) اور حضرات سلف صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین کا ایمان اسی طرح تھا کہ انہوں نے نور ایمان کی وجہ سے ان (آیات متشابہات) کے (حقیقی) علم کو خدا تعالٰی پر چھوڑ دیا تھا اور اس کے ساتھ وہ ان معانی پر بھی ایمان اور تصدیق رکھتے تھے جو ان عبارت سے اس عربی زبان میں بالاتفاق حاصل ہوتے ہیں جس پر (سیدنا) رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تھے۔ پس جو شخص کہ کشف اور یقین کے درجہ سے قاصر ہو اس کے لئے تاویل کرنے سے تسلیم کر لینا ہی بہتر ہے، کیونکہ اکثر لوگ

---

۱ یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے پورا جملہ یہ ہے کہ ما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبیتہ فإذا احببتہ فکنت سمعه الذی یسمع به وبصرہ الذی یبصر به ویدہ التی یبطش بھاورجلہ التی یمشی الخ۔ رواہ البخاری (ترجمہ) اور میرا بندہ نوافل کے ساتھ میرا اقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو چاہنے لگتا ہوں اور جب میں اس کو چاہنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے الخ یہ حدیث بھی متشابہات میں سے ہے جس کا مطلب خدا ہی کو معلوم ہے بعض عارفین نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حق تعالٰی اس کے افعال کی ایسی نگہبانی کرتے ہیں کہ وہ وہی کام کرتا ہے جو خدا کو محبوب ہوتا ہے اور یہ مقام مرادیت ہے ۱۲ منہ)

۲ الزمر: ٤٧۔

خدا تعالیٰ کی مراد سمجھنے کے اہل نہیں ہیں کیونکہ وہ جہالت میں گرفتار ہیں اور اپنے حظوظ نفسانیہ کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا کلام سمجھنے سے (بہت) دور ہو گئے ہیں اور جس شخص کی ایسی حالت ہو اس کو حق تعالیٰ نے (متشابہات میں کھود کرید کرنے پر) بہت سخت دھمکی دی ہے چنانچہ فرمایا ہے۔"فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا اللّٰه"[1] لیکن جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن کی متشابہ (آیت) کے پیچھے پڑتے ہیں فتنہ پردازی کی غرض سے اور اس کا مطلب معلوم کرنے کے لئے حالانکہ اس کا مطلب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

کلام اللہ کے معانی سمجھنے کا نسخہ

پس جو کوئی معانی کلام اللہ کے سمجھنے پر واقف ہونا چاہے اس کو چاہئے کہ حق تعالیٰ نے جو باتیں مشروع فرمائی ہیں یعنی تقوی اور عمل وغیرہ ان کو اس طرح بجالائے جیسا کہ حضرات ائمہ رضی اللہ عنہم بجالاتے تھے تو (انشاء اللہ) اس کے لئے بھی ان معانی کی معرفت کا دروازہ کھل جائے گا۔ کیونکہ اس وقت حق تعالیٰ خود اس کی تعلیم کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ اور اگر اپنے آپ اس کو سکھلائیں گے کسی دوسرے کا محتاج نہ چھوڑیں گے) چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے واتقوا اللّٰه ویعلمکم اللّٰه[2] اور تم خدا سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ (خود) تم کو تعلیم دیں گے اور جس شخص کے لئے خدا تعالیٰ معلم ہوں وہ (ضرور) ان باتوں کو سمجھ جائے گا جو خدا تک پہونچانے والی ہیں۔ اور تمام باتیں اس کے سامنے ایسی (واضح) ہو جائیں گی کہ کچھ بھی گنجلک نہ رہے گی)۔

متشابہ میں متعدد جہات کا احتمال ہوتا ہے

اور جاننا چاہئے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ متشابہ کی تاویل (اور مطلب بتلادیتے

---

[1] ال عمران:۷

[2] البقرة:۲۸۲

ہیں اس کو بھی اس معرفت سے محکم ہی کا علم حاصل ہوتا ہے (متشابہ کا علم نہیں ہوتا کیونکہ جو مطلب اس کی سمجھ میں آئے گا اس کے اعتبار سے متشابہ کو متشابہ کہنا ہی صحیح نہیں مگر یہ احتمال باقی ہے کہ شاید اس میں اور بھی کوئی جہت ہو جو اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو، پس جو مطلب اس کے لئے محکم ہے اس سے متشابہ کا تشابہ) زائل نہ ہوگا، کیونکہ جو عالم (متشابہ کی) تاویل کا علم حاصل کرتا ہے وہ بہت سے بہت ایک جہت سے اس کی تاویل جان لیتا ہے نہ کہ ہر جہت سے اور متشابہ میں متعدد جہات کا احتمال ہوتا ہے (تو ایک جہت معلوم ہو جانے سے یہ دعوے نہیں کیا جا سکتا کہ اب اس کے حق میں یہ آیت متشابہ نہیں رہی بلکہ بہت سے بہت یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو مطلب اس کو معلوم ہوا ہے اس کے اعتبار سے متشابہ نہیں رہی باقی جو جہت اس کو معلوم نہیں ہوئی اس کے لحاظ سے اس کے حق میں بھی وہ متشابہ ہی ہے۔

نہ محکم متشابہ ہو سکتا ہے نہ متشابہ محکم

پس محکم محکم ہی ہے اور متشابہ متشابہ ہی ہے ان میں کوئی اپنی حالت سے ہٹ نہیں سکتا (یعنی نہ محکم متشابہ ہو سکتا ہے نہ متشابہ محکم) اور یہ بات ہم نے اس لئے کہی ہے تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ جب ایک عالم نے وہ مطلب معلوم کر لیا جس پر متشابہ کے الفاظ اس شخص کے حق میں (صاف) دلالت کر رہے ہیں جس کا حصہ اس کے سمجھنے میں تھا تو اب وہ متشابہ ہونے سے نکل جائے گا سو (خوب سمجھ لو کہ) یہ بات اس طرح نہیں ہے بلکہ متشابہ اب بھی اپنی اصلی حالت پر ہے باوجود ایسا مطلب جان لینے کے بھی جس کی طرف وہ الفاظ اس شخص کے حق میں راجع ہو سکتے ہوں جس کا اس کے سمجھنے میں حصہ تھا (کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ جس کسی کو متشابہ کی تاویل معلوم ہوتی ہے وہ ایک ہی جہت سے معلوم ہوتی ہے تو دوسری جہات سے وہ اب بھی متشابہ ہی رہا)۔

بعض الفاظ ومضامین جن میں بدون علم کے غور وخوض نہیں کرنا چاہئے

اور اب ہم بعض وہ الفاظ ومضامین بیان کرنا چاہتے ہیں جن میں اکثر بدون علم کے غور وخوض کیا جاتا ہے، پس منجملہ ان کے (ایک تو) ان حروف (کے معانی) میں گفتگو کرنا ہے جو سورتوں کے اوائل میں مذکور ہوتے ہیں (جیسے الٓمٓ اور کٓھٰیٰعٓصٓ وغیرہ جن کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ دوسرے) آسمان دنیا پر خدا تعالیٰ کے نزول فرمانے پر کلام کرنا اور خدا تعالیٰ اور فرشتوں کا صف باندھ کر آنا اور خدا تعالیٰ کا بادل کے سائبانوں میں آنا اور استواء علی العرش کے معنی اور قدم اور وجہ اور ید جنب (وغیرہ) کے معنی اور خدا تعالیٰ کا (بندہ کی طرف) ایک ہاتھ یا دو ہاتھ آنا اور دوڑ کر آنا اور بندہ مؤمن کے دل کا خدا تعالیٰ کو سمانا اور اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہونا اور حق تعالیٰ کے قول لمن خلقت بیدی اور تجری باعیننا کے معنی اور قلب کا رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں ہونا اور آسمانوں کا خدا کے داہنے ہاتھ میں لپٹا ہوا ہونا۔ اور خدا تعالی کے دونوں ہاتھوں کا یمین مبارک ہونا اور خدا تعالیٰ کا (بندوں کے) ساتھ ہونا اور ہنسنا اور خوش ہونا اور تعجب اور بشاشت ظاہر کرنا اور دیکھنا اور جاننا اور گفتگو کرنا اور اس کے لئے حد اور مقدار (کا بعض نصوص میں) مذکور ہونا اور اس کا راضی ہونا اور غصہ کرنا وغیرہ وغیرہ (یہ ہیں وہ الفاظ جن کے معانی میں بدون سمجھے گفتگو کی جاتی ہے) پس یہ الفاظ اور جو ان کے مثل ہوں ان سے ذات خداوندی کی خبر دی گئی ہے خدا تعالیٰ نے (خود) اپنی ذات کی نسبت ان الفاظ کو بیان فرمایا ہے اور دلائل عقلیہ ان سب کو (ظاہری معنی کے اعتبار سے خدا کی شان میں) محال قرار دیتی ہیں۔

پس اگر (ان الفاظ کا) سننے والا مسلمان ہے اور نظر عقلی رکھتا ہے وہ تکلف کر کے ان میں تاویل کرے گا کیونکہ وہ اپنی عقل کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے (کہ جہاں اس کی عقل جا کر ٹھہرتی ہے وہیں وہ بھی ٹھہر جاتا ہے اور عقل ان الفاظ میں تاویل کئے بغیر نہیں رہ سکتی، اس لئے وہ بھی تاویل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے) اور اگر سننے والے کا دل

(نور) ایمان سے منور ہو چکا ہے تو وہ خدا کے علم پر حوالہ کر کے اب سب باتوں پر ایمان لے آوے گا اور اسی کے ساتھ وہ ان معانی کو بھی سمجھے گا جو ان الفاظ ید وعین، واصبع وغیرہ میں موجود ہیں (ان کی بالکلیہ نفی نہ کرے گا) لیکن جب تک حق تعالیٰ اس کی بصیرت (کا پردہ) نہ کھول دیں اور کشفی طور پر ان الفاظ کی مراد نہ سمجھ لے اس وقت تک (ان معانی کی) نسبت (خدا کی طرف) اجمالاً کرے گا۔

کیونکہ حق تعالیٰ نے ہر رسول کو اس کی قوم ہی کی زبان میں (احکام دے کر) بھیجا ہے یعنی جن الفاظ پر اس کی قوم نے یہ اتفاق کر لیا ہے کہ متکلم جب اپنی مراد کو سامع تک پہنچانا چاہے تو فلاں فلاں معانی کو ان الفاظ سے تعبیر کرنا چاہئے تو رسول کو بھی انہی معانی اور الفاظ کے ساتھ بھیجا جاتا ہے (یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کی قوم ایک لفظ سے ایک معنی سمجھتی ہو اور خدا تعالیٰ اور رسول اس سے کسی دوسرے معنی کا قصد کر لیں پس (آیات واحادیث متشابہات میں وہ معنی نہیں بدل سکتے جن پر الفاظ کی دلالت (لغۃ) ہو رہی ہے اگر چہ (ہم کو) یہ نہ معلوم ہو کہ ان معانی کی نسبت (خدا کی طرف کیونکر کی جائے کیونکہ نسبت کا مجہول ہونا کسی عبارت سے معنی کے مفہوم ہونے میں خلل نہیں ڈالتا۔

ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ ہم ایک عبارت کے الفاظ اور معانی کو الگ الگ جان لیتے ہیں، مگر نسبت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اس کی حقیقت اور اصل مراد واضح نہیں ہوتی، کیونکہ بعض مرتبہ متکلم ایک لفظ کو معنی حقیقی میں استعمال کر کے اس کے لازم کا قصد کر لیتا ہے، اب اگر وہ لازم ظاہر ہے تو مقصود جلدی سمجھ میں آجاتا ہے اور اگر مخفی ہوا تو بہت غور کرنے کے بعد مطلب سمجھ میں آتا ہے اور بعض دفعہ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا لیکن اگر متکلم کی فصاحت وبلاغت مسلّم ہو چکی ہو تو اس کے کلام کو غیر فصیح اور لغو کوئی نہیں کہہ سکتا، بلکہ اس کو استادِ فن کا کلام سمجھ کر شرح کرنے کے درپے ہوتے ہیں اور جب کوئی شخص اس کی شرح کر دیتا ہے تو عام طور پر اس کی مدح کی جاتی ہے کہ فلاں شخص بہت ذہین اور زباندان ہے کہ استادوں کے کلام کو خوب سمجھتا ہے)۔

پھر (اس طرح) ہمارے پاس شریعت آئی (جس میں بعض باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں مثلاً یہ کہا گیا ہے) کہ حق تعالیٰ فلاں فلاں صفات (سمع وبصر وحیاء وغضب وغیرہ) کے ساتھ متصف ہیں اور ہم کو تواتر سے اور اس زبان کے محاورہ سے جس میں وہ شریعت نازل ہوئی ہے ان الفاظ کے معنی معلوم ہیں پھر حق تعالیٰ نے ان معانی کو اپنی ذات کی طرف منسوب بھی کیا ہے کہ (مثلاً) خدا کے دو ہاتھ ہیں دو انگلیاں ہیں اور داہنا ہاتھ ہے اور اس کے سوا اور باتیں بھی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اور حق تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بھی بیان کی ہے کہ جب بندہ صدقہ کرتا ہے تو صدقہ سے خدا کا غصہ بجھ جاتا ہے اور (باوجودیکہ) ان سب (الفاظ) کے معنی ہماری سمجھ میں آتے ہیں (مگر) اللہ تعالیٰ کی طرف (ان کی) نسبت (کرنے کی صورت) معلوم نہیں (کہ اس کی ذات کی طرف کس طرح ان کو منسوب کیا جائے۔ پس) ہر اس انسان پر جو کہ منجانب اللہ اس شریعت کا مکلّف بنایا گیا ہے ان سب پر ایمان لانا (اور یہ اعتقاد رکھنا) واجب ہے (کہ ان الفاظ کا جو مطلب خدا کی شان کے لائق ہے میں اس پر ایمان لاتا اور خدا کے کلام کو سچا سمجھتا ہوں اگرچہ پوری طرح وہ میری سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ بادشاہوں کے کلام کا) ان کے درباری ہی بخوبی سمجھا کرتے ہیں۔

جو بات ہم کو معلوم نہ ہو اس میں عقل سے تأویل نہ کریں

اور (درحقیقت) یہ سب باتیں عقل کی رسائی سے باہر ہیں ہاں اگر تاویل کر کے اپنی سمجھ کے موافق کوئی بات بنالی جائے تو اس وقت عقل ان کو قبول کرسکتی ہے (مگر) پھر (انصاف یہ ہے کہ) ان کو (محض) ایمان کی وجہ سے قبول کرنا (تاویل عقلی کے بعد ماننے سے) زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ ایسے احکام ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے بیان فرمایا ہے کہ وہ ایسا ہے (اور اس کی یہ صفت ہے) باوجودیکہ (یہ بھی معلوم ہے کہ) خدا کے مثل کوئی چیز نہیں (اور نہ وہ کسی کے مثل ہے) پس خدا تعالیٰ نے

اپنی طرف ان (اوصاف) کے منسوب کرنے کا علم پوری طرح ہم کونہیں دیا تو ہمارا یہ سمجھ کر ان کو قبول کر لینا کہ حق تعالیٰ خود ہی (ان کی حقیقت) جانتے ہیں اس سے اچھا ہے کہ ہم ایک مخلوق کے بیان پر یعنی عقل کے (تاویل پر) ان کو قبول کریں کیونکہ جو شخص عقل کے حکم کو اس بات پر مقدم کرے جو کہ خود خدا نے اپنے لئے بیان فرمائی ہے وہ بہت ہی اندھا ہے۔

پس (اسلم طریقہ یہی ہے کہ جو بات ہم کو نہ معلوم ہو اپنی عقل سے اس میں تاویل نہ کیا کریں کیونکہ ممکن ہے کہ ہم اپنی عقل سے خدا کی ذات پر کوئی ایسا حکم لگا دیں جو اس کی شان رفیع کے لائق نہیں ہے) اس مقام پر (خوب) غور سے کام لو۔ کیونکہ یہ (نفیس) مضمون کسی کتاب میں (غالبا) تم کو نہ ملے گا۔ اور ہم نے کسی قدر وہ علوم جن کو سمجھنا مقام ولایت کے ساتھ مخصوص ہے اپنی کتاب "تنبیہ الاغنیاء علی قطرۃ من بحور علوم الاولیاء" میں بیان کر دئے ہیں (اگر زیادہ تحقیق کا شوق ہو) تو اس کو دیکھ لو۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کی حقیقت پر کلام کرنے میں زیادہ غور وفکر نہ کریں

(٦) اور اس کی یہ شان بھی ہونی چاہئے کہ (حضرات انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کی حقیقت پر کلام کرنے میں (زیادہ غور و) خوض نہ کرے بالخصوص (تمام) رسولوں کے باپ (حضرت) آدم علی نبینا وعلیہ وعلی المرسلین الصلوۃ والسلام کے گناہ کی صورت میں کیونکہ اس میں غور وخوض کرنا کامل وارثان (انبیاء) یعنی اولیاء (اللہ) کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے کہ وارث کو اپنے مورث کے مقام (اور مرتبہ) سے علمی طور

پر (کچھ) تعلق ہوا کرتا ہے[۱] اگرچہ ذوقی طریقہ سے اس مقام کے ساتھ متلبس نہ ہوا ہو (پس) وارثان انبیاء کے سوا دوسروں کو ان کے مقامات میں کلام نہ کرنا چاہئے) کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے ان کے مرتبہ کے مناسب کچھ مواخذات ہوا کرتے ہیں جن کو بجز ان کے اور ان کے وارثین کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا اور ہمارے لئے (بس) یہی کافی ہے کہ ان کی عظمت شان ورفعت احوال کا اعتقاد رکھیں اور ان (کے مؤاخذات) کو کامل سے کامل حالت پر محمول کریں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور (اس تقریر پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ان باتوں میں غور وخوض سے منع کرنا (بڑے) نقص (کا سبب) ہے جس سے قرآن (کا) عجمی ہو (نا لازم آ) جائے گا کہ گویا (اس میں ہم کو) ایسی بات کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے (اور جس بات کو مخاطب سمجھ نہ سکے اس کا بیان کرنا عبث ہے اور خدا کی طرف فعل عبث کی نسبت محال ہے) کیونکہ ہم (اس کے جواب میں) یہ کہیں گے کہ حق تعالیٰ نے (یہ بھی) ارشاد فرمایا "فاسئلو اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون"[۲] کہ اگر تم کسی بات کو نہ جانتے ہو تو اہل علم سے (اس کو) دریافت کرلیا کرو (جس سے معلوم ہو گیا کہ شریعت کی بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کو عوام نہیں جانتے اور خواص جانتے ہیں تو ایک بات اگر عوام کی سمجھ میں نہ آسکے اس سے قرآن کا عجمی ہونا اور خطاب کا عبث ہونا لازم نہیں آتا۔

۱؎ اس میں علامہ نے ایک مسئلہ اختلافی کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ مقامات انبیاء کے بارے میں بعض صوفیہ کا یہ قول ہے کہ عارفین ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ بعض کا قول یہ ہے کہ نبی کے مقام کو نبی کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا، علامہ کے فیصلہ کا حاصل یہ ہے کہ اولیاء کاملین کو مقامات انبیاء کا علم اور تصور تو ہو سکتا ہے مگر ذوق حاصل نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اجمالی سیر ہو جاتی ہے وصول اور رسوخ نصیب نہیں ہوتا۔ الحمد للہ کہ احقر مترجم کو بھی ایک بار خواب میں یہی فیصلہ بتلایا گیا تھا ۱۲ منہ۔

۲؎ الانبیاء: ۷

یہ اشکال اس وقت لازم آسکتا ہے جب کہ ان باتوں کو کوئی بھی نہ سمجھتا ہو،[1] اور ان کے سمجھنے والے اولیاء اور علماء راسخین ہی ہیں اور ہم کو ان کی اتباع کا امر کیا گیا ہے کیونکہ وہ انبیاء کے (کامل) وارث ہیں اور اسرار الٰہی پر حق تعالیٰ کے امین ہیں پس جب وہ کوئی بات بیان کریں اس کا ماننا ہمارے اوپر واجب ہے۔

گناہ حضرت آدم علیہ السلام کی تحقیق

پس (قصہ آدم علیہ السلام میں) اول تو تم یہ سمجھو کہ آدم علیہ السلام نے یہ جو کچھ کیا قضاء وتقدیر کی وجہ سے کیا جو (کبھی) ٹل نہیں سکتی اور (اسی دلیل سے) آدم[2] علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے تھے۔

---

[1] چنانچہ سلاطین کے کلام میں بہت باتیں ایسی ہوا کرتی ہیں جن کو خواص سلطانی اور مقربان ایوانی سمجھ لیتے ہیں عام لوگوں کو وہاں تک رسائی نہیں ہوتی اور اس سے ان کے کلام کا عبث ہونا کسی عاقل کے نزدیک لازم نہیں آتا اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے مخلوق کے درجات کا تفاوت ظاہر ہو جاتا ہے، کہ کون مقرب ہے، کون دور ہے، کون محرم اسرار ہے، کون بزمرہ اغیار ہے، فافہم ۱۲ مترجم

[2] ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے، جس کو مسلم نے روایت کیا ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ آدم اور موسیٰ علیہما السلام میں حق تعالیٰ کے پاس گفتگو ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے (حضرت آدم علیہ السلام سے) کہا کہ تم ہی آدم ہو جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح اس میں پھونکی اور فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں رکھا تھا، پھر تم نے اپنی خطا کی وجہ سے (سب) لوگوں کو زمین پر لا ڈالا۔ آدم علیہ السلام نے (جواب میں) فرمایا کہ تم ہی وہ موسیٰ ہو کہ خدا نے تم کو اپنی رسالت اور کلام سے ممتاز فرمایا اور تم کو (تورات کی) الواح عطا فرمائیں جن میں ہر چیز کی تفصیل (موجود) ہے اور تم کو بات چیت کے وقت مقرب کیا۔ بتلاؤ خدا تعالیٰ نے تورات کو میری پیدائش سے کتنے سال پہلے لکھا ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ چالیس سال تو آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے تورات میں یہ بھی (لکھا ہوا) پایا ہے (کہ نہیں) "عصی آدم ربہ فغوی" (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بہک گئے) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں (میں یہ مضمون اس میں پاتا ہوں) آدم علیہ السلام نے فرمایا تو کیا تم مجھ کو اس بات پر ملامت کرتے ہو کہ میں

دوسرے انہوں نے اس درخت کے کھانے نے سے (حکم الٰہی کی) بے حرمتی کا قصد نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نے ایسا کام کر دیا جس کی بابت خدا تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا کہ میں ایسا کروں گا (سیدنا) رسول اللہ ﷺ نے (یہ قصہ بیان کر کے) فرمایا کہ بس آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر (حجت میں) غالب آ گئے اھ رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ۔

اس مقام پر ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ آدم علیہ السلام نے جو جواب دیا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ پھر کسی گناہ کرنے والے کو بھی ملامت نہ کی جایا کرے کیونکہ ہر شخص یہی جواب دے کر غالب آ سکتا ہے کہ میری تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کو دنیا میں توبہ سے پہلے ملامت کرنا چونکہ مفید ہے، اس لئے جائز ہے۔ جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ تم کو اس گناہ سے توبہ کرنی چاہیے اور توبہ کرنے کے بعد دنیا میں بھی ملامت ناجائز ہے چہ جائے کہ عالم آخرت میں سو موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو ایسے وقت میں ملامت کی تھی جب کہ وہ اپنی خطا سے توبہ کر چکے اور دنیا سے عالم آخرت میں پہونچ چکے تھے سو اس وقت ملامت سے بجز شرمندہ کرنے کے کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس لئے آدم علیہ السلام حجت میں غالب آ گئے۔

دوسری وجہ فرق کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ بظاہر آدم علیہ السلام کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی خطا سے پہلے یہ بات منکشف ہو گئی تھی کہ میری تقدیر میں درخت کا کھانا لکھا ہوا ہے اس لئے گو بظاہر مجھے اس سے منع کیا گیا ہے مگر منظور حق یہی ہے کہ میں اس کو کھالوں اس لئے تقدیر کے انکشاف سے مغلوب ہو کر انہوں نے ایسا کیا تو اس حالت میں بوجہ غلبۂ حال کے وہ مغلوب تھے اور ایسے مغلوب تھے کہ ممانعت کی طرف التفات نہ ہوا۔ پس وہ ایک درجہ میں معذور تھے اور دوسرے لوگ جو کچھ گناہ کرتے ہیں وہ انکشاف تقدیر سے مغلوب ہو کر نہیں کرتے، بلکہ اپنی نفسانی خواہشوں سے مغلوب ہو کر کرتے ہیں اس لئے وہ معذور نہیں۔ پس آدم علیہ السلام قابل ملامت نہ تھے اور دوسرے گناہ گار قابل ملامت ہیں اور غلبۂ حال اولیاء کی طرح انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی ہوا کرتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ زمانۂ فترۃ وحی میں فرط غم سے مغلوب ہو کر اپنے کو پہاڑ سے گرا دینے کا قصد کیا کرتے تھے۔

رہا یہ سوال کہ پھر آدم علیہ السلام پر عتاب کیوں ہوا سو بات یہ ہے کہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" مقربان بارگاہ سے بعض دفعہ ایسی بات پر بھی مواخذہ ہو جاتا ہے جو دوسروں کے حق میں قابل مواخذہ

کیا تھا، بلکہ یہ فعل ایک صحیح تأویل (اور اجتہادی دلیل) کے ساتھ آپ سے صادر ہوا جس میں (اس درخت کے) کھانے کے وقت آپ[1] نے رضاء الٰہی کا قصد کیا تھا اور یہ صورت بعض اولیاء عارفین کو بھی پیش آیا کرتی ہے۔ اگر آدم علیہ السلام کو بھی پیش آ گئی ہو تو کیا تعجب ہے۔

تأویل میں غلطی کرنے والا گناہ گار نہیں

جب تم یہ بات جان گئے تو (اب سمجھو کہ) جو شخص تاویل کے ساتھ خطا کرے وہ اس فعل کے ارتکاب کے وقت گناہ گار نہیں ہوتا کیونکہ تاویل کی وجہ سے (اس کو) شبہ (پیدا) ہو گیا ہے لیکن وہ کام کر چکنے کے بعد (جب) اس کو خود یہ بات معلوم ہو جائے کہ میری تاویل غلط تھی تو (اس وقت) وہ اس بات کا مستحق ہے کہ (یوں کہا جائے کہ) یہ شخص اپنے دل میں (خود کو) گناہ گار (سمجھتا) ہے اور لسان (زبان) ظاہر بھی اس پر یہی حکم لگائے گی (گو باطن میں عند اللہ وہ اب بھی گنہگار نہیں کیونکہ غلطی اجتہادی میں حق تعالیٰ کے نزدیک گناہ نہیں ہوتا) پس اس شخص کی مثال اس مجتہد جیسی ہے جو کسی وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نہیں ہوتی؟ ہر چند کہ اس صورت میں آدم علیہ السلام غلبۂ حال کی وجہ سے معذور تھے، مگر یہ غلبہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنے کشف پر التفات کیا اگر اپنے کشف پر التفات نہ فرماتے تو اس قدر غلبۂ حال نہ ہوتا۔ سو ممکن ہے کہ ایسی بات پر مواخذہ ہوا ہو کہ تم نے صریح حکم کے ہوتے ہوئے اپنے کشف پر التفات ہی کیوں کیا؟ بلکہ جب تقدیر کا انکشاف ہوا تھا اس کو یہ کہہ کر ٹال دینا چاہئے تھا کہ یہ تو کشف ہے اور ادھر حق تعالیٰ کی صریح ممانعت ہے مجھ کو صریح حکم کے ہوتے ہوئے اپنے کشف پر اعتماد نہ کرنا چاہئے مگر ظاہر ہے کہ یہ خطا ایسی نہیں جس کو گناہ کہا جاوے محض ایک لغزش ہے اور غلطی اجتہادی جس پر مجتہد کو ایک ثواب ملا کرتا ہے چنانچہ آدم علیہ السلام کو بھی اس خطا اجتہادی کا ثواب یہ ملا کہ ان کو حق تعالیٰ کی صفت غفور وتواب ومنتقم وغیرہ کا پہلے صرف علم ہی تھا اس کے بعد ان صفات کا کامل ظہور ان پر ہو گیا۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم۔

[1] خلاصہ یہ کہ گناہ وہ ہے جو بقصد مخالفت ہو اور جو کام محبت اور اخلاص اور طلب رضا پر مبنی ہو اور غلطی سے ایک خلاف مرضی کام کو موافق مرضی کے سمجھ لیا جائے وہ گناہ نہیں۔ پس آدم علیہ السلام کی خطا دوسری صورت میں داخل ہے اور پہلی صورت سے وہ کوسوں دور تھے۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم۔

مسئلہ میں اپنا فتوی یہ سمجھ کر بیان کرے کہ اس مسئلہ میں حکم شرعی یہی ہے (سو ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں اس کو خطا اور غلطی کرنے والا نہیں کہا جا سکتا) اور دوسرے وقت دلیل سے اس کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس نے (مسئلہ مذکورہ میں) غلطی کی ہے تو لسان ظاہر اس پر یہ حکم لگائے گی وہ اب دلیل (واضح ہو جانے) کے وقت (فتوی سابق میں) غلطی کرنے والا ہے اس سے پہلے وہ غلطی کرنے والا نہ تھا (کیونکہ پہلے تو اس نے جو کچھ کیا حکم شرعی سمجھ کر کیا تھا پس یہی صورت انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں کی ہے کہ عین لغزش کے وقت ان کو خاطی نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اس وقت چونکہ تاویل کی وجہ سے وہ اس کو موافق رضاء الٰہی سمجھے ہوئے ہوتے ہیں ان کا فعل داخل اطاعت ہوتا ہے ہاں لغزش واقع ہو چکنے کے بعد جب ان کو اپنی غلطی پر تنبہ ہو جاتا ہے اس وقت وہ اپنے کو خاطی سمجھنے لگتے ہیں۔ اس (تحقیق) کو سمجھ جاؤ۔

اور سیدی قطب ربانی ابومدین شعیب رضی اللہ عنہ نے جو کہ (ملک......) مغرب کے شیخ ہیں فرمایا ہے کہ اگر آدم علیہ السلام کو درخت کھانے کے وقت یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ (اس کی بدولت) زمین کی طرف اتارے جائیں گے اور (اس کے بعد) ان کی پشت سے تمام انبیاء اور مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام پیدا ہوں گے تو وہ اس کی یہ برکت دیکھ کر تمام درخت کو کھا لیتے اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہ چھوڑتے) آدم علیہ السلام کی معصیت حق تعالیٰ کے (علم) غیب میں ان کے لئے سراسر نعمت (اور منت) تھی تو (یوں کہنا چاہئے کہ) اس کی ظاہر صورت بظاہر معصیت تھی اور باطنی صورت رحمت تھی یعنی اہل سعادت کے حق میں باقی اہل شقاوت (کے حق میں تو رحمت نہ تھی لیکن) جیسا کہ خدا تعالیٰ کو ان کی پرواہ نہیں ہے اسی طرح ہم بھی ان کی پرواہ نہیں کرتے (پس ان کے حق میں رحمت نہ ہونے سے کوئی نقص لازم نہیں آتا)۔

---

[1] مگر ظاہر ہے کہ جس خطا سے زمانہ ارتکاب میں انسان خاطی نہ ہو وہ معصیت اور گناہ میں کسی طرح داخل نہیں ہو سکتی، بلکہ وہ تو اس کی مصداق ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ[۱] رضی اللہ عنہ کو بھی اس (مسئلہ میں) ایک عجیب تقریر کرتے ہوئے سنا ہے جس کو میں بیان کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ اس میں آدم علیہ السلام کی (غایت درجہ) تعظیم (ظاہر ہوتی) ہے اگر چہ اکثر افہام کے لئے اس میں دقت اور دشواری (کا سامنا) ہے کیونکہ وہ اسرار (الٰہی) کے اشارات ہیں جن کا سمجھنا محققین عارفین کے لئے مخصوص ہے۔ شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کو (تمام) اسماء کی تعلیم دینا اشارۃ اس کو مقتضی تھا کہ وہ (اس) درخت کو کھالیں (کیونکہ جن چیزوں کے نام اور آثار و خواص ان کو بتلائے گئے تھے ان کی پوری حقیقت کا انکشاف اسی پر موقوف تھا) اور اگر وہ اس درخت کو نہ کھاتے تو (خدا تعالیٰ کے) ارادہ سابق کی نافرمانی لازم آتی حالانکہ ارادہ (الٰہی) کی نافرمانی ممکن نہیں، کیونکہ بندہ اپنے تمام افعال میں ارادہ (الٰہی) کا تابعدار ہے اور اگر وہ (کسی کام میں) نافرمانی بھی کرتا ہے تو صرف حکم (شرعی) کی نافرمانی کرتا ہے (ارادہ تقدیری کی نافرمانی کبھی نہیں کرسکتا) کیونکہ کوئی ذرہ بدون ارادۂ خداوندی کے نہیں ہل سکتا۔[۲]

اور (نیز تعلیم اسماء سے اس درخت کے کھانے کی طرف اشارہ) اس لئے بھی (تھا) کہ وہ اسماء (جو آدم علیہ السلام کو بتلائے گئے تھے) جن میں پیالہ اور پیالی اور کلہاڑا اور کلہاڑی اور بسولا اور چکی اور ہل وغیرہ تمام آلات (داخل) تھے، سب کے سب مادی اشیاء ہیں۔ جو اس جگہ کے (کسی طرح) مناسب نہ تھیں جہاں آدم علیہ السلام (اس وقت موجود) تھے (یعنی جنت) اور آدم علیہ السلام جانتے تھے کہ ان (اسماء) کے بتلانے سے (حق تعالیٰ کا) مقصود یہ ہے کہ ان چیزوں کو استعمال میں لایا جائے اس لئے وہ اس جگہ پر پہنچنے کے منتظر رہے جو ان کی خلافت کا محل اور کمال حکومت کا موقع ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) گر خطا گوید ورا خاطی مگو — در شود پر خون شہید از امشو
خون شہیدان راز آب اولی تر است — این خطا از صد صواب اولی تر است
۱۲ مترجم۔

[۱] اس سے بظاہر شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ مراد ہیں ۱۲ مترجم۔

[۲] یہ تقریر مسئلہ تقدیر کی طرف راجع ہے جس کو خود حضرت آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں

تا کہ (وہاں پہنچنے کے بعد) وہ ارادہ پورا ہو جائے جس کے لئے خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلافت عطا فرمائی تھی کہ ان کے ذریعہ سے یہ نوع انسانی ظاہر ہو (اور اس پر احکام الٰہی کا نزول ہو اور اس طرح انسان مظہر اتم صفات الٰہیہ کا ہو جائے)۔

اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ فرشتوں کا (مجھ کو) سجدہ کرنا (یہ میرا منتہائے قرب نہیں، بلکہ) یہ تو محض ان کی اس بات کا کفارہ تھا جو انہوں نے انسان کے بارہ میں کہی تھی کہ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو فساد خون ریزی کی طرف منسوب کیا تھا، اور یہ بھی جانتے تھے کہ مجھ (کو پیدا کرنے) سے (خدا تعالیٰ کا) مقصود یہ ہے کہ عبدیت (اور بندگی) کو اور ان حقوق کو بجالایا جائے جن کا شان ربوبیت تقاضا کرتی ہے اور بندگی ذلت اور عاجزی (کا نام) ہے اور وہ (عالم) سفلیات (یعنی زمین) ہی میں ادا ہو سکتی ہے (عالم علویات یعنی آسمان میں رہ کر ادا نہیں ہو سکتی) اور نیز لوح محفوظ کو دیکھ کر وہ بھی جان چکے تھے کہ ان سے انہی کی صورت پر ایک مخلوق کا ظاہر ہونا ضروری ہے چنانچہ عالم الذر میں جب کہ حق تعالیٰ نے پہلا عہد لینے کے لئے (چیونٹی کی صورت میں) آدم علیہ السلام (کی پشت) سے مخلوق کو ظاہر کیا تھا اس وقت خدا تعالیٰ نے یہ مخلوق ان کو دکھلا دی تھی اور اسی وقت انہوں نے (سیدنا) رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ بھی معلوم کر لیا تھا اور داؤد علیہ السلام کو بھی دیکھا تھا جن سے اس خلافت کی رونق ایک زیادہ بات کے ساتھ ظاہر ہونے والی تھی کہ ان کو حکم اور تصرف بہت عام ہوا (حتی کہ پرندے اور پہاڑ اور درخت بھی ان کے لئے مسخر کئے گئے تھے) اور (اس وقت) آدم علیہ السلام نے ان پر یہ اکرام بھی کیا تھا کہ اپنی عمر کا (کچھ) حصہ ان کو ہبہ کر دیا تا کہ اس کے ذریعہ سے ان کی حکومت کامل ہو جائے (غرض ان کو اپنی اولاد کا علم بھی حاصل تھا اور اس کو دیکھ کر طبعی محبت بھی پیدا ہو گئی اس لئے وہ اس کے مشتاق تھے کہ کسی طرح جلدی اس جگہ پہنچوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بیان فرمایا تھا اور احقر نے حاشیہ گذشتہ میں اس کی تفصیل اپنی بساط کے موافق بخوبی کر دی ہے فراجعہ ۱۲ مترجم۔

جہاں یہ اولاد مجھ سے ظاہر ہوگی)۔[۱]

پس جب آدم علیہ السلام کے سامنے یہ حقائق متعارض ہو کر ظاہر) ہوئے (کہ ایک درخت کے کھانے سے ممانعت بھی ہے اور دوسری طرف محل خلافت پر پہونچنا اس کے کھانے پر موقوف بھی ہے) تو زبان حال نے یہ اشارہ کیا کہ جس درخت سے ان کو ممانعت کی گئی ہے اس کا ذکر ان کے سامنے اسی لئے کیا گیا ہے کہ (اس کے ضمن میں) بندگی اور احتیاج کے محل کی طرف اترنے کا حکم ہے کیونکہ اگر حق تعالیٰ ان کو اس درخت کا پتہ نہ بتلاتے تو وہ اس کو ہرگز نہ کھا سکتے، بلکہ انہوں نے اسی لئے اس کو کھایا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کے کھانے سے منع کرنے میں (در پردہ) کھانے کا حکم (تکوینی ہے تو گویا حق تعالیٰ نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ اگر تم اس درخت کو کھاؤ گے تو میں تم کو (جنت سے) تمہارے دارالخلافت کی طرف بھیج دوں گا اور وہ حق تعالیٰ کے ارشاد "انی جاعل فی الارض خلیفة"[۲] سے یقینی طور پر یہ جان چکے تھے کہ ان کو جنت سے نکل کر زمین کی طرف ضرور جانا ہے اس لئے انہوں نے جلدی کی اور نزول کے وقت (ظاہری) سبب پر یعنی اپنے نفس (کی رائے) پر اعتماد کیا اور اپنے اس فعل پر وہ حق تعالیٰ کی طرف سے مدح وثنا کے خواہاں تھے کیونکہ انہوں نے (اس وقت) مطلوب (الٰہی) کی طرف سبقت کی تھی (اور اپنے دل میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ چونکہ میں حق تعالی کے مطلوب کو پورا کر رہا ہوں اس لئے امید ہے کہ حق تعالیٰ اس فعل میں میری مدح فرمائیں گے، مگر بجائے مدح کے ان کو مذمت کی سزا دی گئی۔

اور حق تعالیٰ نے ان کی بابت یہ فرمایا کہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والے اور بہت

---

[۱] پس آدم علیہ السلام نے مخلوق کو جنت سے نہیں نکالا، بلکہ اولاد ہی نے ان کو جنت سے نکالا ہے کیونکہ جنت میں یہ اولاد پیدا نہ ہوسکتی تھی اس لئے اپنی اولاد کے ظاہر ہونے کی محبت میں آدم علیہ السلام نے زمین پر آنے کا سامان کیا۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم۔

[۲] البقرة : ۳۰

بھولے تھے کہ خدا کے سامنے اپنے اختیار سے کام لیا قبل ازیں کہ حق تعالیٰ خود اس کام کو اپنے آپ کر دیتے انہوں نے (ظاہری) سبب پر اعتماد کیا[1] والسلام۔ علاوہ ازیں آدم علیہ السلام سے اس درخت کا کھانا محض بھول چوک میں ہوا ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولقد عهدنا الى آدم من قبل فنسى ولم نجد له عزما" (اور ہم نے آدم علیہ السلام سے پہلے ایک عہد لیا تھا تو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کے لئے عزم نہیں پایا) ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ کا کلام ختم ہوا۔

اور قطب ربانی سیدی ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے آدم علیہ السلام کو زمین کی طرف محض اس لئے اتارا تھا کہ ان (کے مقامات) کی تکمیل فرمادیں کیونکہ (حضرات) انبیاء علیہم السلام جب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہیں تو دوسری حالت پہلی حالت سے اکمل ہوا کرتی ہے کیونکہ ان کی ترقی دائمی ہے (جو کبھی منقطع نہیں ہوتی) پھر کبھی تو وہ ترقی قرب اور خصوصیت (کی صورت) سے ہوتی ہے اور کبھی ذلت ومسکنت (کے پیرایہ) میں اور یہ (دوسری صورت) حقیقت میں (پہلی صورت سے) زیادہ کامل ہے، اس لئے کہ غلاموں کی صفت ذلت ومسکنت ہی ہے۔ پس آدم علیہ السلام کو اس (خطا کی وجہ سے دو قسم کی بندگی نصیب ہوئی ایک قرب سابق کی (صورت میں) دوسرے آئندہ کی تکلیف کی (صورت میں) پس اس واقعہ کی وجہ سے حق تعالیٰ کا ان پر بڑا احسان ہوا اھ اس (مضمون) کو (خوب) سمجھ لو اور (انبیاء پر) انکار کرنے سے بچتے رہو کیونکہ وہ تباہ وبرباد کرنے والی چیز ہے اور اس کا وبال تم پر (ضرور) پڑے گا۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا اس درخت کے کھا لینے کی طرف سبقت

---

[1] پس اس میں تو شک نہیں کہ آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی، مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس کا منشاء کیا تھا سو منشاء اس کا سراسر محبت وعشق اور مراد خداوندی کی طرف سبقت کرنا تھا سو اس کو گناہ نہیں کہہ سکتے یہ محض لغزش اور اجتہادی غلطی تھی ۱۲ مترجم۔

کرنا اس غرض سے تھا کہ حق تعالیٰ کے علم میں جو بات مقدر ہو چکی ہے اس کو پورا کر دیں، پھر صریح اجازت ملنے سے پہلے اس کام میں پیش قدمی کرنے پر انہیں عتاب ہوا اور حکمت الٰہی اس کو مقتضی نہ تھی (کہ ان کو صریح اجازت دی جاوے) کیونکہ (جس کام سے حق تعالیٰ منع فرما دیتے ہیں وہ برا ہوتا ہے اور) اللہ تعالیٰ برے کام کا حکم نہیں فرمایا کرتے (اس لئے حکمت کا مقتضا یہی تھا کہ آدم علیہ السلام بدون خدا تعالیٰ کی اجازت کے اس درخت کو کھائیں تاکہ اس ذریعہ سے ان سے عتاب وغیرہ بھی ہو جو ان کی ترقی کا سبب ہے اور اپنے محل خلافت پر بھی پہنچ جائیں جو ان کی پیدائش سے اصل مقصود تھا) اور مخلوق کے اوپر حق تعالیٰ کی حجت ہمیشہ تام رہتی ہے تاکہ اس کا کمال و فضل ظاہر ہو۔

پس آدم علیہ السلام سے جو کچھ ہوا اگرچہ مراد الٰہی کے موافق ہوا مگر چونکہ بدون صریح اجازت کے ہوا اس لئے خدا کو ان پر عتاب وغیرہ کا حق ہر طرح حاصل ہے اور نیز اس لئے بھی کہ بندہ کا مرتبہ ہمیشہ (پنجۂ) قہر کے نیچے رہتا ہے (اس لئے اس کو اپنے غلاموں کے اوپر پورا اختیار ہے اور اسی لئے باوجودیکہ آدم علیہ السلام جانتے تھے کہ جو کچھ ان سے ہوا وہ ایسی مضبوط تقدیر کی وجہ سے ہوا جو کبھی ٹل نہیں سکتی تھی (مگر) انہوں نے یہی عرض کیا "ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین "[1] اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر (واقعی بڑا) ظلم کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت اور ہم پر رحمت نہ فرمائیں گے تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں ہو جائیں گے اھ۔

گناہ گار یہ عذر نہیں کر سکتا کہ میری تقدیر میں ایسا ہی تھا

اور اگر حق تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف وہ مخالفت اور معصیت کی نسبت نہ فرمائیں تو ان پر خدا کی حجت غالب نہ ہو سکتی (پس حجت قائم کرنے کے لئے گناہ ہونے کی نسبت مخلوق کی طرف کر دی اور نسبت صحیح کرنے کے لئے قدرے ارادہ اختیار بھی

[1] الاعراف: ۲۳

اس کو دیدیا جس کے بعد اب کوئی یہ عذر نہیں کرسکتا کہ میری تقدیر میں تو یہی لکھا ہوا تھا اس لئے میں مجبور تھا جیسا کہ شیطان مردود نے کہا اور ذرا (ملعون) ابلیس کی حالت اور حق تعالیٰ کے ساتھ مباحثہ کرنے میں ان کی شرارت تو دیکھو کہ خدا تعالیٰ سے کہنے لگا آپ مجھے سجدۂ (آدم) کا حکم کیونکر فرماتے ہیں جب کہ مجھ سے سجدہ کا صادر ہونا آپ کو منظور ہی نہیں اور اگر میرے واسطے اس (کام) کو آپ چاہتے تو ضرور ہو جاتا پس (وہ مردود اپنی اس گستاخی اور) بے ادبی کی بناء پر ملعون و مبغوض قرار دیا گیا (اور سیدنا آدم علیہ السلام اپنے غایت ادب کی بناء پر برگزیدہ اور مقبول بنائے گئے۔

گناہ گر چہ نبود اختیار ما حافظ   تو در طریق ادب کوش کہ ہر گناہ من است[1]

گناہِ یوسف علیہ السلام کی تحقیق

اور اسی طرح (سیدنا) یوسف علی نبینا و علیہ السلام کے قصہ میں بھی ہم کو کھود کرید نہ کرنا چاہئے (اور اگر آیت "لقد همت به وهم بها الخ"[2] سے ان کی عصمت پر معاذ اللہ کسی کو کچھ شبہ پیدا ہو) تو ان کے حق میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ (اس) عورت نے یوسف علیہ السلام سے اپنی مراد حاصل کرنے میں ان کو مغلوب کرنے کا ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام نے اپنے سے اس کو دور کرنے میں مغلوب کرنے کا قصد کیا۔ پس دونوں کا ارادہ صرف اس بات میں مشترک تھا کہ ہر ایک اپنے واسطے غلبہ کا خواہاں تھا (مگر ہر ایک کی مراد جدا تھی) اور اس (تفسیر) کی دلیل زلیخا کا یہ قول ہے "الآن حصحص الحق انا راودته عن نفسه الخ"[3] اب سچ (بات کے) ظاہر ہو(نے کا وقت آ) گیا واقعی میں نے ہی یوسف (علیہ السلام) کی ذات سے اپنا مطلب نکالنا چاہا تھا (اس جملہ سے بقاعدۂ عربیت حصر مستفاد ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یوسف

---

[1] ترجمہ: اے حافظ! اگر چہ گناہ ہمارے اختیار سے نہیں ہوتا، تو ادب کے راستہ پر چلتا رہ کیونکہ ہر گناہ "مجھ" سے ہی ہوتا ہے ۱۲ مرتب۔

[2] یوسف: ۲۴   [3] یوسف ۵۱

علیہ السلام نے اس سے برے مطلب کا ہرگز ارادہ نہیں کیا تھا) اور تمام سورت میں (بھی) کسی جگہ یہ نہیں آیا "انہ راودھا عن نفسھا"[1] کہ یوسف علیہ السلام نے معاذ اللہ اس سے اپنا مطلب نکالنا چاہا تھا اگر ایسا ہوتا تو حق تعالیٰ اس کو بھی ضرور بیان فرماتے جیسا کہ زلیخا کا قول صاف بیان فرمایا ہے)۔

اور اس بارہ میں شیخ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں پوری طرح کلام کیا ہے اس کو دیکھ لینا چاہیے اور بعض عارفین رحمہم اللہ نے کشفی طور پر (سیدنا) یوسف علیہ السلام سے ملاقات حاصل کی اور اس تفسیر (مذکورہ بالا) کو آپ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو اور اس آیت سے حق تعالیٰ کی یہی مراد ہے اھ۔

کشف صحیح کی حقیقت

اور جاننا چاہئے کہ جو باتیں اولیاء (کرام) سے بطریق کشف کے ایسی منقول ہوں جن میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے آداب اور انبیاء کے آداب (مذکور) ہوں ہم ان کو مانتے اور ان کا اتباع کرتے ہیں کیونکہ اس امت کے لئے (اسرار کی) تعلیم (بذریعہ کشف کے) باقی ہے (ہاں) احکام کا مشروع کرنا باقی نہیں (اس لئے کہ تشریع کا دروازہ تو وحی کے منقطع ہو جانے سے بند ہو گیا) اور جاننا چاہئے کہ احکام شرعیہ اپنی عزت (وعظمت) کی وجہ سے بطریق کشف کے ثابت نہیں ہو سکتے اور (نیز) اس وجہ سے بھی کہ اگر یہ دروازہ کھولا گیا تو احکام میں باہم (بہت زیادہ) اختلاف واقع ہوگا اور مدعیان کشف کی کثرت سے شریعت کا انتظام بگڑ جائے گا (ہر شخص آئے دن کشف کا

---

[1] بلکہ قرآن میں تو اس کے بجائے یہ فرمایا ہے "کذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصين ○"[2] اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کی حفاظت کی تا کہ چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی بدی کو ہم ان سے دور رکھیں بے شک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں سیدنا یوسف علیہ السلام سے نہ کوئی چھوٹا گناہ ہوا نہ بڑا۔ پس یہ کہنا بعید ہے کہ انہوں نے زلیخا کی طرف ارادہ وقصد کیا تھا ۱۲ منہ

(۲) یوسف : ۲٤

دعوی کرے گا اور نئے نئے احکام بیان کرے گا)۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو (اب سمجھو کہ) یہ عارفین ہی وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے کلام کو (اچھی طرح) سمجھتے ہیں کیونکہ جب ان کو کسی نقل میں شک واقع ہوتا ہے اس وقت وہ کشف صحیح کی طرف رجوع کر لیتے ہیں جو کہ کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہوتا، اس لئے کہ عارفین پر حق تعالیٰ جو کچھ منکشف کرتے ہیں وہ اس وقت تک اس کا اعتبار نہیں کرتے جب تک شریعت کے موافق نہ ہو (پس کشف صحیح جس کو خدا کی طرف سے مانا جا سکتا ہے وہی ہے جو شریعت کے موافق ہو) ورنہ اس کو پھینک دیتے ہیں کیونکہ وہ (کشف جو کہ خلاف شریعت ہو محض) جہالت ہے اور جہالت کوئی چیز نہیں (اس لئے اس کا کچھ بھی اعتبار نہیں)۔

ولی خلاف شرع امور کا حکم نہیں کرسکتا

اور جاننا چاہئے کہ ولی ایسی بات کا کبھی حکم نہیں کرسکتا جو تشریعی طور پر اس کے رسول کی شریعت کو منسوخ کرنے والی ہو لیکن کبھی کوئی خاص صورت ایسی ترتیب کے ساتھ اس کو الہام ہو جاتی ہے جو کہ اس مجموعی ہیئت کے ساتھ شریعت میں معین نہ تھی اگرچہ ہر جزو کو (الگ الگ) دیکھا جائے تو وہ (پہلے سے) مشروع تھی تو اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اس ولی نے چند امور مشروعہ کو باہم دگر ایک دوسرے سے ملا کر ان میں ترکیب دے دی ہے یا الہام کے ذریعہ سے اس کے لئے یہ ترتیب پیدا ہوگئی ہے اور شریعت میں یہ مجموعی صورت ظاہر نہ ہوئی تھی، سو اتنے فعل سے یہ ولی شریعت سے (ہرگز) باہر نہیں ہوا جس کا وہ مکلّف ہے کیونکہ شارع نے اس کو یہ اجازت دی ہے کہ ایسی کوئی بات مشروع کردے (جس کا ہر ہر جزو شریعت کے موافق ہو اور مجموعی صورت کا وجود پہلے سے شریعت میں نہ ہو) چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "من سن سنة حسنة فلیسن"۔ الحدیث جو شخص کوئی نیک طریقہ ایجاد کرنا چاہے ایجاد کرے الخ تو شارع علیہ السلام نے بیان کردیا ہے کہ ولی (وغیرہ) کو (اپنے کشف یا اجتہاد سے)

کوئی نئی بات ایجاد کرنا جائز ہے، مگر یہ شرط ہے کہ وہ کسی شرعی حکم کے خلاف نہ ہو، بس انبیاء (کے علوم) سے اولیاء کا حصہ اس قدر ہے (اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ پس جو درویش خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتا ہو سمجھ لو کہ وہ جھوٹا ہے ولی ہرگز نہیں ہے) خوب سمجھ لو۔

خطاء انبیاء علیہم السلام کے متعلق محقق خود غور کرنے کی بجائے عارف سے پوچھے

اور اسی قبیل سے وہ امور ہیں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہیں کہ (مثلاً) انہوں نے جھوٹ بولا تھا اور ایسے ہی بعض امور سیدنا لوط علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہیں جن سے انبیاء مبرا اور منزہ ہوتے ہیں اور ناقص الفہم لوگ جو کچھ ان کی نسبت سمجھتے ہیں اس سے وہ پاک ہیں (سو ایسے امور میں کم فہموں کو زیادہ غور و فکر نہ کرنا چاہئے بلکہ محقق عارف سے ان کو پوچھ لینا چاہئے) اور ہم اس وقت ان سب باتوں کے بیان کے درپے نہیں ہیں کیونکہ اس میں گفتگو بہت طویل ہے، مگر ہم نے جس قدر بیان کر دیا ہے اس سے بقیہ امور جو کہ بیان نہیں ہوئے تم کو متنبہ کر دیا ہے (کہ جس طرح آدم علیہ السلام کے قصہ میں عارفین کی یہ تحقیق ہے جس سے ان کی عفت ثابت ہوتی ہے اسی طرح تمام انبیاء کی لغزشوں میں ان کی تحقیق علماء ظاہر سے بلند تر ہے، پس تم کو انبیاء کی خطاؤں میں زیادہ غور فکر نہ کر چاہئے) اور اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت کرے اور وہی نیک بندوں کا مددگار ہے۔

احکام کی علت دریافت نہ کریں

(۷) اور طالبعلم کی یہ شان بھی ہونی چاہئے کہ وہ جب تک [1] کسی مجتہد کا مقلد

---

[1] عبارة الکتاب فی ھذا المقام ھکذا و من شانہ انہ ما دام مقلدا للشارع او المجتھد الخ ولکننی لم افھم وجہ قولہ مقلدا للشارع فان مقلد الشارع بلاواسطۃ انما ھو المجتھد ولہ ان یسأل عن علل الاحکام و فروقھا التفریع المسائل علیھا فلعلہ من سھو النا سخین فلذا ترکتہ فی التراجمۃ فافھم ۱۲ مترجم

ہے اس وقت تک کسی حکم کی علت یا دو حکموں کے درمیان میں فرق دریافت نہ کرے کہ ایسا کرنا اس کے لئے مناسب نہیں کیونکہ تفریع مسائل کے بارہ میں زمانہ دراز سے علم اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے اور اس زمانہ کے لوگوں کا انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ وہ متقدمین کے اقوال کو سمجھ لیں (اجتہاد کی اہلیت اب کسی میں نہیں ہے) خصوصا جب کہ حالت یہ ہے کہ بلاء (عام نازل ہونے) کی وجہ سے قلوب پریشان اور دین (کی حالت) غیر درست ہے۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

بدون علت معلوم کئے عبادت کرنا زیادہ افضل ہے

اور جاننا چاہئے کہ جس عمل کے لئے شریعت نے اپنی طرف سے کوئی علت بیان نہیں فرمائی اس سے تعبد محض مقصود ہے اور علت معلوم کئے بغیر عبادت کرنا اس عبادت سے افضل ہے جو علت معلوم کر کے کی جائے کیونکہ جب کسی کام کی علت بیان کر دی جاتی ہے تو بعض دفعہ اس علت کی حکمت ہی بندہ کو اس عبادت پر برانگیختہ کیا کرتی ہے تو اس صورت میں محض حکم الٰہی کی تعمیل نہ ہوگی، بلکہ اس حکمت کی وجہ سے عبادت ہوگی) اور جب علت بیان نہ کی جائے اور خود بھی کوئی حکمت سمجھ میں نہ آوے اس وقت محض عبادت (اور اطاعت) ہی اس کام پر برانگیختہ کرنے والی ہوگی (اور محض تعمیل حکم کے طور پر اس کو بجالایا جائے گا، مگر عارفین اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ اسرار شریعت سے واقف ہونے کے بعد بھی ان پر مطلق نظر نہیں کرتے، بلکہ محض تعمیل حکم کے خیال سے سب کام بجالاتے ہیں)۔

اور (احکام کی علت دریافت کرنے سے) اس لئے بھی منع کیا جاتا ہے کہ احکام کی علتیں اور ان کا باہمی فرق دریافت کرنا اور اس سے بحث کرنا بندہ کی شان کے مناسب نہیں کیونکہ وہ تو محض ماموراتے کے بجالانے اور محرمات کے چھوڑنے کا مکلّف بنایا گیا ہے علتیں اور فرق معلوم کرنے کا مکلّف نہیں کیا گیا اور (دوسروں کے واسطے ان

باتوں کے معلوم کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ) جو کوئی اس سے مسئلہ دریافت کرے گا وہ صرف اتنی بات پوچھے گا کہ اس مسئلہ میں منقول حکم کیا ہے اس سے زیادہ کوئی نہ پوچھے گا اور اگر کوئی علت بھی دریافت کرنے لگے تو شرعاً اس کو حق ہے کہ علت نہ بتلاوے کیونکہ عمل کے لئے علتوں کا معلوم کرنا شرط نہیں ہے۔

اور (علت دریافت کرنے سے) اس لئے بھی (منع کیا جاتا ہے) کہ اس بحث میں پڑنے سے بندہ کا وقت بے فائدہ بہت ضائع ہوتا ہے اور طول طویل بحث کے بعد بھی اس کو اسی امام کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس کا وہ ائمہ (اربعہ) میں سے مقلد ہے کیونکہ وہ حکم منقول کے خلاف عمل کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا اور (اگر ایسا کرے گا تو) مخالفت منقول کے وقت وہ اپنی عبادت وغیرہ کو (دل میں خود ہی) باطل سمجھے گا (اور جب حالت یہ ہے تو پھر علل دریافت کرنے میں خواہ مخواہ کیوں وقت ضائع کیا) تو جو شخص اس (راز) کو سمجھ گیا وہ راحت میں ہو گیا اس کو کسی ایک حکم (شرعی) سے دوسرے حکم میں اشکال پیش نہ آئے گا اور اس کا سارا فقہ اشکال سے پاک ہو جائے گا اور اس کا سارا بوجھ اس امام پر رہے گا جس کا یہ مقلد ہے۔

اور (عزیز من !) میں نے تمہارے واسطے اس علم کے حاصل کرنے کا راستہ نزدیک کر دیا جس کا تم کو شغف (اور شوق) ہے اور (حقیقت یہ ہے کہ) آج کل زمانہ (اور عمر) میں اس سے زیادہ (تحقیق) کی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ (عموما) مشاہدہ کیا جا رہا ہے اور اس میں بجز اندھے دل والے کے اور کوئی مکابرہ نہیں کرسکتا کیونکہ (اس میں گفتگو کرنا) ایک محسوس چیز میں مکابرہ کرنا ہے۔

طالب علم میں کسی قسم کا دعویٰ نہ ہونا چاہئے

(۸) اور طالب علم کی یہ شان بھی ہونی چاہیے کہ اس میں تکبر اور اپنے علم اور وسعت معلومات کا دعوی نہ ہو اور اس کو یہ جاننا چاہیے کہ جس قدر اس کا علم زیادہ ہوگا

اسی قدر آخرت میں اس پر حساب اور دھمکی بھی زیادہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ جس علم کی وجہ سے وہ تکبر کرتا ہے (حقیقت میں) وہ اس کا علم نہیں ہے (بلکہ دوسروں کا علم ہے) کیونکہ یہ تو محض دوسروں کی باتوں کو نقل کرنے والا ہے اور (حقیقت میں) انسان کا (اپنا) علم وہ ہے جس کی طرف کسی نے (اس سے پہلے) سبقت نہ کی ہو۔

بلکہ ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ کا (تو) یہ ارشاد ہے کہ جس شخص کا علم نقل سے مستفاد ہو وہ عالم نہیں ہے، بلکہ اس کی بابت یوں کہنا چاہئے کہ وہ ایک صاحب علم کا ساتھی ہے کیونکہ علم کے معنی کتاب کے حروف کے ساتھ قائم ہیں اور حروف کتاب کے ساتھ ساتھ ہیں (تو کتاب صاحب علم ہوئی اور یہ شخص کتاب کو دیکھ کر علم حاصل کرتا ہے تو یہ صاحب علم کا ساتھی ہوا خود عالم نہ ہو)۔

اور نیز شیخ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس علم میں صاحب علم کو شبہ پیش آسکے وہ علم نہیں ہے۔ بس علم اسی کو کہا جائے گا جو کہ ذوق (باطن) سے حاصل ہو۔

جب تم نے اس کو جان لیا تو (اب سمجھو کہ) تم تو علماء عارفین کے درجہ سے (بہت) دور ہو، پھر یہ وہم (وگمان) کیسے کرتے ہو کہ تم بھی عارفین میں داخل اور ان کے درجہ پر (پہنچے ہوئے) ہو، بلکہ تم تو صرف اس بات کے نقل کرنے والے ہو کہ فلاں نے یوں کہا اور فلاں نے یہ فتویٰ دیا، دوسرے (اس علم پر تکبر اور ناز اس لئے بھی نازیبا ہے کہ) قبر میں تمہارے ساتھ اس علم میں سے کچھ نہ جائے گا[1] یہ تو محض دنیا کے احکام ہیں کیونکہ آخرت میں ان احکام میں سے کچھ بھی نہ ہوگا اور علم (اصلی) کی شرط یہ ہے کہ وہ صاحب علم سے دنیا اور آخرت میں (کسی جگہ) جدا نہ ہو اور ایسا علم بجز خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے اسماء اور اس کے آداب اور اس کی مصنوعات کے آداب کے علم کے اور کوئی نہیں اور (اس کی دلیل یہ ہے کہ) تم اپنی نزع کی حالت میں غور کرو

---

[1] مطلب یہ ہے کہ محض ان مسائل کا جاننا وہاں کام نہ آئے گا ہاں اگر ان پر عمل کیا ہوگا تو وہ البتہ وہاں کام دیگا پس مسائل فقہیہ میں گفتگو اور بحث ومباحثہ سے زیادہ عمل کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ۱۲ مترجم

(اور دیکھو کہ کیا اس وقت تم کو ابواب البیوع اور احکام اقرار و دعوی کے سننے کی کچھ بھی رغبت ہوگی (ظاہر ہے کہ اس وقت ان مسائل کی طرف بالکل رغبت نہ ہوگی) ان میں مشغول ہونا تو بہت دور ہے، بلکہ بخدا وہ علم (جس کی طرف تم کو نزع کے وقت رغبت ہوگی) صرف یہی ہے کہ تم اس چیز کو جانو جس پر تم کو پہنچنا ہے اور تم کو ان باتوں کا انکشاف ہو جو آخرت میں نفع دینے والی ہیں اور اگر اس وقت کوئی تم سے یہ کہے کہ (سیدنا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دین میں سمجھ حاصل کرنے سے زیادہ افضل عبادت خدا کی کوئی نہیں۔ تو تم اس بات کی طرف التفات نہ کرو گے اور اس سے کہو گے کہ تیرا دل بے فکر ہے (اس لئے تجھ کو ان مسائل کی فرصت ہے) تو (عزیز من!) اللہ والوں کا حال (ہمیشہ) عمر بھر ویسا ہی رہتا ہے جیسا کہ جان نکلنے کے وقت تیرا حال ہوگا تو جس طرح تم اس وقت علم نحو و صرف و لغت میں مشغول نہ ہو گے (بلکہ خدا کی یاد میں لگنا چاہو گے) اسی طرح وہ (عمر بھر ان علوم میں مشغول نہیں ہوتے) کیونکہ ان کے سامنے ہمیشہ وہ (موت کی) حالت منکشف رہتی ہے، پس وہ اپنی عمر کو سب سے زیادہ نفیس ہی کام میں صرف کرتے ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

مخلوقات کے تمام علوم کو اولیاء اللہ کے دریائے علوم سے ایک قطرہ کی بھی نسبت نہیں ہے

اور جاننا چاہئے کہ مخلوق کے پاس جس قدر علوم ہیں ان کو اولیاء اللہ کے دریائے علوم سے ایک قطرہ کی بھی نسبت نہیں جیسا کہ ہماری کتاب "تنبیہ الاغنیاء علی قطرة من بحور علوم الاولیاء" سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے اور میں ان (علوم) کا ذوق حاصل کرنے سے پہلے یہ سمجھا کرتا تھا کہ علم تو بس علم ظاہر اور منقول ہی ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے معانی قرآن و حدیث کے متعلق مجھ پر بعض علوم (باطن) منکشف فرمائے تو اس وقت میں نے اندازہ کیا کہ جو علم لوگوں پر ظاہر ہوا ہے وہ تو ایسا

ہے جیسے بحر محیط کے سامنے ایک قطرہ[۱] "فللّٰہ الحمد۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا"[۲] اور تم کو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

اور حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ ہے" اقدران استخرج وقر بعیر من العلوم من معنی الباء بین"۔[۳] (بسم اللہ کی) با کے معنی اونٹ کے بوجھ کے برابر علوم نکال سکتا ہوں، پس (علم باطن کی وسعت کو خوب) سمجھ لو۔

دل جب ناپاکیوں سے پاک ہوتا ہے تو علم منکشف ہوتا ہے

(۹) اور طالب علم کی شان اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کے ادب کی حالت یہ ہونی چاہئے کہ جب وہ کسی کلام کو پڑھے خواہ قرآن ہو یا حدیث یا ان کے سوا (اور کچھ) اور حق تعالیٰ اسی پڑھنے کے وقت اس کی (سمجھ اور) فہم عطا نہ کریں تو اس کو چاہیے کہ اس (مقام) کو چھوڑ کر دوسری بات کی طرف متوجہ ہو اور جو بات سمجھ میں نہیں آئی ہے) اس میں غور وفکر کرنے کے لئے نہ ٹھہرے کیونکہ (اس کا) دل (ابھی غیر خدا کے ساتھ) مشغول ہے اس لئے اس کی صفائی کی ضرورت ہے کیونکہ جو دل ناپاکیوں

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ علم ظاہر سے احکام شرعیہ کے اسرار بہت کم معلوم ہوتے ہیں علم اسرار اہل باطن ہی کو نصیب ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ علم اسرار سے کوئی نیا حکم ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ حلال وحرام کا علم پوری طرح ظاہر ہو چکا البتہ علم اسرار سے احکام شرعیہ کے راز بہت کچھ معلوم ہو جاتے ہیں جن کے متعلق علامہ پہلے فرما چکے ہیں کہ بندہ کو ان کے درپے نہ ہونا چاہیے کیونکہ بدون علت معلوم کئے عبادت کرنا زیادہ افضل ہے اور جن عارفین پر اسرار شریعت منکشف ہوئی ہے منجانب اللہ خود ہی منکشف ہوئے ہیں وہ ان کے درپے نہ ہوئے تھے ۱۲مترجم۔

[۲] الاسرائیل: ۸۵

[۳] مترجم کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بسند صحیح میری نظر سے نہیں گذرا موضوع معلوم ہوتا ہے ۱۲منہ۔

سے خالی ہوا کرتا ہے وہ کسی بات کے سمجھنے میں توقف نہیں کیا کرتا۔

اور جس وقت میں علوم فقہیہ (کی تحصیل) میں مشغول تھا اس وقت (کبھی کبھی) بعض احکام کی علتوں اور فرق کے سمجھنے میں رک جایا کرتا تھا تو میں ان کے متعلق ایک امی (ان پڑھ درویش) سے سوالات کیا کرتا تھا جو کہ الف ب کے نام بھی نہ جانتا اور مزدوری کیا کرتا تھا تو وہ ان کے بارے میں مجھے بہت اچھے اچھے جوابات دیا کرتا تھا جن سے اشکال (بالکلیہ) زائل ہو جاتا۔ اور بعض دفعہ میں نے ان جوابات کو اپنے شیخ سیدی زکریا رحمہ اللہ سے بھی ذکر کیا تو انہوں نے بھی ان کو پسند کیا اور اپنی کتابوں خصوصاً بخاری کی شرح میں ان کے لاحق کرنے کا حکم فرمایا۔

پس معلوم ہوا کہ ایک امی (جاہل) شخص جو کہ علم ظاہر اور منقول میں کبھی مشغول نہ ہوا ہو کشف اسرار کے زیادہ قریب ہے بہ نسبت اس فقیہ اور متکلم کے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے۔ اور اس کی وجہ ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے موافق یہ ہے کہ چونکہ مؤثر (حقیقی) حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں (اس لئے حق تعالیٰ پر کسی کے علم وعقل کا حکم نہیں چل سکتا) اور یہ فقہ وعلم کلام جاننے والے دربار الٰہی میں اپنے علم وعقل کی) میزان کو ساتھ لے کر داخل ہونا چاہتے ہیں تا کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں اس میزان سے کام لیں اس لئے وہ (دربار الٰہی سے) واپس کر دئے جاتے ہیں اور (افسوس ہے کہ) یہ لوگ اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ نے ان کو یہ (علم وعقل کی) میزان صرف اس لئے عطا فرمائی ہے کہ اس سے خدا کے لئے (اس کے دشمنوں سے مقابلہ میں) کام لیں نہ کہ خود خدا کے مقابلہ میں اس سے کام لیں (کہ جو احکام ان کی عقل کے موافق ہوں ان کو تو تسلیم کریں اور جو بات شریعت کی ان کی عقل میں نہ آئے اس کو نہ مانیں) پس (چونکہ) یہ لوگ ادب سے محروم ہیں اس لئے ان کو علم لدنی کشفی سے جاہل رہنے کی سزا دی گئی تو یہ دونوں قسم کے لوگ اپنے طریقہ میں بصیرت پر نہیں ہیں، پھر اگر یہ شخص کامل العقل ہوا جس کو ایسی صورت پیش آئی ہے تو وہ سمجھ جائے گا کہ یہ (وبال) اس

پر کہاں سے (اور کس وجہ سے) آیا ہے (اور اگر کم عقل ہوا تو اس کو یہ بھی نہ معلوم ہوگا کہ علم لدنی سے محروم رہنا وبال ہے۔

پس (اگر دربار الٰہی میں داخل ہونا چاہتے ہو تو اپنے علم کے ترازو میں آگ لگا دو اور اس کو مٹا کر پھر دربار کا ارادہ کرو، چنانچہ بعض عارفین تو اپنے (علم کی) میزان کو دروازہ پر چھوڑ کر دربار (الٰہی) میں داخل ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ (نسبت مع اللہ سے کامیاب اور واصل ہو کر) وہاں سے نکلتے ہیں تو اس (میزان) کو پھر سے لیتے ہیں تا کہ اب خدا کے واسطے اس سے کام لیں اور ان کی حالت ان لوگوں سے اچھی ہے جو اس (میزان علم) کو ساتھ لے کر دربار میں داخل ہوتے ہیں اور سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اپنے (علم کی) ترازو کو توڑ پھوڑ[1] کر جلا دے یا پگھلا دے یہاں تک کہ وہ میزان کہلانے کے بھی قابل نہ رہے (اور اس کا ذہن تمام علمی باتوں سے خالی ہو جائے)۔

[1] جاننا چاہیے کہ نسبت مع اللہ اور وصول الی اللہ کے لئے ابتدا میں یکسوئی کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہر میں بھی خلق سے علیحدگی اختیار کرنا پڑتی ہے اور باطن میں بھی خیالات وخطرات کا قطع کرنا اور خدا کی طرف دل ودماغ کا ہمہ تن یکسو ہونا ضروری ہے، چونکہ اہل علم کا دماغ علمی مذاق کی وجہ سے اکثر اوقات کام کرتا رہتا ہے اور ان کے ذہن میں علمی مضامین چکر لگاتے رہتے ہیں اس لئے ان کو طریق میں پوری یکسوئی نصیب نہیں ہوتی تو اس پر احوال وکیفیات وواردات کا ورود بھی کم ہوتا ہے اور علم لدنی کشفی بھی کم نصیب ہوتا ہے اکثر عارف امی کو یہ دولت جلدی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے علامہ شعرانی اہل علم کو وصیت فرماتے ہیں کہ طریق میں داخل ہونے سے پہلے اپنے لفظی اور کتابی علم کو مٹا دو تا کہ صاف تختی پر باطنی علوم اچھی طرح لکھے جا سکیں کیونکہ ظاہر ہے کہ جس تختی پر پہلا لکھا ہوا موجود ہے اس پر دوبارہ نہیں لکھا جا سکتا۔

حضرت حکیم الامت سے ایک صاحب نے درخواست کی کہ میں مثنوی پڑھنا چاہتا ہوں آپ نے پوچھا کہ اب تک کیا پڑھا ہے؟ کہنے لگے کہ درسیات کچھ باقی ہیں فرمایا کہ ابھی تو آپ کو دو کام کرنے باقی ہیں ایک علم درسی کو ختم کرنا، پھر اس سارے علم کو مٹا دینا اس کے بعد آپ مثنوی پڑھنے کے قابل ہوں گے یہ بات اہل ظاہر کی سمجھ میں نہیں آتی، مگر جس کو طریق کا ذوق کچھ بھی حاصل ہے وہ اس کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ واللہ اعلم مترجم ۱۲

اور امام غزالی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں علم منقول سے فارغ ہو چکا اور قوم صوفیہ کے طریقہ پر میں نے چلنا شروع کیا تو میں نے خلوت (اور تنہائی) اختیار کی اور اپنے آپ کو نظر وفکر (اور تمام علمی خیالات سے) خالی کر لیا اور چالیس دن تک ذکر (اور شغل) میں مشغول رہا پھر میں نے (اپنے جی میں) کہا کہ اب مجھے بھی کسی قدر وہ بات حاصل ہوگئی ہے جو قوم صوفیہ کو حاصل ہوتی ہے مگر جب میں نے غور کیا تو (معلوم ہوا کہ) میرے نفس میں تو قوت فقہیہ اسی طرح موجود ہے جیسے پہلے تھی (کچھ بھی فرق نہیں ہوا) تو میں نے دوبارہ اور سہ بارہ پھر (خلوت اختیار کی اور ذہن کو تمام علوم سے اسی طرح (خالی) کر دیا مگر میری وہی (پہلی سی) حالت رہی اور مجھے اس قوم کے احوال سے کچھ بھی ذوق حاصل نہ ہوا۔ تو اس وقت میں سمجھا کہ تختی کے اوپر سے پہلی کتابت کو) مٹا کر لکھنا اس کتابت کے برابر نہیں ہے جو کہ پہلی صفائی اور پاکیزگی کی حالت میں کی جائے اور یہ بھی معلوم ہوا) کہ مصنوعی رطب قدرتی پکے ہوئے پھل کے برابر نہیں ہوسکتا۔ انتہی

اور جاننا چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے سے کام لینا منظور ہوتا ہے تو جس علم کے سمجھنے میں اس کو رکاوٹ ہوتی ہے وہ اس کو خود سمجھا دیتے ہیں۔ کیونکہ ہمیشہ ہر چیز کا جاننا اس پر عمل کرنے سے مقدم ہے ورنہ جو چیز معلوم ہی نہیں اس پر عمل کیونکر ہوسکتا ہے اور علم سے حق تعالیٰ کا مقصود محض اس کا سمجھ لینا اور معانی کلام کا احاطہ کر لینا ہے بلکہ صرف عمل اور عمل کے ذریعہ سے محل علم (یعنی دل) کو پاک کرنا اصل مقصود ہے۔ پس سمجھ لو کہ جو بات انسان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے اس پر عمل کرانا اس شخص کے لئے حق تعالیٰ کو منظور نہیں ہے)۔

مفتی درویش کی بات کو انکار کرنے میں جلدی نہ کرے

(۱۰) اور اس کی شان یہ بھی ہونی چاہئے کہ جب کسی درویش کی کسی ایسی

بات کی بابت اس سے استفتاء کیا جاوے جس کا ادراک ذوق (صحیح) ہی سے ہو سکتا ہے (اور جو لوگ ذوق سے محروم ہیں وہ اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے) تو مفتی انکار میں جلدی نہ کرے بلکہ حتی الامکان درویش کے اوپر سے (جاہلوں کا) الزام دور کرنے کی کوشش کرے۔ شیخ الاسلام زکریا اور شیخ عبدالرحیم ابناسی رضی اللہ عنہما کی یہی شان تھی لیکن اگر درویش کی اس بات سے ظاہر شریعت میں مفسدہ لازم آتا ہو تو مفتی صاف صاف فتوے دے اور درویش پر ملامت بھی کرے (اور تاویل کی کوشش نہ کرے) کیونکہ ایسی بات کہنے والا ناقص ہے وہ مقتدا ہونے کے قابل نہیں اور (ناقصوں کی حمایت ضروری نہیں بلکہ) شریعت کی نصرت اس کے ادب سے زیادہ ضروری ہے بخلاف اولیاء کاملین کے جیسے ابو یزید بسطامی اور شیخ عبدالقادر گیلانی رضی اللہ عنہما (جن کی ولایت پر اتفاق ہو چکا ہے) ان کے کلام کی تاویل جہاں تک ہو سکے کرنی چاہئے۔

ایک مرتبہ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے سبحان اللہ کہا تھا تو حق سبحانہ نے باطن میں (بطور القاء کے) ان سے فرمایا کہ کیا میرے اندر کوئی نقص ہے جس سے تم مجھ کو پاک کر رہے ہو انہوں نے عرض کیا نہیں اے پروردگار (آپ میں کوئی نقص نہیں) حق تعالیٰ نے فرمایا کہ پس تم اپنے آپ کو پاک کرو۔ چنانچہ وہ اپنے تزکیہ باطن میں مشغول ہوئے حتی کہ جب کوئی بات خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ان میں باقی نہ رہی تو اس وقت ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا سبحانی (میں پاک ہوں جس پر لوگوں نے بہت کچھ انکار کیا۔) مگر جو لوگ خدا تعالیٰ کے کلام میں باوجود اس کے کمال کے تاویلیں کرتے رہتے ہیں ان سے تعجب ہے کہ وہ ایک انسان کے کلام میں باوجود اس کے عجز و نقص کے کیوں تاویل نہیں کرتے اس کو (خوب) سمجھ جاؤ۔

اپنے امام کی بیجا طرفداری کو ترک کر دے

(۱۱) اور اس کی شان یہ بھی ہونی چاہئے کہ جب اپنے امام کی دلیل کا ضعف

اور دوسرے امام کی دلیل کی صحت معلوم ہو جائے تو اپنے امام کی (بے جا) طرف داری (وحمایت وتعصب) کو ترک کردے کیونکہ اس کے امام نے یہ نہیں کہا کہ تم میری ہر بات میں تقلید کیا کرو کیونکہ امام کو یہ بات معلوم ہے کہ میں خطا سے معصوم نہیں ہوں چنانچہ امام دار الہجرۃ امام مالک رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہر شخص کے کلام میں سے کچھ لیا جاتا ہے اور کچھ رد کر دیا جاتا ہے بجز اس قبر میں تشریف رکھنے والے کے (مراد رسول اللہ ﷺ ہیں) اور اسی طرح امام شافعیؒ نے بھی (ہر بات میں) اپنی تقلید اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے جیسا کہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے اول مختصر میں اس کی تصریح کی ہے اور واقع میں حق تعالیٰ کے قول "فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منه"[1] کی تفسیر میں کہا ہے کہ حق امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ہے (تیمّم کے مسئلہ میں) بوجہ قید منہ کے حالانکہ اس قائل کا مذہب یہ ہے کہ تیمّم کرنا اس پتھر پر جائز ہے جس پر غبار کچھ نہ ہو۔

[1] المائدہ : ٦

ف خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تیمّم میں ہاتھ کو غبار لگنا شرط نہیں، بلکہ صاف چکنے پتھر سے بھی تیمّم جائز ہے لیکن بعض حنفیہ نے آیت "فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منه" میں لفظ منہ کی وجہ سے امام شافعیؒ کے قول کو حق بتلایا ہے ان کا مذہب یہ ہے کہ بدون ہاتھ کو غبار لگے ہوئے تیمّم درست نہیں اور بظاہر آیت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ ہاتھ کو مٹی لگنی چاہئے کیونکہ "فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منه" کا ترجمہ یہ ہے کہ پس مل لو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو اس زمین سے۔ حنفیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس جگہ دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مِن تبعیضیہ ہو، دوسرے یہ کہ مِن ابتدائیہ ہو۔ صورت اول میں مٹی کا ہاتھ کو لگنا شرط ہوگا اور دوسری صورت میں نہیں کیونکہ مِن ابتدائیہ مان لینے کے بعد معنی یہ ہوں گے کہ مسح زمین سے شروع ہو جاتا ہے خواہ مٹی ہاتھ کو لگے یا نہ لگے جب آیت میں دونوں احتمال ہیں تو اب اس کی تفسیر احادیث سے معلوم کرنی چاہیے پس مسلم میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال النبی ﷺ انما کان یکفیك ان تضرب بیدك الارض ثم تنفخ فیھما ثم تمسح بھما وجھك۔ الحدیث (ص ۱٦۱ ج ۱)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بس تم کو اتنا کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارتے پھر ان میں پھونک مار دیتے پھر ان کو اپنے چہرے پر مل لیتے۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے فقال انما کان

پس حق تعالیٰ اس امت پر رحم فرمائے کہ اس کو دین کا کس قدر اہتمام ہے اور اس کو کس انتظام سے ضبط کیا ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور دوسرے موقع میں فرمایا ہے کہ جب تم میرے کلام کو سنت کے خلاف دیکھو تو سنت پر عمل کرو اور میرے کلام کو اس دیوار پر دے مارو۔ پس حقیقت میں مذہب شافعی کوئی مستقل مذہب نہیں، بلکہ وہ سرتاپا خالص شریعت کا نام ہے۔ پس جو دلیل امام شافعی کے سوا کسی دوسرے امام کے پاس صحیح ہو اور امام شافعی کو وہ صحیح طور پر نہ پہونچی ہو تو ان کے ارشاد کے موافق ان کا مذہب وہی ہوگا (جو اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے) پس طالب علم پر خدا تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام ہے کہ وہ ہر فعل میں حدیث کا متبع ہو۔

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ تم کو میرے قول پر فتویٰ دینا اس وقت تک حرام ہے جب تک تم میری دلیل کو نہ معلوم کر لو[1] اس سے معلوم ہوا کہ ایسے مسائل میں (جن کی بابت امام صاحب کی دلیل معلوم نہ ہو) امام کی طرف داری کرنے والا اپنے امام کا مخالف ہے اور اس

(**بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ**) یکفیك ان تصنع هكذا و ضرب بكفه ضربة على الارض ثم نفضها ثم مسح بها ظهر كفيه الخ (عینی شرح البخاری ص ۱۷۰ ج ۲) حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم کو اتنا کافی تھا کہ اس طرح کر لیتے پھر حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ کو زمین پر ایک مرتبہ مارا اس کو جھاڑ دیا پھر اس کو اپنے ہاتھوں پر پھیرا الخ اس سے قولاً وعملاً یہ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے مٹی کے جھاڑنے کا حکم بھی فرمایا ہے اور خود بھی اس کو جھاڑ دیا جس سے معلوم ہوا کہ مٹی کا ہاتھ کو لگنا تیمم میں شرط نہیں اگر شرط ہوتا تو آپ نہ خود اس کو جھاڑتے نہ اس کا امر فرماتے ان احادیث سے "فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه" میں من ابتدائیہ کو ترجیح ہوتی ہے ۱۲ مترجم۔

[1] کیونکہ امام صاحب کے شاگرد اکثر خود بھی مجتہد تھے اور مجتہد کو مجتہد کی تقلید حرام ہے، بلکہ اس پر دلیل کا اتباع واجب ہے ۱۲ مترجم

کے امام کی گردن پر اس کا کچھ بوجھ نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کچھ ضروری نہیں کہ مقلد امام کے کلام سے جو کچھ سمجھا ہے یقیناً وہی اس کی مراد ہو (بلکہ ممکن ہے کہ مقلد نے امام کے قول کا مطلب غلط سمجھا ہو) اور اسی لئے مجتہدین کے کلام کا مطلب سمجھنے میں راستے مختلف ہو گئے ہیں اور جس نے دلیل اور قواعد کو چھوڑ دیا اس نے غلطی کی، اسی لئے ہمیشہ مقلدین ایک دوسرے کو خطا پر بتلاتے رہتے ہیں اور اگر ان سب کی دلیل صحیح ہوتی تو ایک دوسرے کو خاطی کہنے کی ہرگز انہیں گنجائش نہ ملتی۔

پس (عزیز من! تعصب سے بچو اور جان لو کہ اہل حق کے نزدیک تمام مجتہدین کے تمام مذاہب ایک ہی مذہب کے حکم میں ہیں وہ اپنی وسعت نظر کے سبب ان میں کچھ بھی اختلاف نہیں دیکھتے کیونکہ وہ اس چشمہ کا مشاہدہ کر رہے ہیں جس سے مجتہدین نے فیض لیا ہے، وہ ایک ہی چشمہ ہے اور سب کا ایک ہی گھاٹ ہے۔ پس سب مجتہدین ایک ہی راستہ میں داخل ہیں اور الحمدللہ ہم کو اس حالت کا ذوق حاصل ہو چکا ہے۔

پس اہل حق کو مذاہب مشہورہ میں سے کسی خاص مذہب کے ساتھ مقید ہونے کا امر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تمام مذاہب انہی کے باطن سے (نکلے) ہیں اور یہ ایسی بات ہے جس کا عارفین کو ذوق حاصل ہے۔ پس ان کا ذوق تمام مجتہدین کے ذوق کے برابر ہے بدون آلات اجتہاد کی تحصیل کے اس لئے وہ اپنے مشاہدہ سے راستہ کو اس سے زیادہ وسیع سمجھتے ہیں کہ ایسے شخص کے مذہب سے مقید رہیں جو انہی کے علوم میں سے بعض باتیں بیان کر رہا ہے اور جو شخص ان کی حالت سے ناواقف ہے وہ بطور مذمت کے ان پر یہ الزام لگاتا ہے کہ یہ لوگ کسی مذہب میں مقید نہیں اور یہ شخص معذور ہے کیونکہ (وہ ان کی حالت رفیعہ سے ناواقف ہے اور عارفین بھی مجبور ہیں کیونکہ) ان کو من جانب اللہ یہ جائز نہیں کہ وہ اعلیٰ درجہ پر قدرت رکھتے ہوئے ادنیٰ درجہ کی طرف نزول کریں۔

شریعتِ صحیحہ ایک آسان شریعت ہے

اور شریعت صحیحہ ایک آسان شریعت ہے جس میں نہ مشقت ہے نہ تنگی نہ

پریشانی۔ پس علماء راسخین ان تمام اقوال کو جو (مختلف) مذاہب میں مذکور ہیں مثل ایک مذہب کے مشاہدہ کرتے ہیں وہ تمام اقوال ان کے نزدیک مختلف احوال پر محمول ہیں جیسا کہ بعض دفعہ حضور ﷺ نے ایک ہی سوال کے متعلق مختلف جوابات (مختلف اوقات میں) دیئے ہیں چنانچہ جس شخص نے احادیث کا تتبع کیا ہے وہ اس بات کو (خوب) جانتا ہے (اور ناواقف آدمی کو اس سے بڑا اخلجان ہوتا ہے کہ ایک ہی سوال کے متعلق یہ مختلف جوابات کیسے ہیں؟ مگر اشکال کچھ بھی نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے مختلف حالات کے اعتبار سے یہ جوابات ارشاد فرمائیں ہیں پس ایک جواب ایک حالت کے مناسب ہے اور دوسرا جواب دوسری حالت کے۔ خوب سمجھ لو) اور اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے "امرت ان اخاطب الناس علی قدر عقولهم"[1] مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے ان کی عقل وفہم کے موافق خطاب کیا کروں چنانچہ عنقریب اس کا ذکر آوے گا۔[2] جب تم یہ بات سمجھ گئے تو اب ان مذاہب میں تناقض اور اختلاف وہی سمجھے گا جو ان علماء کے درجہ تک نہیں پہنچا جو شریعت کے اسرار کو سمجھنے والے ہیں رضی اللہ عنہم۔

---

[1] دیکھئے کنز الاعمال ج ۱۰: ص ۲۴۲، حدیث ۲۹۲۸۲۔ مرتب

[2] اس مقام کے متعلق چند ضروری فوائد قابل بیان ہیں۔

ف علامہ شعرانی نے یہ فرمایا ہے کہ عالم کو جب اپنے امام کی دلیل کا ضعف اور دوسرے امام کی دلیل کی صحت معلوم ہو جائے تو اس کو اپنے امام کی بے جا حمایت اور طرف داری تعصب کی بنا پر نہ کرنی چاہئے۔

بحمد اللہ ہمارے اکابر کا اسی پر عمل ہے لیکن اس میں قدرے تفصیل ہے وہ یہ کہ جس مسئلہ میں اپنے امام کے پاس محض قیاسی دلیل ہو کوئی نص قرآنی یا حدیث نہ ہو نہ اقوال وافعال صحابہ اس کے موید ہوں اور دوسرے امام کے پاس حدیث صحیح صریح موجود ہو اس مسئلہ میں اپنے امام کے قول کو چھوڑ دینا چاہئے، چنانچہ ایسے مسائل بکثرت ہیں جن میں حنفیہ نے امام صاحب کے قول کو ترک کر کے صاحبین کے قول کو اختیار کیا ہے اور بعض مسائل میں شافعیہ ومالکیہ کے قول کو بھی فتوے کے لئے اخذ کیا گیا ہے اور جس مسئلہ میں اپنے امام کے پاس بھی کوئی نص یا حدیث موجود ہو یا اقوال وافعال صحابہ سے اس کی تائید ہوتی ہو اور دوسرے امام

کسی قائل کی مراد کو حصر کے ساتھ بیان نہ کریں

(۱۲) طالب علم کی یہ بھی شان ہونی چاہئے کہ کسی قائل کی مراد کو حصر کے ساتھ بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے پاس بھی حدیث یا اقوال وافعال صحابہ موجود ہوں ایسے مسئلہ میں اپنے امام کے قول کو ترک نہیں کیا جاتا اور نہ دوسری احادیث کو رد کیا جاتا ہے، بلکہ انہیں مناسب تاویل کی جاتی ہے جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو۔

آج کل بعض لوگوں کو حنفیہ کے متعلق یہ بدگمانی ہے کہ وہ حدیث کے موجود ہوتے ہوئے اس پر عمل نہیں کرتے، بلکہ اپنے امام کے قول پر جمے رہتے ہیں باوجودیکہ وہ حدیث کے خلاف ہوتا ہے مگر اس بدگمانی کا منشاء محض عدم تتبع اور احادیث میں تامل نہ کرنا ہے، چنانچہ انشاء اللہ کتاب " اعلاء السنن " سے جو مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں مدون ہورہی ہے اور اس کے دو حصے اس وقت زیر طبع ہیں اس خیال کی غلطی واضح ہوجائے گی۔ جن مسائل میں حنفیہ کا قول کسی ایک حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے وہاں ان کے پاس دوسری حدیث یا کوئی نص قرآنی ضرور ہوتی ہے یا اقوال وافعال صحابہ سے ان کی تائید ہوتی ہے۔

اور حنفیہ کا یہ اصول ہے کہ جب صحابہ کے اقوال وافعال کسی حدیث کے خلاف پائے جائیں تو یہ اس کے منسوخ یا مؤول ہونے کی دلیل ہے کیونکہ احادیث میں ناسخ ومنسوخ کا وجود بکثرت ہے جس کا انکار کوئی نہیں کرسکتا اور صحابہ سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی حدیث صریح غیر منسوخ کے خلاف عمل کریں اس لئے بعض مسائل میں حنفیہ نے اجلہ صحابہ کا عمل حدیث مرفوع کے خلاف دیکھ کر حدیث میں تاویل مناسب کر کے عمل صحابہ کے موافق فتوی دیا ہے۔ **فهم اعرف بطرز رسول الله ﷺ وطريقه۔**

رہا یہ کہ بعض مسائل میں حنفیہ حدیث ضعیف پر عمل کرتے ہیں اور دوسری جانب حدیث صحیح ہوتی ہے اس کے متعلق یہ گذارش ہے کہ حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا مدار دراصل ذوق مجتہد پر ہے کیونکہ اولا جو اصول تصحیح وتضعیف حدیث کے متعلق مقرر کئے گئے ہیں وہ اکثر اجتہادی ہیں جن میں ایک مجتہد کو دوسرے سے اختلاف ہوسکتا ہے چنانچہ مرسل ومنقطع کا حجت نہ ہونا یا اقوال صحابہؓ کا حجت نہ ہونا خود مختلف فیہ ہے۔ دوسرے علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں اس کی تصریح کی ہے کہ متاخرین کو کسی حدیث کی سند صحیح یا ضعیف دیکھ کر اس حدیث کو صحیح یا ضعیف کہہ دینے کا حق نہیں کیونکہ بعض احادیث کی سند صحیح ہوتی ہے حالانکہ درحقیقت وہ واہی

کرنے سے بچے (یعنی کبھی یہ دعوی نہ کرے کہ متکلم کی مراد اس کلام سے یہی ہے جو میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (یعنی کمزور) ہوتی ہے اور بعض احادیث کی سند ضعیف ہوتی ہے لیکن عمل اسی کے موافق ہوتا ہے۔اھ۔

نیز جو لوگ احادیث پر نظر رکھتے ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں کہ رواۃ حدیث کی عدالت وغیرہ میں محدثین کے اقوال کس درجہ مختلف ہوتے ہیں، بخاری اور مسلم کی صحیحین میں بھی باوجود ان کے غایت اہتمام کے بعض راوی ایسے موجود ہیں جن میں بعض محدثین کو سخت کلام ہے لیکن پھر شیخین نے ان راویوں کی احادیث کو صحیحین میں کیوں داخل کیا محض اس لئے کہ ان کے ذوق میں وہ حدیث صحیح ہے اور ان کے زعم میں وہ راوی قابل ترک نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا مدار مجتہدین ومحدثین کے ذوق پر ہے اسی لئے بعض دفعہ ایک حدیث کی تصحیح وتضعیف میں اقوال مختلف ہوجاتے ہیں۔

نیز امام ترمذی کی عادت ہے کہ وہ بعض دفعہ ایک حدیث کو سند کے لحاظ سے ضعیف بتلا کر فرمادیتے ہیں والعمل علیہ عند اہل العلم۔کہ اہل علم کا عمل اسی کے موافق ہے، حافظ سخاوی نے ''مقاصد حسنہ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گو سند کے لحاظ سے یہ حدیث ضعیف ہے مگر حقیقت میں صحیح ہے کیونکہ فقہاء کا عمل اسی کے موافق ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ صحت وضعف کا مدار محض روایات پر نہیں ہے۔

نیز جن حضرات نے احادیث موضوعہ کا تتبع کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ بعض دفعہ محدث کسی حدیث کے موضوع ہونے کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ھذا حدیث موضوع ولا ادری من الآفة فیه ۔ یہ حدیث موضوع ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ اس میں سبب آفت کون سا راوی ہے۔یعنی ظاہر میں کوئی راوی ضعیف یا وضاع نہیں معلوم ہوتا لیکن پھر بھی وہ بے دھڑک فرمادیتے ہیں کہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اس کا مضمون قواعد شرعیہ کے خلاف ہوتا ہے جس کو دیکھ کر صاحب ذوق سمجھ جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ مضمون نہیں نکل سکتا۔

حاکم اپنی مستدرک میں بعض احادیث کو صحیح الاسناد فرماتے ہیں اور حافظ ذہبی کہتے ہیں ''لا واللہ بل موضوع''، نہیں بخدا یہ تو موضوع ہے۔آخر اس اختلاف کا منشاء وہی ہے کہ حاکم کے نزدیک اس کے سب

کہتا ہوں) خواہ وہ کلام رسول اللہ ﷺ کا ہو یا علماء یا اولیاء کا کیونکہ دوسرے کی مراد کو ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) راوی ثقہ ہیں اور حافظ ذہبیؒ کے نزدیک کوئی راوی قابل اعتبار نہیں یا حاکم کے نزدیک مضمون حدیث اس قابل ہے کہ اس کو مان لیا جاوے اور حافظ ذہبی کے نزدیک وہ مضمون اس قابل نہیں کہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکل سکے۔

اس تمام تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ درحقیقت حدیث کی صحت وسقم کا مدار محض سند پر نہیں گو سند سے تائید ضرور مل جاتی ہے مگر حقیقت میں اس کا مدار ذوق مجتہد پر ہے اور حنفیہ کا دعوی ہے کہ ذوق حدیث امام ابوحنیفہ کا بہت زیادہ حاصل ہے ان کی فہم وفراست وشان تفقہ وتبحر علمی پر محدثین وفقہاء سب کو اتفاق ہے لہٰذا جس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کی جانب حدیث ضعیف ہو وہاں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امام کے ذوق میں یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ امام بخاری ومسلمؒ نے بعض ضعفاء کی روایتیں صحیحین میں داخل کر دی ہیں جن کی بابت یہی کہا جاتا ہے کہ گو ان کے راوی بعض محدثین کے نزدیک ضعیف یا کذاب ہیں مگر شیخین کے ذوق میں فی الواقع حدیث صحیح تھی اس لئے اس کو صحیح میں بیان کر دیا، اسی لئے حنفیہ کا اصول ہے ''استدلال المجتہد بحدیث تصحیح لہ'' مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس کی تصحیح ہے۔

پس حنفیہ حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے ضعیف پر عمل نہیں کرتے بلکہ جس پر وہ عمل کرتے ہیں ان کے مجتہدین کے ذوق میں وہ حدیث صحیح ہے گو سند کے لحاظ سے ضعیف ہو مگر اسی کے ساتھ حنفیہ اپنے امام کی طرح دیگر مجتہدین کے ذوق کو بھی قابل اعتبار سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ شافعیہ ومالکیہ اور حنابلہ سب کو حق پر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے ائمہ کے ذوق اجتہاد کو صحیح سمجھ کر ان کے اقوال پر عمل کر رہے ہیں۔

اور یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جو لوگ عمل بالحدیث کے مدعی اور تقلید کے مخالف ہیں وہ بھی حقیقت میں تقلید سے بچ نہیں سکتے اگر ان کو عدم تقلید کا دعوی ہے تو برائے مہربانی کسی حدیث کا صحیح یا ضعیف ہونا بدون کسی امام کی تقلید کے وہ ثابت کر دیں بلکہ میں ترقی کر کے یہ کہتا ہوں کہ وہ بدون تقلید کے کسی حدیث کا حدیث ہونا بھی ثابت نہیں کر سکتے یقیناً وہ امام بخاریؒ کا قول بیان کریں گے یا امام مسلم کا یا ترمذی ونسائی کا یا ابن ماجہ وابوداؤد کا یا حافظ ابن حجر وشوکانی کا یا کسی اور محدث کا۔

اس پر ہم ان سے یہ سوال کریں گے کہ جب تم تقلید کے منکر ہو تو ان حضرات کا نام کیوں لیتے

معنی میں منحصر کر کے بیان کرنے کا انجام زیادہ تر یقیناً خطا (وغلطی) میں مبتلا ہونا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اوران کی تقلید حدیث کی صحت وسقم میں کس لئے کرتے ہو۔ کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حدیث کے صحیح وضعیف ہونے کا مدار محض سند پر نہیں بلکہ اس میں ذوق کو بھی بہت بڑا دخل ہے، اسی طرح رواۃ کی عدل وجرح کا مدار بھی ذوق محدث پر ہے ایک راوی میں دس آدمی جرح کرتے ہیں لیکن بخاری ومسلم ان کی احادیث کو صحیحین میں داخل کرتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ صحت وسقم حدیث کے بارے میں غیر مقلدین بھی کسی نہ کسی کی تقلید کرتے ہیں پھر وہ مقلدین پر کسی امام کی تقلید کی وجہ سے کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ آخر یہ کیسے معلوم ہوا کہ امام مسلم و بخاری کی تقلید تو جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ وشافعیؒ کی تقلید جائز نہیں۔ تم کہتے ہو کہ بخاری ومسلم حدیث کو زیادہ جانتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ حدیث کو زیادہ سمجھتے ہیں۔ محدثین محض الفاظ وسند کے ناقل ہیں اور ائمہ مجتہدین اس بات کو ان سے زیادہ جانتے ہیں کہ کون سی حدیث رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہے اور کون سی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نہیں نکل سکتی۔ الغرض عمل بالحدیث بدون تقلید کے ہرگز نہیں ہو سکتا چاہے بخاری ومسلم کی تقلید کی جائے یا ابوحنیفہؒ وشافعیؒ کی۔

رہا غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہؒ حدیث سے ناواقف تھے یا ان کو حدیثیں کم پہنچی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حاسدین کے ایسے اعتراضات سے کوئی بڑے سے بڑا محدث بھی نہیں بچا۔ امام بخاریؒ کو بھی بعض لوگوں نے ان کے زمانہ میں مبتدع ومعتزلی وغیرہ کیا کیا کچھ کہا ہے حتی کہ بے چارے اپنے وطن سے جلاوطن کئے گئے اگر امام محمد بن یحییٰ ذہلی جیسے محدث کی جرح امام بخاری کے جلالت شان کو کم نہیں کر سکتی تو حاسدوں کے ایسے جاہلانہ اقوال امام صاحبؒ کی عظمت شان پر کیا دھبہ لگا سکتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

ف۲: علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے اس مقام پر شریعت کے جس چشمہ کا ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل کتاب المیزان میں اس طرح فرمائی ہے:

ان اللّٰہ لمامن علی بالاطلاع علی عین الشریعۃ رأیت المذاھب کلھا متصلۃ بھا ورأیت مذاھب الائمۃ الاربعۃ تجری جداولھا کلھا ورأیت جمیع المذاھب التی اندرست قد استحالت حجارۃ۔ ورأیت

کیونکہ وسعت طریق کی وجہ سے دو شخص کبھی ایک ذوق اور ایک درجہ میں متفق نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اطول الائمہ جدو لاالامام ابو حنیفة ویلیه الامام مالك ویلیه الامام الشافعی ویلیه الامام احمدبن حنبلؒ واقصر هم جدولامذهب الامام داؤد وقد اندرس فی القرن الخامس فاولت ذلك بطول زمن العمل بمذا هبهم وقصره فکماکان مذهب الامام ابی حنیفة اول المذاهب المدونة تدوینا فکذ لك یکون آخر ها انقراضا و بذالك قال اهل الکشف الخ ص ٢٤ ۔

ترجمہ: حق تعالیٰ نے جب مجھ کو چشمۂ شریعت پر مطلع ہونے کی نعمت عطا فرمائی تو میں نے تمام مذاہب کو اس کے ساتھ متصل پایا۔ اور میں نے ائمہ اربعہ کے مذاہب کو اس حال میں دیکھا کہ ان سب کی نہریں (الگ الگ) جاری ہیں اور جو مذاہب مٹ چکے ہیں ان کو میں نے اس حالت میں دیکھا کہ وہ (خشک ہوکر) پتھر بن گئے ہیں۔ اور میں نے سب اماموں میں سب سے زیادہ لمبی نہر امام ابوحنیفہؒ کی دیکھی۔ ان کے بعد امام مالکؒ کی، اِن کے بعد امام شافعیؒ کی، اِن کے بعد امام احمد بن حنبلؒ کی اور سب سے چھوٹی نہر امام داؤد (ظاہری) کے مذہب کی دیکھی اور ان کا مذہب پانچویں صدی میں مٹ چکا ہے۔ پس میں نے اس کی تعبیر یہ سمجھی کہ اس سے ان مذاہب پر عمل کرنے کے زمانہ کا دراز ہونا اور کوتاہ ہونا مراد ہے۔ پس جس طرح امام ابوحنیفہؒ کا مذہب سب مذاہب سے پہلے مدون ہوا ہے اسی طرح وہ سب کے بعد منقطع ہوگا اور اہل کشف اسی کے قائل ہیں۔ اھ۔

اس سے ناظرین کو مذہب حنفی کی عظمت کا اندازہ کر لینا چاہئے۔

ف۳: اس موقعہ پر ہم میزان الشعرانی سے مختصر طور پر وہ اقوال بھی نقل کر دینا چاہتے ہیں جن میں علامہ شعرانی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی عظمت وجلالت اور مخالفین کے طعن سے ان کی براءت ظاہر کی ہے

ہو سکتے، انفاس مخلوقات کے برابر (خدا تک پہنچنے کے) راستے ہیں، ہر سانس والے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) چنانچہ "میزان" کے صفحہ ۴۷ میں فرماتے ہیں "واما ما نقل عن الائمة الاربعة رضی اللہ عنهم احمعین فی ذم الرأی فاولهم تبريا من كل رأى يخالف ظاهر الشريعة الامام الاعظم ابوحنيفه النعمان بن ثابت رضی اللہ عنه خلاف مايضيفه اليه بعض المتعصبين ويا فضيحة يوم القيامة من الامام اذا وقع الوجه فی الوجه فان من كان فی قلبه نور لايتحر أان يذكر احدا من الائمة بسؤواين المقام من المقام اذ الائمة كالنحوم فی السماء وغير هم كاهل الارض الذين لا تعرفون من النحوم الاخيالها على وحه الماء۔

وقدروى الشيخ محى الدين فی الفتوحات المكية بسنده الى الامام ابى حنيفة رضی اللہ عنه انه كان يقول ايا كم والقول فی دين اللہ تعالى بالرأى وعليكم باتباع السنة، فمن خرج عنها ضل فان قيل ان المحتهذين قد صرحوا باحكام فی اشياء لم تصرح الشريعة بتحريمها ولابوحوبهافحر موها واوجبو ها، فالحواب انهم لولا علموا من قرائن الادلة تحريمها اووحوبها ماقالوا به والقرائن اصدق الادلة۔ الى ان قال ودخل عليه مرة رحل من اهل الكوفة والحديث يقرأعند ه فقال الرحل دعونا من هذا الاحاديث فزجره الامام اشد الزجروقال له لولا السنة مافهم احدمناالقرآن ثم "ل للرحل ماتقول فی لحم القردو اين دليله من القرآن فافحم الرحل۔ فقال للامام فماتقول أنت فيه فقال ليس هومن بهيمة الانعام، فانظريا اخى الى مناضلة الامام عن السنة وزحره من عرض له بترك النظر فی احاديثها، فكيف ينبغى لاحد ان ينسب الامام الى القول فی دين اللہ بالرأى الذى لايشهد له ظاهر كتاب ولا سنة۔ وكان رضی اللہ عنه يقول عليكم بآثارمن سلف واياكم واراء الرحال وان زخرفو ها بالقول فان الامرينحلى حين ينحلى وانتم على صراط مستقيم۔ اه وكان يقول لم تزل الناس فی صلاح مادام فيهم من يطلب الحديث فاذا طلبوا العلم بلا حديث فسدوا،وكان يقول لاينبغى لاحد ان يقول قولا حتى يعلم ان شريعة رسول اللہ ﷺ تقبله وكان يحمع العلماء فی كل مسئلة لم يحدها صريحة فی الكتاب والسنة ويعمل بمايتفقون

علیه فیها و کذلك کان کے لئے ایک خاص راستہ ہے جو اسی کے لئے مخصوص ہے۔ پس یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کلام سے قائل کی مراد فقط یہی ہے (جو میں کہہ رہا ہوں) بلکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یفعل اذااستنبط حکما فلا یکتبه حتی یجمع علیه علماء عصره فان رضوه قال لابی یوسف اکتبه۔ رضی اللّٰہ عنه۔ فمن کان علی هذاالقدم من اتباع السنة کیف یجوز نسبته الی الرأی معاذاللّٰہ ان یقع فی مثل ذلك عاقل اه وقال صاحب الفتاوی السراجیة قد اتفق لابی حنیفة من الاصحاب مالم یتفق لغیره وقد وضع مذهبه شوری ولم یستبدبوضع المسائل وانما کان یلقیها علی اصحابه مسئلة مسئلة فیعرف ماکان عندهم ویقول ماعنده ویناظرهم حتی یستقر احد القولین فیثبته ابو یوسف حتی اثبت الاصول کلها وقد ادرك بفهمه ماعجزت عنه اصحاب القرائح اه۔

ترجمہ: اور جو باتیں ائمہ اربعہ سے مذمت رائے کے بارے میں منقول ہیں اب ہم ان کو بیان کرنا چاہتے ہیں سو ان میں سب سے پہلے شریعت مطہرہ کے خلاف ہونے والی رائے سے برأت اور بے زاری ظاہر کرنے والے امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ ہیں برعکس اس کے جو بعض متعصب لوگ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں پس ہائے قیامت کے دن یہ لوگ امام صاحب کے سامنے کیسے شرمندہ اور رسوا ہوں گے جب کہ ان کا منہ امام صاحب کے سامنے ہوگا کیونکہ جس شخص کے دل میں ذرا بھی نور ہو وہ ہرگز اس کی جرأت نہیں کرسکتا کہ حضرات ائمہ کا برائی کے ساتھ ذکر کرے۔ اور بھلا کسی کے رتبہ کو ان کے رتبہ سے نسبت ہی کیا ہے کیونکہ ان کی شان ایسی ہے جیسے آسمان میں ستارے اور دوسرے لوگ زمین پر رہنے والے ہیں جو ستاروں کو بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ (کبھی کبھی) پانی میں ان کا عکس دیکھ لیتے ہیں۔

اور شیخ محی الدین (ابن العربی) نے فتوحات مکیہ میں اپنی سند سے امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! خدا کے دین میں (ذاتی) رائے کو دخل دینے سے بچو اور اتباع سنت کو لازم سمجھو کیونکہ جو سنت سے نکل گیا وہ گمراہ ہوگیا۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ ائمہ نے بعض ایسی اشیاء کے متعلق احکام بیان کئے ہیں جن میں شریعت نے حرمت یا وجوب کی کچھ تصریح نہیں کی مگر ائمہ نے ان کو حرام یا واجب قرار دے دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر

ادب کا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہو کہ میں اس سے یہ سمجھا ہوں اور اس پر یقین نہ کرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہ دلائل شرعیہ کے قرائن سے ان چیزوں کی حرمت یا وجوب کو نہ سمجھے ہوتے تو ہرگز یہ احکام بیان نہ کرتے اور قرائن بھی بڑی پختہ دلیلیں ہیں (اس لئے ائمہ پر اعتراض کی کچھ گنجائش نہیں کیونکہ شریعت نے تمام احکام کو صراحۃً بیان نہیں کیا، بلکہ بعض احکام کو اشارۃ و دلالۃ بھی بیان کیا ہے جن کو اہل اجتہاد سمجھ لیتے ہیں)۔

اور ایک مرتبہ امام ابو حنیفہ ؒ کے پاس کوفہ کا ایک آدمی آیا اس وقت امام صاحب کی مجلس میں حدیث پڑھی جارہی تھی وہ شخص کہنے لگا کہ ان احادیث کو چھوڑو (مطلب یہ تھا کہ قرآن کے مطالب بیان کرو) امام صاحب کو اس بات پر غصہ آگیا اور آپ نے اس شخص کو بہت دھمکایا اور فرمایا کہ اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی شخص بھی قرآن کو نہ سمجھ سکتا۔ پھر اس شخص سے فرمایا کہ بندر کے گوشت کی نسبت تو کیا کہتا ہے اور قرآن میں اس کا حکم کہاں ہے؟ اس پر وہ شخص بند ہوگیا (اور کچھ جواب نہ آیا) تو امام صاحب سے کہنے لگا کہ آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں امام صاحب نے کہا کہ وہ بہیمۃ الانعام میں سے نہیں ہے (اس لئے حرام ہے)۔

پس عزیز من! دیکھو امام صاحب نے سنت کی کیسی حمایت کی اور جو شخص احادیث کے چھوڑنے کی رائے دیتا تھا اسے کیسا دھمکایا۔ پس اب کسی کو کیا حق ہے کہ وہ امام صاحب کی نسبت یوں کہے کہ آپ خدا کے دین میں ایسی رائے کو دخل دیتے ہیں جس کی تائید ظاہر کتاب وسنت سے نہیں ہوتی (ہرگز نہیں بلکہ وہ جو کچھ فرماتے ہیں اس کی تائید کتاب وسنت میں موجود ہے۔)

اور امام صاحب یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ آثار سلف کا اتباع کرو اور لوگوں کی ذاتی رایوں سے بچو، گو وہ اپنی رائے کو کیسے ہی عمدہ الفاظ سے بیان کریں کیونکہ حقیقت تم پر اس وقت واضح ہوگی جب کہ تم صراط مستقیم پر ہوگے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اس وقت تک صلاحیت میں رہیں گے جب تک ان میں حدیث کے طالب موجود رہیں اور جب وہ علم کو بدون حدیث کے طلب کرنے لگیں اس وقت حالت خراب ہوجائے گی۔

اور یہ بھی فرماتے تھے کہ کسی شخص کو یہ مناسب نہیں کہ وہ کوئی بات زبان سے نکالے جب تک یہ نہ

(کہ جو کچھ میں سمجھا ہوں یہ واقع میں درست ہی ہے) کیونکہ یہ تو حق کو ایک مذہب میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) معلوم کرلے کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت اس کو قبول کرتی ہے (یا نہیں) اور جب کسی مسئلہ کو امام صاحب کتاب وسنت میں صراحت نہ پاتے تو اس کے لئے علماء کو جمع کرتے تھے۔ پھر اس مسئلہ میں جس بات پر سب کا اتفاق ہو جاتا اس پر عمل کرتے۔ اسی طرح جب کسی مسئلہ کو خود مستنبط فرماتے تو جب تک اپنے زمانہ کے بہت سے علماء کو جمع نہ کرلیتے اس وقت تک اس کو نہ لکھتے تھے اگر علماء اس کو پسند کرلیتے تب ابو یوسف رحمہ اللہ کو حکم دیتے کہ اس کو لکھ لو۔ تو جو شخص اتباع سنت میں اس درجہ پر ہو اس کو رائے کی طرف منسوب کرنا کب جائز ہے، معاذ اللہ کوئی عاقل تو ایسی غلطی میں نہیں پڑ سکتا۔

اور صاحب فتاوی سراجیہ نے فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو ایسے ایسے شاگرد نصیب ہوئے (۱) جو دوسروں کو نصیب نہیں ہوئے اور امام کا مذہب مشورہ سے مدون ہوا ہے امام صاحب رحمہ اللہ نے بذات خود تنہا اس کو مدون نہیں کیا، بلکہ اپنے اصحاب کے سامنے ایک ایک مسئلہ کو پیش فرماتے تھے ان سب کا جواب سنتے اور اپنا جواب بیان فرماتے پھر ان سے مناظرہ فرماتے تھے، جب ایک بات قرار پا جاتی تو ابو یوسفؒ اس کو لکھ لیتے اسی طرح تمام اصول کو مدون کیا ہے اور امام صاحب نے اپنی فہم سے وہ باتیں ادراک کی ہیں جن سے ہوشیار طبیعتیں عاجز رہ گئیں۔

ونقل الشيخ كمال الدين ابن الهمام عن اصحاب ابی حنيفة كابی يوسف ومحمد وزفر والحسن انهم كانوا يقولون ماقلنا فی مسئلة قولا الاوهو روايتناعن ابی حنيفه واقسموا على ذلك ايما نامغلظة فلم يتحقق فی الفقه جواب ولامذهب الاله رضی الله عنه كيفما كان ومانسب الی غيره فهو من مذهب ابی حنيفة اه ص ٤٨ ۔

اور شیخ ابن الہمام نے امام صاحب کے اصحاب یعنی ابو یوسف ومحمد وزفر وحسن (بن زیاد) رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ ہم نے جس کسی مسئلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ امام ابو حنیفہؒ ہی سے ہماری روایت ہے اور اس پر انہوں نے پختہ قسمیں کھائی ہیں پس بحمد اللہ فقہ میں جتنے جوابات اور جس قدر اقوال ہیں وہ

(۱) کیونکہ ان میں بڑے بڑے محدثین اور فقہاء ومجتہدین تھے جیسے عبداللہ بن مبارک وحفص بن غیاث و ابو یوسف وغیرہم رضی اللہ عنہم ۱۲

منحصر کرنا ہوا اور حق کے بعد بجز گمراہی کے کیا رہے گا (حالانکہ حق صرف ایک مذہب میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سب امام صاحب ہی کے ہیں اور جو قول کسی دوسرے کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ بھی ابوحنیفہ ہی کا مذہب ہے۔اھ۔

اس سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ امام صاحب حدیث کا کس قدر اتباع کرتے ہیں، کیونکہ جن مسائل میں امام صاحب کا ایک قول بظاہر حدیث کے خلاف ہے وہاں ابو یوسف ومحمد وزفر وحسن ابن زیادان میں سے کسی کا قول ضرور حدیث کے موافق ہوتا ہے اوران کے اقوال بھی درحقیقت امام صاحب ہی کے اقوال ہیں تو امام کا کوئی نہ کوئی قول ضرور حدیث کے مطابق نکلے گا اور ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ ان سب کے اقوال حدیث کے خلاف ہوں اور اگر شاذ ونادر کبھی ایسا ہوا بھی تو وہاں اگر ایک حدیث کے خلاف ان کا قول ہوگا دوسری حدیث ان کی تائید میں ضرور ہوگی یا نص قرآنی یا آثار صحابہ سے ان کا استدلال ہوگا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں فالحمد لله رب العلمين ۔

علامہ شعرانی میزان کے ص:۵۱ میں فرماتے ہیں فقد بان لك يا اخی مما نقلناه عن الائمة الاربعة وغيرهم ان جميع الائمة المجتهدين دائرون مع ادلة الشريعة حيث دارت وانهم كلهم منزهون عن القول بالرأى فی دين الله وان مذاهبهم كلها محررة على الكتاب والسنة كتحرير الذهب والجوهر وان اقوالهم كلها ومذاهبهم كالثوب المنسوج من الكتاب والسنة سدره ولحمته منها ۔وما بقی لك عذر فی التقليدلای مذهب شئت من مذاهبهم فانها كلها طريق الى الجنة كما سبق بيانه اواخرالفصل قبله وانهم كلهم على هدى من ربهم۔

وانه ماطعن احد فی قول من اقوالهم الالجهله به اما من حيث دليله واما من حيث دقة مداركه عليه لاسيما الا مام الا عظم ابو حنيفة النعمان بن ثابت رضی اللهعنه الذی اجمع السلف والخلف على كثرة علمه وورعه وعبادته ودقة مداركه واستنباطاته كما سياتی بسطه فی هذه الفصول ان شاء الله تعالى و حاشاه۔ رضی الله عنه ۔من القول فی دين الله بالرأى الذى لايشهد له ظاهر كتاب ولا سنة۔ ومن نسبه الى ذلك فبينه وبينه الموقف

منحصر نہیں) پس جس شخص نے شریعت کی وسعت کا مشاہدہ نہیں کیا کہ اس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الذی یشیب فیه المولود۔ اه

ترجمہ: عزیز من! تم کو ان اقوال سے جو ہم نے ائمہ اربعہ وغیرہم سے نقل کئے ہیں یہ بات ظاہر ہوگئی ہوگی کہ تمام ائمہ مجتہدین دلائل شرعیہ کے موافق چلتے ہیں اور جدھر کو بھی وہ چلا دیں اور یہ حضرات سب کے سب اس بات سے منزہ ہیں کہ دین خداوندی میں (ذاتی) رائے کو دخل دیں، ان سب کے مذہب کتاب وسنت کے موافق ہونے اور جواہرات سے لکھے ہوئے ہیں اور ان کے اقوال ومذاہب کتاب سنت سے اس طرح بنے گئے ہیں کہ ان کا تانا بانا کتاب وسنت ہی ہے اور اب تمہارے پاس ان میں سے کسی کے مذہب کی تقلید کرنے میں کوئی عذر نہیں رہا کیونکہ یہ سب کے سب جنت کے راستے ہیں (جیسا کہ فصل گذشتہ کے اخیر میں معلوم ہو چکا) یہ سب امام اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔

اور جو شخص ان کے کسی قول میں طعن واعتراض کرتا ہے اس کے دو ہی سبب ہیں یا تو وہ ان کی دلیل سے ناواقف ہے یا ان کا ماخذ دقیق ہونے کی وجہ سے اس کی سمجھ میں نہیں آیا خصوصا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اقوال جن کی کثرت علم اور تقوی اور عبادت اور دقت ماٗ خذ اور باریکی استنباط پر خلف وسلف کا اجماع ہو چکا ہے۔ امام اعظمؒ اس سے بالکل بری ہیں کہ وہ دین الٰہی میں اپنی (ذاتی رائے سے ایسی بات کہیں جس پر ظاہر کتاب وسنت شاہد نہ ہو اور جو شخص ان کی طرف ایسی بات کی نسبت کرتا ہے اس کے اور امام کے درمیان قیامت کا دن ہے جس میں بچے بھی (بوجہ ہول کے) بوڑھے ہو جاویں گے۔ اھ۔

اور میزان کے ص: ۵۵ میں فرماتے ہیں **اعلم یا اخی انی طالعت بحمداللّٰہ تعالی ادلة المذاهب الاربعة وغيرها لاسيما ادلة مذهب الامام ابی حنیفة رضی اللّٰه عنه فانی خصصته بمزيد اعتناء وطالعت عليه كتاب تخريج احاديث كتاب الهداية للحافظ الزيلعی وغيره من كتب الشروح فرأيت ادلته رضی اللّٰه عنه وادلة اصحابه مابين صحيح او حسن او ضعيف كثرت طرقه حتى لحق بالحسن اوالصحيح فی صحة الاحتجاج به من ثلاثه طرق او اكثرالی عشرة۔**

وقداحتج جمهور المحدثين بالحديث الضعيف اذاكثرت طرقه والحقوه

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بالصحیح تارة والحسن اخری۔ وھذا النوع من الضعیف یوجد کثیرا فی کتاب السنن الکبری للبیھقی التی الفھا لقصد الاحتجاج لاقوال الائمة واقوال اصحابھم فانه اذا لم یجد حدیثا صحیحا او حسنا یستدل به لقول ذلك الامام او قول احدمن مقلدیه یصبر بروی الحدیث الضعیف من کذا و کذا طریقا ویکتفی بذالك ویقول وھذه الطرق یقوی بعضھا۔

فبتقدیر وجود ضعف فی بعض ادلة اقوال الامام ابی حنیفة واقوال اصحابه فلا خصوصیة له فی ذلك بل الائمة کلھم یشارکونه فی ذلك ولا لوم الاعلی من یستدل بحدیث واه بمرة جاء من طریق واحدة وھذا لا یکاد واحد یجده فی ادلة دلائل من المجتھدین۔ اه۔

ترجمہ: اور عزیز من! میں نے بحمد اللہ مذاہب اربعہ وغیرہا کے دلائل کا مطالعہ کیا ہے خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے دلائل کا اس کو تو میں نے بہت زیادہ اہتمام اور خصوصیت کے ساتھ دیکھا ہے اور اس مذہب کے متعلق کتاب تخریج احادیث الہدایہ حافظ زیلعی کی اور اس کے سوا کتب شروح بہت دیکھیں تو میں نے امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے دلائل میں حدیث صحیح اور حسن یا ایسی ضعیف حدیث پائی جس کے طرق کثرت سے ہیں حتی کہ صحت احتجاج میں وہ حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچتی ہے کسی کے تین طرق ہیں کسی کے اس سے بھی زیادہ دس طرق تک ہیں۔

اور تمام محدثین نے کثرت طرق کے بعد حدیث ضعیف سے احتجاج کیا ہے کبھی اس کو صحیح کے ساتھ ملحق کیا ہے کبھی حسن کے ساتھ، چنانچہ بیہقی کی سنن کبری میں بھی اس قسم کی ضعیف حدیث بہت موجود ہے جب وہ کسی امام یا اس کے مقلدین کے کسی قول کی تائید میں حدیث صحیح یا حسن نہیں پاتے تو حدیث ضعیف کو مختلف طرق پر بیان کر کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ طرق ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

پس اگر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے دلائل میں ضعیف کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ بات کچھ انہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام ائمہ اس بات میں ان کے شریک حال ہیں اور ملامت صرف اس شخص پر ہو سکتی ہے جو کسی واہی حدیث سے استدلال کرے جس کا طریق صرف ایک ہی ہے مگر اس کا وجود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مجتہدین میں سے کچھ کسی کے بھی دلائل میں کسی کو نہ ملے گا۔اھ۔

پھر اس مضمون پر تفصیلی کلام کر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ: وها قد انبت لك عن صحته ادلة مذهب الامام الاعظم ابی حنیفه رضی الله عنه دان جمیع مااستدل به لمذهبه اخذه عن خیار التابعین دانه لایتصور فی سنده شخص منهم یکذب ابدا وان قیل بضعف شئی من ادلة مذهبه فذلك الضعف انما هو بالنظر للرواة الناز لین عن سنده بعد موته وذلك لایقدح فیما اخذ به الامام عند کل من استصحب النظر فی الرواة وهو صاعدا لی النبی ﷺ وکذلك نقول فی ادلة مذهب اصحابه فلم یستدل احدمنهم بحدیث ضعیف فردلم یأت الامن طریق واحدة ابدا کما تتبعنا ذلك انما یستدل احدهم بحدیث صحیح او حسن اوضعیف قد کثرت طرقه حتی ارتفع لدرجة الحسن وذلك اسرلایختص باصحاب الامام ابی حنیفة بل یشارکهم فیه جمیع المذاهب کلها کما مرا یضا۔

فاترك یا اخی التعصب علی الامام ابی حنیفةؒ واصحابه رضی الله عنهم اجمعین وایاك وتقلید الجاهلین باحواله وماکان علیه من الورع والزهد والا حتیاط فی الدین فتقول ان ادلته ضعیفة بالتقلید فتحشر مع الخاسرین ۔وتتبع ادلته کما تتبعنا تعرف ان مذهبه رضی الله عنه من اصح المذاهب لبقیة مذاهب المجتهدین رضی الله عنهم اجمعین ۔

ترجمہ: اور لو میں نے تمہارے سامنے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دلائل کی صحت واضح کردی اور بتلا دیا کہ جتنی احادیث سے امام نے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے وہ ان کو بڑے بڑے تابعین سے روایت کرتے ہیں جن میں کسی کا متہم بالکذب ہونا ہرگز ممکن نہیں اور اگر امام کے مذہب کی کسی دلیل کو ضعیف کہا جاتا ہے تو وہ ضعف راویوں کے اس طبقہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو امام سے نیچے ہیں اور ان کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے ضعف سے اس حدیث پر اثر نہیں پڑسکتا جس کو امام نے اعلیٰ طبقہ سے اخذ کیا ہے ۔

اسی طرح ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی نے ایسی ضعیف حدیث سے استدلال نہیں کیا جس کا صرف ایک ہی طریق ہو جیسا کہ تتبع سے ہم کو معلوم ہوا ہے، بلکہ ان میں سے ہر ایک صحیح حدیث یا حسن سے استدلال کرتا ہے یا ایسی ضعیف حدیث سے جس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) طرق بکثرت ہیں حتی کہ وہ درجہ حسن پر پہنچ گئی ہے اور یہ بات امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جملہ اہل مذاہب اس بات میں ان کے شریک ہیں۔

پس عزیز من ! امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے مقابلہ میں تعصب سے کام لینا چھوڑ دو اور ان لوگوں کی تقلید سے بچو جو امام کے حالات سے ناواقف اور ان کے ورع وزھد واحتیاط فی الدین سے بے خبر ہیں اور ان کی تقلید کر کے یہ ہرگز مت کہنا کہ امام صاحب کی دلیلیں ضعیف ہیں ورنہ تمہارا حشر بھی ناکام رہنے والوں کے ساتھ ہوگا اور تم کو امام کے دلائل کا تتبع کرنا چاہئے جیسا ہم نے تتبع کیا ہے اس وقت تم کو معلوم ہو جائے گا کہ امام کا مذہب تمام مذاہب سے زیادہ صحیح ہے جیسا کہ بقیہ مجتہدین کے مذہب ہیں۔اھ۔

ف: اسباب المحمودیہ کے اس مضمون میں جو علامہ شعرانی نے یہ فرمایا ہے کہ اہل اللہ کو کسی خاص مذہب کا پابند نہیں کیا جاسکتا اس میں وہ اہل اللہ مراد ہیں جو کتاب وسنت سے خود استنباط کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور جن میں یہ قدرت نہ ہو ان پر کسی امام کی تقلید کرنا علامہ کے نزدیک بھی واجب ہے چنانچہ میزان کے ص: ۵۰ و ۵۱ میں صراحۃً فرماتے ہیں: وقد بلغنا ان شخصا استشارہ فی تقلید احدمن علماء عصرہ فقال لا تقلد نی ولا تقلد مالکا ولا الاوزاعی ولا النخعی ولا غیرھم والاحکام من حیث اخذوا۔اھ۔

قلت وھو محمول علی من لہ قدرۃ علی استنباط الاحکام من الکتاب والسنۃ والا فقد صرح العلماء بان التقلید واجب علی العامی لئلا یضل فی دینہ واللہ اعلم۔

اور ہم کو امام احمد بن حنبل کا یہ واقعہ پہنچا ہے کہ ایک شخص نے اپنے زمانہ کے علماء میں سے کسی کی تقلید کرنے کے بارے میں ان سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نہ میری تقلید کرو نہ مالک کی نہ اوزاعی کی نہ ابراہیم نخعیؒ کی بلکہ احکام کو وہیں سے لو جہاں سے یہ لوگ لیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جواب اس شخص پر محمول ہے جس کو کتاب وسنت سے استنباط احکام کی قدرت خود حاصل ہو ورنہ علماء نے تصریح کی ہے کہ عامی پر تقلید واجب ہے تاکہ وہ دین میں گمراہی کے رستہ پر نہ چلے اھ۔ اور فقہاء کے کلام میں عامی سے مراد وہ شخص ہے جو مجتہد نہ ہو گو کہ عالم ہو، چنانچہ فقہ دیکھنے والے اس کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خوب سمجھتے ہیں۔

ف۵: علامہ حافظ سیوطی ''تبییض الصحیفہ'' میں فرماتے ہیں کہ: وروی ایضا عن ابی غسان قال سمعت اسرائیل یقول نعم الرجل النعمان ماکان احفظ لکل حدیث فیه فقه واشد فحصه عنه فاکرمه الخلفاء والامراء والوزراء وقال مسعرمن جعل ابا حنیفه بینه وبین الله رجوت ان لایخاف ولا یکون فرط فی الاحتیاط لنفسه اه ملخصا۔ص:۲۷۔

ابوغسان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اسرائیل کو یہ کہتے ہوئے سنا(۱) کہ نعمان (ابوحنیفہ) بڑے اچھے شخص تھے وہ ان تمام حدیثوں کے بڑے حافظ تھے جن میں احکام کا ذکر ہے اوران کی بہت چھان بین کرتے تھے اسی لئے خلفاء اورامراء ووزراء تک ان کی تعظیم کرتے تھے اور مسعر (بن کدام) فرمایا کرتے تھے کہ جوشخص ابوحنیفہ کواپنے اور خدا کے درمیان واسطہ بنائے مجھے امید ہے کہ اسے کچھ اندیشہ نہ ہوگا اوراس نے اپنے نفس کے لئے احتیاط کرنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی اھ۔

اور صفحہ نمبر۲۳ میں فرماتے ہیں کہ وروی ایضا عن سعید بن منصور قال سمعت فضیل بن عیاض یقول کان ابوحنیفة رجلا فقیها معروفا بالفقه مشهورا بالورع کثیر الصحة قلیل الکلام حتی ترد مسئلة فی حرام وحلال و کان اذا وردت غلیه مسئلة فیها حدیث صحیح تبعه وان کان عن الصحابة والتابعین والاقاس فاحسن القیاس۔ اه ملخصا:

ترجمہ: سعید بن منصور سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ(۲) کوفرماتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہ فقیہ شخص تھے۔فقہ میں ممتاز اورتقوی میں مشہور تھے زیادہ خاموش رہنے والے کم سخن تھے، جب تک کوئی مسئلہ حرام وحلال کا وارد نہ ہواور جب امام صاحب کے پاس ایسا مسئلہ آتا جس میں حدیث صحیح وارد ہےتو حدیث کا اتباع کرتے تھے اگرچہ وہ صحابہ اورتابعین ہی سے منقول ہو

(۱) یہ اسرائیل بن یونس ہیں جو بخاری ومسلم اور جملہ اصحاب صحاح کے رجال میں سے ہیں بہت بڑے محدث اور حافظ حدیث ہیں ملاحظہ ہوتہذیب ص:۲۶۱ ج:۱۔ واللہ اعلم ۱۲منہ

(۲) بخاری ومسلم کے رجال میں سے ہیں بہت بڑے محدث وزاہد، فاضل وعابد ثقہ مامون ہیں۔امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اورامام شافعیؒ کے استاذ ہیں ۱۲منہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (یعنی مرفوع نہ ہو بلکہ موقوف یا منقطع ہو کیونکہ امام کے نزدیک موقوف و منقطع بھی خاص شرائط کے ساتھ حجت ہے) اور اگر حدیث وارد نہ ہو تب قیاس فرماتے اور اچھا قیاس فرماتے اھ۔

وروی منه ایضا عن نعیم بن عمر قال سمعت ابا حنیفة یقول عجبا للناس یقولون انی افتی بالرایٔ وما افتی الا باثر۔ اہ ص: ۲۸۔

ترجمہ: اور تاریخ بخاری میں نعیم بن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے لوگوں پر تعجب ہے یوں کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے سے فتوی دیتا ہوں حالانکہ میں بدون اثر (یعنی حدیث) کے فتوی نہیں دیتا۔

ان روایات سے امام صاحب کا حافظ حدیث اور متبع سنت ہونا اظہر من الشمس ہے ان لوگوں پر افسوس ہے جو اب بھی امام صاحب پر مخالفت حدیث کا طعن کرتے ہیں ہداھم اللہ۔

علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے میزان کے ص ۱۵ میں شیخ ابن حزمؒ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے: وکان ابن حزم یقول جمیع ما استنبط المجتهدون معدود من الشریعة وان خفی دلیله علی العوام ومن انکر ذلك فقد نسب الائمة الی الخطاء وانهم یشرعون مالم یأذن به الله وذلك ضلال۔ من قائله عن الطریق والحق انه یجب اعتقاد انهم لو لا رأوا فی ذلك دلیلاً ماشرعوا۔

ترجمہ: اور ابن حزم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جس قدر احکام مجتہدین نے مستنبط فرمائے ہیں، وہ سب شریعت ہی میں داخل ہیں اگرچہ عوام پر اس کی دلیل مخفی رہے اور جو شخص اس کا انکار کرے اس نے ائمہ کو خطا کی طرف منسوب کیا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ (نعوذ باللہ) ائمہ نے اس چیز کو مشروع کیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی اور یہ بات اس قائل کے گمراہ ہونے کی دلیل ہے اور حق یہ ہے کہ اس بات کا اعتقاد واجب ہے کہ اگر ائمہ کو اس کی دلیل معلوم نہ ہوتی تو وہ شریعت میں اس کو ہرگز داخل نہ فرماتے اھ۔

علامہ ابن حزم فرقۂ ظاہریہ کے بہت بڑے عالم ہیں جو ظاہر حدیث کا اتباع کرتے ہیں۔ ائمہ مجتہدین کی نسبت ان کا یہ قول ان لوگوں پر کامل حجت ہے جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں علامہ ابن حزم کے قول سے صاف معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک ائمہ مجتہدین نے جس قدر احکام اپنے اجتہاد سے مستنبط کئے ہیں وہ سب شریعت میں داخل ہیں اگرچہ ہم کو ان کی دلیل معلوم نہ ہو اور یہ اعتقاد واجب ہے کہ ائمہ کے پاس ان

تمام مذاہب[1] کی گنجائش ہے۔

اس پر ایسی شنیع بات لازم آئے گی جس سے نکلنا اسے ناممکن ہو جائے گا وہ یہ کہ اس شخص کے نزدیک بقیہ ائمہ مجتہدین جو اس کے مذہب سے موافقت نہیں رکھتے خطا پر ہوں گے، حالانکہ وہ سب کے سب اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ کلام متکلم کے سمجھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم محض ان صورتوں کو جان لو جو اہل زبان کے اتفاق سے اس کلام کے ضمن میں حصر (عقلی یا لغوی) کے ساتھ موجود ہیں (کیونکہ ان وجوہ اور صور کے معلوم ہونے سے متکلم کی مراد قطعی طور پر معلوم نہیں ہو سکتی اگر ایک لفظ کے پچاس معنی ہیں تو محض ان معانی کا جان لینا کافی نہیں جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ متکلم کی مراد ان میں سے کون سی صورت ہے) بلکہ فہم اس کا نام ہے کہ متکلم کے مقصود کو سمجھا جائے کہ آیا اس نے اس کلام سے وہ تمام صورتیں مراد لی ہیں[2]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) احکام کے دلائل ضرور موجود تھے وہ بدون دلیل شرعی کے کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔

بحمد اللہ اب ہر پہلو سے یہ مقام واضح ہو گیا اور میں نے علامہ شعرانی کے اقوال اس جگہ تطویل کے ساتھ اس لئے نقل کر دیئے تا کہ ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہو جاوے جو امام شعرانی کو غیر مقلد یا تقلید کا مخالف سمجھتے اور ان کے اقوال سے مقلدین پر احتجاج کرتے ہیں۔

اس تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ علامہ شعرانی ان لوگوں کے حق میں تقلید کو واجب فرماتے ہیں جو کتاب و سنت سے استنباط احکام کی قدرت نہیں رکھتے اور ظاہر ہے آج کل عموماً تمام علماء کی یہی حالت ہے عوام تو درکنار۔ پس سب پر ائمہ کی تقلید واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

[1] یہ مضمون علامہ کو ذوق یا کشف سے معلوم ہوا ہے اس میں بعض علماء کو علامہ سے اختلاف ہے اور ظاہر ہے کہ ذوق و کشف کوئی حجت شرعیہ نہیں جس کا ماننا لازم ہو اس لئے فی نفسہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ ۱۲ منہ

[2] جب ایک لفظ مختلف وجوہ اور متعدد معانی کو مشتمل ہو اس صورت میں کلام واحد میں ان سب کا دفعۃً مراد ہونا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک غالباً جائز ہے اس لئے علامہ کا یہ کلام ان کے مذہب پر مبنی ہے۔ فافہم واللہ اعلم

جن کو کلام متضمن ہے یا بعض کا قصد کیا ہے۔ پس تم کو چاہئے کہ فہم کلام اور فہم عن المتکلم میں فرق کرو کیونکہ مقصود اخیر صورت ہے فہم کلام کا مطلب تو یہ ہے کہ تم اس کلام کی ترکیب نحوی اور مفردات کے معانی لغویہ معلوم کرلو اور قرائن سے کسی ایک معنی کو ترجیح دے لو کہ غالباً یہ مقصود ہے۔ اور فہم عن المتکلم یہ ہے کہ تم متکلم کی مراد کو یقین کے ساتھ معلوم کرلو اور فہم عن المتکلم (حقیقی درجہ میں) بجز اس ذات کے کسی کو حاصل نہیں جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے اور اس کا کچھ حصہ محقق عارفین کو بھی ملتا ہے مگر وہ وحی کے برابر نہیں ہوتا اس لئے عارفین کے فہم میں خطا کا احتمال باقی ہے۔

رہا فہم کلام کا درجہ سو یہ تو عوام کے لئے ہے پس عارفین میں سے جن کو فہم عن المتکلم حاصل ہے ان کو فہم کلام بھی حاصل ہے اور جن کو فہم کلام حاصل ہے ان کو فہم عن المتکلم حاصل ہونا ضروری نہیں کہ وہ مختلف وجوہ میں سے متکلم کی مراد کو بھی یقین کے ساتھ معلوم کر لیتے ہوں کہ اس کی مراد سب وجوہ ہیں یا بعض (اور بعض میں سے بھی ایک خاص فرد) اس تدقیق[1] میں تامل کرو کیونکہ یہ بات تم کسی کتاب میں نہ پاؤ گے۔

---

[1] اس نمبر میں علامہ نے طلبہ کو جو تعلیم دی ہے اس کے توضیح ہونے میں کچھ شک نہیں کہ کسی متکلم کے کلام کا مطلب اپنی سمجھی ہوئی صورت میں بیان کر کے ہم کو یہ دعوی نہ کرنا چاہئے کہ اس کی مراد یہی ہے لیکن اس پر جو دلائل قائم کئے ہیں ان میں بعض دلیلیں بعض علماء کے نزدیک مخدوش ہیں مثلا ایک دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ اس صورت میں حق کو ایک مذہب میں منحصر کرنا اور بقیہ مجتہدین کو خطاء کی طرف منسوب کرنا لازم آتا ہے حالانکہ سب ائمہ حق پر ہیں اور شریعت اتنی وسیع ہے کہ وہ سب کے مذہب کو سمانے والی ہے الخ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ جملہ مجتہدین کے حق پر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں حق پر ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا مذہب مجموعی حیثیت سے حق ہے کیونکہ بعض دفعہ مجتہد سے خطا بھی ہو جاتی ہے "المجتهد يخطی ويصيب" جس کی دلیل یہ ہے کہ بعض دفعہ مجتہد اپنے بعض اقوال سے خود رجوع کر لیتا ہے، مگر چونکہ مجتہد کی تعریف ہی یہ ہے کہ من کان صوابہ اکثر من خطاءہ' اس لئے اس سے خطا کم اور اصابت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا جملہ مجتہدین کا مذہب مجموعہ حق ہے۔

اور عزیز من! تم کو سمجھنا چاہئے کہ بعض دفعہ تم اپنے ایک ہم جنس آدمی ہی کے کلام کو اپنی فہم کے احاطہ میں لانے سے عاجز ہو جاتے ہو پھر کلام رب العلمین کے سمجھنے سے تم کس لئے اپنے کو قاصر (وعاجز) نہیں سمجھتے (اور اس کی تفسیر پر اتنی جرأت کیوں ہے کہ جو کچھ تمہاری سمجھ میں آ گیا اس کی بابت قطعی دعوی کر دیا کہ حق تعالی کی مراد بس یہی ہے) حق تعالیٰ کے کلام کی تفسیر کرنا بجز کامل وارثان رسول اللہ ﷺ کے اور کسی کو مناسب نہیں۔ یہ لوگ (نفسانی) خواہش سے اور اس کی متابعت سے بری اور شکوک واحتمالات اور خیالات واوہام اور ان جھوٹے دعاوی سے جو راہ ہدایت اور اس کے حقائق سے گمراہ (اور اندھا) کر دینے والے ہیں سالم (اور پاک صاف) ہوتے ہیں (تو ان کی تفسیر بھی اسی طرح باطل خیالات اور بعید احتمالات اور غلط عقائد وغیرہ سے پاک صاف ہوگی چنانچہ مشاہدہ اس کی کافی دلیل ہے۔

اور (عزیز من!) اس میں تمہارا کیا حرج ہے کہ تم صرف خدا کے بندہ اور غلام ہی بن کر رہو اور علم وعمل (وغیرہ کا دعوی) کچھ بھی نہ ہو۔ بس علوم میں سے تم کو وحدانیت الٰہیہ کا علم کافی ہے اور اعمال میں خدا کی محبت، رسول کی محبت اور صحابہؓ کی محبت اور جماعت (صوفیہ) کے ساتھ سچا اعتقاد کافی ہے۔

علم سے زیادہ عمل کی ضرورت ہے

(اور یاد رکھو کہ آخرت میں تنہا علم سے نجات نہ ہوگی بلکہ بہ نسبت علم کے عمل کی ضرورت زیادہ ہوگی) جیسا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کیونکہ اس میں حق کو غلبہ ہے اور جن قلیل مواضع میں مجتہد سے خطا ہوئی ہے اگر مقلدین کو وہ خطا محقق ہو جائے تو ان مواضع میں اپنے امام کا قول چھوڑ کر دوسرے مجتہدین کا قول لے لینا چاہئے، چنانچہ الحمدللہ مذاہب اربعہ کے مقلدین ایسا ہی کرتے رہتے ہیں کہ بعض مسائل میں شافعیہ نے اپنے امام کا قول چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ کا قول اخذ کیا ہے اور بعض مسائل میں حنفیہ نے اپنے امام کا قول چھوڑ کر امام شافعی یا مالک واحمد کا قول اختیار کیا ہے فجزاھم اللہ عنا احسن الجزا ۱۲ منہ۔

قیامت کب آوے گی۔ الحدیث بطولہ۔ اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں " ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم "[1] کہ تم میں سے زیادہ معزز خدا کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ جس کو سب سے زیادہ علم حاصل ہو۔

اور (عزیز من!) قرآن میں جتنی آیتیں جزاء (وثواب) کے متعلق ہیں تم ان سب میں غور کرو تو تم کو معلوم ہوگا کہ وہ سب آیات عمل ہی کے متعلق ہیں (علم کے متعلق نہیں ہیں) چنانچہ کہیں ارشاد ہے "ھل تجزون الا بما کنتم تعملون"[2] کہیں فرماتے ہیں جزاء بما کانوا یعملون۔[3] جزاء بما کانو یکسبون[4] بھلا کہیں ایک آیت میں بھی حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جزاء بما کنتم تعلمون (یعنی ان تمام آیات میں یہی فرمایا گیا ہے کہ تمہارے اعمال کا یہ بدلہ ملے گا تمہارے کاموں کا یہ ثواب ہوگا کہیں یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے علم کا یہ بدلہ یا یہ ثواب ہوگا) اس کو خوب سمجھ جاؤ۔

اور (یاد رکھو! کہ) کتابوں کے نازل کرنے اور رسولوں کے بھیجنے سے مقصود خود عمل کرنا ہے اور دوسروں کو نیک عمل کی ترغیب دینا مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحلموھا کمثل الحمار یحمل اسفارا۔[5] مثال ان لوگوں کی جن پر تورات کا بوجھ لادا گیا پھر وہ اس کو اٹھا نہ سکے (یعنی اس کے موافق عمل نہ کیا) اس گدھے کی طرح ہے جو کتابیں لادے ہوئے (جارہا ہے اسی طرح جب عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو اس کے اوپر کتابیں لدی ہوئی ہیں، مگر گدھے کی طرح اسے خبر نہیں کہ میرے اوپر کیا لدا ہوا ہے) پس اہل اللہ نے سمجھ لیا کہ علم اور تلاوت قرآن سے اور اس کے الفاظ اور زجر و تخویف

---

[1] الحجرات:۱۳

[2] وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ النمل : ۹۰ مرتب

[3] بدلہ ان کاموں کا جو کرتے تھے۔ الواقعہ: ۲۴ مرتب

[4] بدلہ ان کے کاموں کا۔ التوبة : ۸۲ مرتب

[5] الجمعة:۵

سے مقصود یہ ہے کہ جس مسئلہ کو جاننے کے بعد اس پر عمل نہ کیا جائے گا اس کی بابت سوال ہوگا۔

علم کے بغیر عمل کرنا مشکل ہے

(پس علم سے مقصود محض مسائل کا جاننا اوران کی تقریر کردینا نہیں بلکہ اصل مقصود عمل ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ علم کوئی ضروری چیز نہیں، فضول شی ہے، حاشاوکلا۔ کیونکہ عمل جس کو ہم مقصود اصلی کہہ رہے ہیں اس کا صحیح طور پر ادا ہونا بدون علم کے مشکل اور سخت دشوار ہے اس لئے ضرورت اس کی بھی ہے گوآلہ اور مقصود ہونے کا فرق ضرور ہے کہ عمل مقصود ہے اور علم اس کا آلہ اور ذریعہ ہے۔

تکمیل عمل کے لئے علم ضروری ہونے کی ایک عمدہ مثال

نیز عمل کا کمال بھی علم پر موقوف ہے) اور (اس کی توضیح کے لئے) تم یہ سمجھو کہ قلوب پر اثر ہمیشہ اس علم ہی کا ہوتا ہے جو دلوں میں جما ہوا ہے تم غور کرو کہ ایک بادشاہ اگر بازار میں رعیت کا لباس پہن کر نکلے اور ایسے لوگوں کے درمیان میں چلتا پھرتا رہے جو اس کو پہچانتے نہیں ہیں تو بازار والوں کے دلوں میں بادشاہ کا کچھ بھی وزن اور ذرہ برابر بھی وقعت قائم نہ ہوگی اور اگر اسی حالت میں بادشاہ سے کوئی ایسا شخص ملے جو اسے پہچانتا ہو تو اس کے نفس میں معاً بادشاہ کی عظمت وقدر قائم ہو جائے گی اور اس کا علم قلب پر اثر کرے گا جس کے سبب وہ بادشاہ کا احترام وادب بھی بجالائے گا اور اس کے سامنے عاجزی بھی ظاہر کرے گا۔

اور (فرض کرو کہ) یہ شخص ایسا ہے جس کا دربار شاہی میں (کسی ممتاز عہدہ پر) مقرب ہونا لوگوں کو معلوم ہے تو جب وہ دیکھیں گے کہ یہ اتنا بڑا آدمی ہوکر دوسرے کے ساتھ ایسی تعظیم وتکریم کا برتاؤ کررہا ہے جو اس کے درجہ کا لحاظ کرتے ہوئے بجز بادشاہ کے اور کسی کے ساتھ نہ ہونا چاہئے، اور اس وقت وہ بھی سمجھ جائیں گے کہ یہ

معمولی لباس والا بادشاہ ہی ہے اس خیال کے آتے ہی فوراً وہ اپنی نگاہیں نیچی اور آوازیں پست کرلیں گے اوراس کی خدمت کے لئے دوڑتے اور اس کے دیدار و احترام کے لئے بھاگتے پھریں گے۔

اب بتلاؤ کہ ان لوگوں نے جو بادشاہ کی تعظیم وتکریم اس وقت کی ہے اس میں بادشاہ کی صورت کو دخل ہے یا ان کے علم ومعرفت کو یقیناً بادشاہ کی صورت تو ان کے سامنے پہلے بھی تھی اور (صورت سے) وہ یہ نہیں سمجھے کہ یہ بادشاہ ہے، کیونکہ وصف بادشاہت کسی کی صورت کا عین نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایک اضافی صفت اور نسبی رتبہ ہے جو اپنی ماتحت رعیت پر حکومت کرنے سے حاصل ہوتا ہے (بادشاہ کی صورت پر یہ نہیں لکھا ہوا ہوتا کہ بادشاہ ہے یا کون ہے)۔

پس یقیناً لوگوں کے قلوب میں جو اثر بعد کو ہوا ہے وہ ان کے اس علم ہی کا اثر ہے جو ان کو بعد میں حاصل ہوا اور علم ہی نے بادشاہ کا یہ احترام کرایا ہے۔ (پس اب تم علم کو کسی طرح فضول نہیں کہہ سکتے کیونکہ عمل کی تکمیل بدون علم ومعرفت کے نہیں ہوسکتی یقیناً ایک عارف جس احترام وتعظیم کے ساتھ نماز پڑھے گا جاہل غیر عارف اس طرح نماز نہیں پڑھ سکتا)۔

آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اتنی ہوگی جتنا وہ قرآن کو سمجھے گا

جب تم نے یہ بات سمجھ لی تو اب جانو کہ تلاوت قرآن کرنے والے کو خدا تعالیٰ کی عظمت کا علم اسی قدر ہوگا جس قدر اس کو قرآن کی زجر وتوبیخ اور دھمکیوں سے خوف ہوگا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بعض دفعہ دو آدمی قرآن پڑھتے ہیں جن میں سے ایک تو خشوع وگریہ وزاری کے ساتھ پڑھتا ہے اور دوسرے کو ان چیزوں کی ہوا بھی نہیں لگی اس میں قرآن کا اثر کچھ ظاہر نہیں ہوتا پھر اس کا سبب بجز اس کے اور کیا ہے کہ خشوع کرنے والا اس بات کو جانتا ہے جس کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اس امر کا مشاہدہ کررہا ہے جس کو وہ آیت متضمن ہے اور اسی کے اثر نے اس شخص کو رلا دیا اور خاشع

بنا دیا ہے اور دوسرا شخص ان معانی سے اندھا ہے قرآن اس کے گلے سے نیچے (دل تک) نہیں اترتا اور نہ اس میں ایسی تلاوت کا کچھ اثر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ظاہری الفاظ آیت سے اثر نہیں ہوتا بلکہ اثر اس علم و معرفت کی وجہ سے ہوتا ہے جو مشاہدہ کرنے والے عارف کی ذات سے قائم ہے جو اس امر کا مشاہدہ کررہا ہے جس کے لئے آیت نازل ہوئی ہے پس تمہارے اندر ہمیشہ تمہارے علم اور مشاہدہ ہی کا اثر ہوگا (خوب سمجھ لو) اگر عارف کو ان امور کا علم نہ ہوتا تو قرآن اس کو اس طرح نہ گھبرادیتا۔ (کہ وہ گریہ وزاری میں آپے سے باہر ہوجاتا ہے)۔

اور جب مجھ کو اس حالت کا ذوق حاصل ہوا ہے تو میں قرآن کے پڑھنے اور زبان سے ادا کرنے پر (بالکل) قادر نہ ہوتا تھا نہ نماز میں نہ نماز کے علاوہ جس کے اسباب ایسے تھے جن کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو اس حالت کا ذوق حاصل ہوچکا ہے اور وہ اس حالت میں مجھے معذور سمجھے گا اور جسے یہ ذوق حاصل نہیں ہوا وہ مجھ کو معذور نہ سمجھنے میں خود ہی معذور ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اکثر اہل اللہ کا بنا سنوار کر اور متعدد روایتوں میں قرآن نہ پڑھنے کی وجہ

اور اسی لئے اہل اللہ ان باتوں سے غائب (اور بہت دور) ہوتے ہیں جن کا اکثر قراء تلاوت کی حالت میں قصد کیا کرتے ہیں (یعنی الفاظ کا بنانا سنوارنا اور تحسین وتجوید کی طرف توجہ منعطف کرنا۔ اہل اللہ بقدر ضرورت تصحیح قرآن کر کے معانی کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں الفاظ کی طرف ان کی توجہ بہت زیادہ نہیں ہوتی) کیونکہ قرآن میں (اہل اللہ کی) بڑی آزمائش ہے اور جن اشارات وتوبیخات پر حق تعالیٰ نے ان کو مطلع کیا ہے ان کی بابت ان سے باز پرس ہوتی ہے (کہ تم نے اس اشارہ کا کیا حق ادا کیا) اور صاحب کلام (کے مرتبہ) کی مراعات بھی ان پر لازم ہوتی ہے۔

اور جو شخص اہل دربار میں سے ہو اور وہ حق تعالیٰ کے سامنے اس کے کلام کی

تلاوت کرتا ہو اس سے طہارت ظاہرہ وباطنہ کا (پورا) مؤاخذہ ہوتا ہے پھر (اس حالت میں) بجز خدا تعالیٰ کے کسی اور چیز کی طرف توجہ کرنے کی ان کو کہاں گنجائش رہی۔

اسی لئے اہل اللہ متعدد روایتوں میں قرآن پڑھنے اور مختلف قراءتوں کے سیکھنے کے قائل نہیں کیونکہ اس میں عمر کا ضائع کرنا ہے اور نصیحت تو ایک قراءت سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ مثلاً ابو عمرو کی قرأت اور اسی طرح احکام الٰہی بھی ایک قرأت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور سلف صالحین میں سے ایک شخص بھی ان تمام روایتوں کے مطابق قرآن پڑھنے پر قادر نہ تھا (جن پر آج کل کے قراء قادر ہیں) اور نہ وہ اس میں مشغول ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور زبان عربی میں بہت وسعت ہے کسی قبیلہ کی لغت میں مد زیادہ ہے کسی کی لغت میں قصر ہے کسی کی لغت میں تفخیم ہے اور کسی کی لغت میں ترقیق ہے وعلیٰ ہذا البقیہ وجوہ ادا بھی سمجھ لئے جائیں (تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس ایک لغت میں قرآن کو پڑھ لیا جائے گا وہی کافی ہوگا)۔

لیکن صحابہ کے بعد ایک جماعت آئی جس نے ہر قبیلہ کی لغت کو اخذ کر کے محفوظ کر دیا اس خیال سے کہ مبادا قرآن اس حالت سے نہ بدل جائے جس حالت پر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا کہ اس وقت قبیلہ حمیر اور ہذیل اور قریش وغیرہ کی لغت میں پڑھا جاتا تھا، پس خدا تعالیٰ ان سب سے راضی ہو (کہ انہوں نے قرآن کی حفاظت میں اچھی طرح کوشش کی) مگر یہ حضرات محض روایات کی نقل پر اکتفاء نہ کرتے تھے (جیسا آج کل کے قراء کرتے ہیں) بلکہ وہ لوگ علماء ربانی، قرآن پر عمل کرنے والے، روزہ رکھنے والے، تہجد گذار، زاہد اور خدا سے ڈرنے والے ہوتے تھے، جیسا کہ ان کے طبقات سے معلوم ہوتا ہے۔

اور یہی حال ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کا تھا چنانچہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پچاس سال تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے رہے اسی طرح دوسرے ائمہ بھی

(بڑی بڑی محنتیں اور ریاضتیں کرتے) تھے وہ لوگ محض مسائل یاد کرنے پر کفایت نہ کرتے تھے (جیسا آج کل علماء میں مرض ہے بلکہ علم سے عمل کو مقصود سمجھتے اور علم کو ذریعہ جانتے تھے۔)

اپنی ساری عمر قراءت حاصل کرنے میں خرچ نہ کریں

اور جو شخص اپنی ساری عمر قرأت کے حاصل کرنے اور وجوہ قراءت کے جاننے ہی میں صرف کردے اور اپنی توجہ کو ان مواعظ ونصائح اور تہدیدات وتخویفات کی طرف منعطف نہ کرے جن سے قرآن بھرا ہوا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک بادشاہ نے کسی کے پاس ایک خط بھیجا ہو جس میں بہت سی باتوں کے متعلق اس کو اوامر ونواہی (قواعد واحکام) تحریر کئے ہوں اس شخص نے کیا کیا کہ خط کو لے کر بوسہ دیا آنکھوں سے لگایا اور رات دن اس کو مد اور امالہ اور تفخیم وترقیق کے ساتھ پڑھتا پڑھتا رہا (اور جو اوامر ونواہی اس خط میں تحریر کئے گئے تھے ان میں سے ایک کی بھی تعمیل نہ کی۔

پھر بادشاہ نے ایک آدمی کو اس کے پاس بھیجا کہ جا کر دیکھے کہ اس نے احکام شاہی کی کس حد تک تعمیل کی قاصد نے دیکھا کہ اس نے ایک حکم کی بھی تعمیل نہیں کی بجائے عمل کے خوش الحانی کے ساتھ اس خط کی تلاوت کر رہا ہے اس نے یہی حال بادشاہ سے جا کر کہا اب تم سوچو کیا بادشاہ کو اس خالی تلاوت سے کچھ خوشی ہو سکتی ہے اور وہ اس کو اپنا مطیع وتابع دار غلام سمجھ سکتا ہے اور کیا بادشاہ کے خط بھیجنے سے یہی مراد تھی جو اس نے سمجھی کہ امالہ اور (ترقیق وتفخیم کے ساتھ پڑھتا رہے) اور کیا جس کو کچھ بھی عقل ہو وہ (مکتوب شاہی کے ساتھ) ایسا برتاؤ کر سکتا ہے (ہرگز نہیں) اس مضمون کو سمجھ جاؤ اور اس کی ضد میں جھگڑا نہ نکالو۔ کیونکہ اس کا وبال بہت بڑا ہے۔

ایسے ہنر میں مشغول ہونا جو یکسو اور عفیف بنا دے
ان علوم میں مشغول ہونے سے بہتر ہے جن پر عمل نہ کیا جائے

اور (بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ انہوں نے قرآن کی تلاوت ہی کو ذریعہ معاش بنالیا ہے کہ مخلوق کے دکھانے کو قرآن پڑھتے رہتے ہیں تاکہ کوئی ان کو غریب سمجھ کر کچھ دیدے، اسی طرح بعض لوگ منطق وغیرہ کی تحصیل میں تمام عمر ضائع کر دیتے ہیں، حالانکہ کوئی شخص ان علوم کی بابت اس سے کچھ پوچھتا بھی نہیں اور نہ اس کے متعلق کوئی گفتگو کرتا ہے اور (تماشا یہ ہے کہ) یہ طالب علم روٹی روٹی کا محتاج ہے اور کوئی اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتا اور یہ لوگوں کے ہاتھوں کو تکتا ہے کہ ان کا میل کچیل زکوۃ صدقہ کچھ مل جائے اس کو جلدی ہی ذلت نصیب ہوتی ہے اور کچھ نہیں ملتا۔

اور اس نے ان فضول اور زائد علوم میں مشغول ہو کر اپنے کو رات کے اٹھنے سے بھی محروم رکھا اور کوئی ایسا پیشہ بھی نہ سیکھ لیا جس کی بدولت مخلوق کا دست نگر ہونے سے محفوظ رہتا۔ اور یہ طریقہ بے کار لوگوں کا ہے ان کو اس کی پروا نہیں کہ (جو) علم (ہم سیکھ رہے ہیں اسی) پر عمل بھی ہوتا ہے یا نہیں اور نہ اس کی پروا ہے کہ ہم بدون پیشہ اور ہنر کے کس طرح (حرام طریقہ سے) دنیا کما رہے ہیں اور اس لا پروائی کے اسباب اہل حجاب کو آخرت میں منکشف ہوں گے۔

پس (یاد رکھو! کہ) ایسے پیشہ میں مشغول ہو جانا جو انسان کو لوگوں سے یکسو اور عفیف بنا دے ان علوم میں مشغول ہونے سے دنیا و آخرت دونوں میں زیادہ بہتر و افضل ہے جن پر عمل نہ کیا جاوے جو الٹے اس عالم پر حجت ہو جاویں۔

اس شخص کی ایسی مثال ہوگی جیسے کوئی شخص ایک ایسے اجاڑ شہر میں جس کی ساری آبادی ہلاک ہو چکی ہے ایک تنور کو رات دن دھونکائے جائے اس امید پر کہ شاید کوئی آدمی میرے پاس روٹی پکوانے آجاوے۔ اسی حال میں اس کو برس گذر گئے

مگراس کے پاس کوئی بھی نہ آیا تو کسی نے اس کو نصیحت کی کہ بھائی اس شغل کو یہاں سے چھوڑ کر کسی آباد شہر میں جا کر بسو اور وہاں جا کر باورچی یا نانبائی کا پیشہ کرو جس سے تم کو بھی نفع ہو اور مخلوق کو بھی فائدہ پہنچے اس شخص نے ناصح کی نصیحت ماننے سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ ممکن ہے دنیا دوبارہ آباد ہو اور کچھ لوگ اس (اجاڑ) بستی کو آ کر آباد کریں اور مجھ سے روٹی پکوائیں (اس لئے میں کہیں نہیں جاتا) اور ہمیشہ راتوں کو جاگ جاگ کر تنور کو دھونکا تا رہا۔ پس (یقیناً) یہ شخص اس کام میں کسی ثواب کا مستحق نہیں نہ عند اللہ نہ عند الناس نہ دنیا میں نہ آخرت میں اور اس نے بے کار اپنی جان کو مشقت میں ڈالا اور اپنی عمر ضائع کی۔

(اسی طرح جو لوگ رات دن منطق و فلسفہ کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جن کو دنیا میں بجز چند احمقوں کے کوئی پوچھتا بھی نہیں وہ محض اپنی عمر ضائع کرتے ہیں، دراصل منطق علم آلی ہے اس کو اسی قدر حاصل کرنا چاہئے جتنا علم آلی کا حق ہے اس کے بعد مقاصد میں لگنا چاہئے۔ علیٰ ہذا فلسفہ کی تعلیم مخالفین اسلام کا جواب دینے کے لئے مفید ہے یہ بھی عوارض میں سے ہے نہ کہ مقاصد میں سے تو اس میں اس درجہ مشغولی کہ مقاصد سے بھی بڑھا دیا جائے بجز حماقت کے اور کچھ نہیں، جس پر مرنے کے وقت حسرت ہوگی)۔

بے مقصد علوم میں مشغول ہونے پر ایک شبہ

کوئی یہ کہے کہ صاحب! حق تعالیٰ نے اس شخص کو اسی کام میں لگا دیا ہے لہٰذا یہ اس سے کیونکر نکل سکتا ہے، بلکہ) اس کا نکلنا تو ناممکن ہے ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ یہ کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس میں ارادہ خداوندی سے احتجاج ہے (اور یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ ارادہ سے احتجاج نہیں ہوسکتا)۔[1]

---

[1] خلاصۂ مقام یہ ہے کہ اگر ارادۂ خداوندی کو کسی کام کے حسن کی دلیل بنایا جائے گا تو دنیا کوئی چیز بری نہ رہے گی کیونکہ ارادہ الٰہی سے کوئی چیز باہر نہیں، خدا تعالیٰ کا ارادہ خیر شر دونوں کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، مگر رضا

اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو انبیاء ورسل علیہم السلام جتنے اوامر ونواہی لائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کا تعلق صرف خیر کے ساتھ ہے شر کے ساتھ نہیں اور کسی شی کے حسن کی دلیل رضاء الٰہی ہوا کرتی ہے ارادہ دلیل نہیں۔ اور ارادہ ورضا میں فرق ایک مثال سے واضح ہو جائے گا، مثلاً کسی بادشاہ نے رعایا کے امتحان کے لئے حکم دیا کہ فلاں مکان کے پاس کوئی نہ جاوے اگر کوئی جاوے گا تو ہم اس کو اسی مکان میں بند کر دیں گے جس کے اندر بچھو کانٹے وغیرہ بھرے ہوئے ہیں۔ اب بادشاہ کی خوشی تو یہ ہے کہ اس مکان کو کوئی بھی ہاتھ نہ لگائے یہ تو رضا ہے لیکن اگر کوئی سرکش وہاں جائے گا تو بادشاہ اپنے قانون کے مطابق قصداً اسے وہاں بند کر دے گا پس جتنے قیدی وہاں بند ہوں گے وہ بادشاہ کے ارادہ سے تو بند ہوئے ہیں مگر رضا خوشی سے بند نہیں ہوئے بلکہ بادشاہ کو ناراض کر کے وہاں پہنچے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے مخلوق کے امتحان کے لئے دنیا میں بھلی اور بری دونوں قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں اور ہمارے اندر ارادہ واختیار کی کچھ طاقت پیدا کر کے فرما دیا ہے کہ میری خوشی تو اس میں ہے تم سب نیک کام کر کے جنت میں جاؤ لیکن امتحان کے لئے ہم قاعدہ مقرر کرتے ہیں کہ جو شخص جس راستہ کو اختیار کرے گا ہم اس کے ہاتھوں سے اسی قسم کے افعال ظاہر کرا دیں گے اب بعض لوگ اپنے اختیار سے برے کام کرنے کی طرف مائل ہوئے اور ان کا ارادہ کیا۔ حق تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق وہ افعال گندہ ان کے ہاتھوں سے ظاہر کر دیئے پس گو اس صورت میں حق تعالیٰ نے اپنے ارادہ سے اس شخص کو گناہ میں مبتلا کیا ہے مگر رضا اور خوشی اس میں نہ تھی۔

امتحان لینے والا یہ کب چاہا کرتا ہے کہ امتحان دینے والے فیل ہوں اگر امتحان لینے والا مہربان ہو تو وہ یہی چاہے گا کہ سب پاس ہو جائیں لیکن اس پر بھی اگر کوئی نالائق محنت وہمت سے کام نہ لے غلط جوابات لکھے تو ظاہر ہے کہ اس وقت ممتحن اپنے ارادہ وقصد سے اس کو فیل کر دیتا ہے اب اگر یہ فیل ہونے والا یوں کہنے لگے کہ صاحب ممتحن نے مجھے اپنے ارادہ سے فیل کیا ہے تو پھر میں کیونکر پاس ہو سکتا تھا اس کا جواب ہر شخص یہی دے گا کہ ممتحن نے فیل کرنے کا ارادہ اپنے قانون کے موافق کیا جب کہ تو نے غلط جوابات لکھے ورنہ اس نے تم کو فیل ہونے پر مجبور ہرگز نہ کیا تھا بلکہ اس کی مرضی یہ تھی کہ تم سب پاس ہو جاتے۔

اس موقع پر اس مسئلہ کی اس سے زیادہ تفصیل نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ان لوگوں کے واسطے لکھ دی گئی ہے جن کو از خود اس موقع پر شبہ پیدا ہوا اور جس کو شبہ نہ ہو وہ اس مقام میں غور ہی نہ کرے ورنہ پریشانی بڑھے گی اس مسئلہ میں تشفی کاملین وعارفین کی صحبت سے ہوتی ہے۔ ۱۲ مترجم

ہیں اور احکام کے جس قدر مراتب بیان کئے گئے ہیں سب رد ہو جاویں گے اور ہم کو کسی علم کا دوسرے سے اشرف و افضل ہونا معلوم نہ ہو سکے گا اور تمام ادیان برابر ہو جاویں گے (حق و باطل کا امتیاز نہ رہے گا) کیونکہ ارادہ سے تو ان میں سے کوئی چیز بھی خارج نہیں پس سمجھ سے کام لو اور ادب کو لازم سمجھو۔

غرض یہ مثال سابق ان لوگوں کی مثال ہے جو ایسے علوم میں مشغول ہوتے ہیں جن کی ضرورت کسی کو نہیں اور نہ ان سے حق تعالیٰ کے خوف میں کچھ ترقی ہوتی ہے۔

تمام علوم میں معرفت الٰہی کا راستہ موجود ہے

اور جاننا چاہئے کہ اہل اللہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جتنے علوم ہیں حتی کہ حساب و ہندسہ اور علوم ریاضی و منطق اور علم طبعی سب کے سب خدا تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں اور ان میں بھی معرفت الٰہی کا راستہ موجود ہے۔ پس ان علوم کو ذات حق سے حجاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان میں نظر کرنے والے اس طریقہ پر نظر نہیں کرتے جس سے یہ علوم خدا تک رہنمائی کرتے ہیں، اسی لئے خدا نے بھی ان کو اس راستہ سے محجوب کر دیا جو حضرت حق پر (ان علوم کے واسطہ سے) دلالت کرتا ہے پس اب جو کوئی ان میں ایک لحظہ کے لئے بھی مشغول ہو اس کے لئے مذمت و ملامت مقرر کر دی گئی غرض یہ بات معلوم ہو گئی کہ وہ تمام علوم جو اکثر لوگوں کو خدا تعالیٰ سے محجوب کر دیتے ہیں اہل اللہ[1] کے نزدیک ان میں کچھ حجاب نہیں ہے۔ خوب سمجھ جاؤ۔

اور اگر کوئی شخص (غیر ضروری علوم میں مشغول ہونے کے لئے بطور دلیل کے) یہ کہے کہ میں اس علم میں اس واسطے مشغول ہوتا ہوں تا کہ یہ بھلا نہ دیا جائے تو ہم اس

[1] حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ کا بھی یہی خیال تھا کہ ان کے لئے کوئی علم سبب حجاب نہ تھا۔ فرماتے تھے کہ ہم تو جو ثواب حدیث و تفسیر میں سمجھتے ہیں وہی منطق و فلسفہ میں سمجھتے ہیں، ہم کو کوئی علم مضر نہیں، ہمارے لئے سب میں ثواب ہے۔ ہاں جن لوگوں کی استعداد ناقص ہے ان کو فلسفہ وغیرہ مضر ہو جاتے ہیں سمعتہ من سیدی حکیم الامۃ دام مجدہم ۱۲ مترجم

سے کہیں گے کہ اگر حق تعالیٰ کو علم اور اہل علم کا اٹھانا ہی منظور ہے تو پھر اس کی حفاظت پر کسے قدرت ہے اور (تم کیا خاک اس کی حفاظت کر سکتے ہو) تم نے اپنے بھولنے کا خود مشاہدہ کیا ہوگا کہ جتنا کسی علم کو یاد کرتے ہو اتنا ہی بھولتا جاتا ہے پھر اس کا سبب بجز اس کے اور کیا ہے کہ حق تعالیٰ علم کو اٹھانا ہی چاہتے ہیں کہ اب ہر شخص محض زبان ہی سے علمی گفتگو کرتا ہے اس کے دل تک کچھ اثر نہیں پہنچتا اور ہر سال (دن بدن) تنزل ہی ہوتا جارہا ہے۔

اس راز کو سمجھ لو اور خدا تم کو ہدایت کرے اور وہی اپنے نیک بندوں کا مددگار ہے (پس فضول اور بے کار علوم میں ان کی حفاظت کے خیال سے بھی مشغول نہ ہو، بلکہ ضروری اور اہم علوم کو حاصل کر کے عمل کا اہتمام زیادہ کرو) اور کیا قبر میں منکر ونکیر اور جہنم کے فرشتوں سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تم اس شخص کو اس لئے چھوڑ دو کہ یہ معاملات کے تمام ابواب کا حافظ تھا اور فقہ واصول ونحو کے ابواب سب اس کے دل میں محفوظ تھے یا اس واسطے چھوڑ دو کہ یہ مدواماله وتفخیم وترقیق کے ساتھ پڑھا کرتا تھا ہرگز نہیں، بخدا ان چیزوں میں سے کسی کی وجہ سے بھی نہ چھوڑا جائے گا نہ اس کی کچھ عزت ہوگی۔

بلکہ محض[1] تقوی وعمل صالح اور معرفت خدائے عزوجل اور ترک ایذاء مخلوق کی وجہ سے بندہ مکرم ومعزز ہوگا اور جس کو اس میں کچھ شک وشبہ ہو تو آخرت میں جا کر یقیناً دیکھ لے گا (منتظر رہے) اور بھلا جو شخص روزانہ ایک ختم کرتا ہو اور قرآن کی طرف توجہ خاک نہ کرتا ہو نہ اس کے مواعظ وزواجر سے نصیحت لیتا ہو اور جب اس کے پاس دنیا کی کوئی چیز آجاوے تو اس کی طرف کود کر جاتا ہو اور جو کوئی اس دنیا کے لینے میں اس سے مزاحمت کرے اس کی آبرو کو چاک کر کے ڈال دیتا ہو اس شخص کے روزانہ ختم کرنے سے کیا فائدہ؟

---

[1] میں کہتا ہوں کہ حضرت حکیم الامت کو بھی انہی چار باتوں کا زیادہ اہتمام ہے بالخصوص امر چہارم کا، بس ان [illegible] کو کچھ سمجھتے ہیں، نہ انوار کو، نہ کشف کو اور نہ الہام کو، وفقنا اللہ ۱۲ منہ

تلاوت قرآن بفہم اور بلا فہم کا ایک مطلب

اور ہمارے شیخ (علی خواص) رضی اللہ عنہ سے رب العزۃ جل شانہ کے اس ارشاد کا مطلب دریافت کیا گیا جو حق تعالیٰ نے احمد بن حنبلؒ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا جو کہ بحالت خواب کیا گیا تھا کہ اے پروردگار! تقرب حاصل کرنے والے آپ کی طرف کس چیز کے ساتھ تقرب حاصل کریں فرمایا میرے کلام کے ذریعہ سے (قرب حاصل کریں) امام احمد بن حنبلؒ نے عرض کیا **یارب بفهم او بلافهم** (سمجھ کر یا بدون سمجھے ہی)۔

ارشاد ہوا کہ فہم سے ہو یا بغیر فہم کے ہو تو شیخ نے بفہم کا مطلب تو یہ بتلایا کہ اس سے وہ فہم مراد ہے جو علماء کے ساتھ مخصوص ہے اور بغیر فہم سے محققین عارفین کی معرفت مراد ہے کیونکہ عارفین کے پاس کلام حق سمجھنے کے لئے بجز کشف صحیح اور ذوق کے اور کوئی ذریعہ نہیں نہ وہ فہم سے کام لیتے ہیں نہ فکر سے یہ تو علماء ظاہر ہی کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس میں شیخ نے طویل گفتگو فرمائی جیسا کہ ہم نے (کتاب) الاسئلہ میں ذکر کردیا ہے۔

پھر فرمایا کہ اس شخص کی حالت پر تعجب ہے جو اس فہم سے بھی محروم ہے جس کا نام علم ہے وہ حق تعالیٰ کا تقرب جہل کے ذریعہ سے کیونکر چاہتا ہے اس میں تامل[1] کرو یہ نفیس باتوں میں سے ہے اور اوپر ہم نے جو کچھ علم بے عمل کی مذمت اور علوم زائدہ سے ملامت کی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ علوم فی نفسہ مذموم ہیں) ہم یہ نہیں کہتے کہ تم علوم میں مشغولی نہ کرو ان کو چھوڑ دو اور نہ ہم تم کو تلاوت قرآن چھوڑنے کا حکم کرتے ہیں

---

[1] مترجم عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ میں نے اس مقام میں غور کیا میرے نزدیک تو شیخ علی خواص نے جو مطلب اس ارشاد منامی کا بیان فرمایا ہے محض ایک نکتہ ہے جو اپنے غلبۂ حال کے مناسب انہوں نے بیان فرمادیا ہے ورنہ ظاہر مطلب جو اس ارشاد کے الفاظ سے متبادر ہوتا ہے یہ ہے کہ قرآن سے تقرب دونوں طرح حاصل ہوتا ہے سمجھ کر پڑھنے سے بھی اور بدون سمجھے ہوئے پڑھنے سے بھی تلاوت قرآن بدون سمجھے ہوئے بھی باعث برکت وثواب ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ باقی یہ ضرور ہے کہ صاحب فہم وغیر صاحب فہم کے تقرب میں زمین آسمان کا فرق ہوگا ۱۲ مترجم

بلکہ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ بندہ کو مناسب یہ ہے کہ ایسے کام میں مشغول ہو جس کا نفع متعدی ہو اور اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں اس پر کسی طرح کا وبال عائد نہ ہو خوب سمجھ جاؤ۔ (اور تحصیل علوم اور تلاوت قرآن میں اس بات کا ضرور لحاظ رکھو)۔

یہ نہیں سنا گیا کہ کسی کی بخشش نرا علم کی بنا پر ہوئی ہو

اور تم کو جاننا چاہئے کہ ائمہ میں سے کوئی شخص (مرنے کے بعد خواب میں) یہ کہتا ہوا نہیں دیکھا گیا کہ مجھے علم کی برکت سے بخش دیا گیا کیونکہ اکثر علوم میں نفس کا دخل (کچھ نہ کچھ ضرور) ہو جاتا ہے۔ اور سیدی ابو الحسن شاذلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس علم میں تمہارے اوپر خطرات (ووساوس کا ہجوم ہو اس کی طرف نفس مائل ہو اور طبیعت کو اس سے لذت حاصل ہو اور وہ خدا اور سول کی طرف سے نہ ہو تو اس کو الگ پھینکو۔[1]

وبالخلفاء الراشدین والصحابة والتابعین من بعده وبالهداة الائمة من رحمته بخلقه غفرلهم مااخطئوا فی تاویله اذا بذلو الوسع ولم یخرجوا عن لسان الشرع فان لم یبدلو الوسع فتفسیر هم لیس عن فهم ولاعن علم فافهم۔

اور خلفاء راشدین کا اتباع کرو اور صحابہ کا اور ان کے بعد تابعین کا اور (بالخصوص) ائمہ (اربعہ) کا جو کہ رہنمائے (امت) ہیں۔ اور حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر رحم فرما کر مجتہدین کی اس خطا کو معاف فرما دیا ہے جو تفسیر (احکام) شرع میں ان سے سرزد ہو جائے بشرطیکہ وہ اپنی سی کوشش پوری صرف کر چکیں اور شارع کی زبان سے باہر نہ نکلیں (یعنی ایسی تفسیر نہ کریں جس کو لسان عربی متحمل نہ ہو) اور اگر وہ پوری کوشش

---

[1] اس جگہ نسخۂ مصریہ میں عبارت مختل ہے۔ میں نے حضرت حکیم الامت سے رجوع کیا فرمایا غالباً یہاں سے بعض الفاظ ساقط ہو گئے ہیں پھر حضرت کے ارشاد کے موافق میں نے اس عبارت کا ترجمہ کر دیا اگر کسی کے پاس اس کتاب کا صحیح نسخہ ہو تو وہ براہ کرم کچھ عرصہ کے لئے اگر عاریۃً ہم کو بھیج دیں تو ہم غایت درجہ مشکور ہوں گے ۱۲ مترجم:

صرف نہ کریں تو ان کی تفسیر نہ فہم سے ہوگی نہ علم سے (اس لئے ایسی تفسیر کی غلطیاں معاف نہ ہوں گی) خوب سمجھ لو۔

پس (اس تقریر سے) معلوم ہوا ہوگا کہ مجتہدین کتاب وسنت سے جو کچھ سمجھتے ہیں وہ محض اپنی ذات کے واسطے سمجھتے ہیں نہ کہ مخلوق کے واسطے یعنی وہ شریعت کو اس واسطے انہیں[1] سمجھتے ہیں کہ ہر فرد عالم پر اپنی تقلید کو واجب کریں بلکہ ائمہ مجتہدین میں سے تو بعضوں نے اپنی تقلید سے منع کیا اور لوگوں کو حکم کیا ہے کہ اپنے لئے نظر (واجتہاد) کا درجہ حاصل کرنے کوشش کریں۔ کیونکہ ہر ایک مجتہد نے وہی بات سمجھی ہے جس کو ان کی استعداد نے قبول کیا اور جو شخص کسی امر کو سمجھ جائے اس پر اپنے فہم کے موافق عمل کرنا لازم ہے لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا .[2] حق تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ خوب سمجھ لو۔

جن احادیث میں بظاہر تعارض ہو ان کی کوئی صحیح تاویل کریں

(۱۳) اور طالب علم کی یہ شان بھی ہونی چاہیے کہ جن احادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہو ان کی مختلف صحیح طریقوں سے تاویل (وتفسیر) کرے اور جہاں تک ممکن ہو شریعت کی کسی چیز کو (رد کر کے) نہ پھینکے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا ہے۔

(میں کہتا ہوں کہ علامہ اپنے مذہب سے پورے واقف ہیں اس لئے صرف اپنے امام کا حال بیان فرما دیا۔ احقر مترجم نے مذہب حنفی کا کسی قدر مطالعہ کیا ہے تو یہی

---

[1] علامہ کا مطلب غالباً یہ ہے کہ ہر شخص کو درجۂ اجتہاد حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے جب درجۂ اجتہاد حاصل ہونے سے مایوسی ہو جائے تب تقلید کرنی چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ آج کل اسباب اجتہاد ہی مفقود ہیں پھر کوئی کیا خاک کوشش کرے آج کل حدیث کی بھی تو سب کتابیں نہیں ملتیں، نہ اسماء رجال کا ذخیرہ کافی دستیاب ہوتا ہے۔ پھر قدرتی طور پر حافظے بھی کمزور ہیں عربیت سے ذوق صحیح حاصل ہونے کے لئے عرصہ دراز کی ضرورت ہے لہٰذا اس وقت بدون تقلید کے کچھ چارہ نہیں ۱۲ مترجم

[2] البقرۃ: ۲۸۶

حال ائمہ حنفیہ کا پایا کہ وہ احادیث نبویہ کا محمل حسن ہمیشہ بیان کردیتے ہیں اور کسی حدیث کو جب تک ممکن ہوتا ہے رد نہیں کرتے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کسی آیت کو منسوخ قرار دے کر رد نہ کرتے تھے بلکہ ہر منسوخ آیت کا کوئی محمل حسن بیان فرمادیا کرتے تھے)۔

پس طالب علم کو اس سے بچنا چاہئے کہ شریعت میں سے صرف وہی چیزیں لے جو اس کی نظر کے موافق ہوں اور جو اس کے سوا ہو اس کو پھینک دے یا اس کو خطاب عالم بنا دے جس کو عوام سمجھ بھی نہیں سکتے اور جس حدیث کے موافق اپنے امام کا قول نہ ہو، اس سے نفرت کرنے سے ڈرنا چاہئے، اور اچھے طریقے پر اس کی تاویل کرنی چاہئے اور سب کو حق پر سمجھے کیونکہ ہر ایک نے اپنے اجتہاد ہی سے کہا ہے (جو کچھ کہا) اور حق میں بہت وسعت ہے اور ہمارے نبی ﷺ مقامات قرب میں ہمیشہ ترقی کرتے رہتے تھے۔

پس ہر مجتہد کے پاس جو امر و نہی پایۂ ثبوت کو پہنچا اس نے وہی لے لیا اور یہیں سے مجتہدین کے مذاہب متفرق ہوگئے (کہ ایک کے نزدیک ایک حدیث میں جو حکم تھا وہ اصل مامور بہ معلوم ہوا اور دوسری حدیث میں اس نے تاویل کرلی اور دوسرے مجتہد نے اس کے برعکس کیا اور ایک کے نزدیک ایک حدیث کی نہی اصل معلوم ہوئی اور دوسری میں اس نے تاویل کرلی وعلی ہذا) اور چونکہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کو مقامات قرب میں اپنی ذاتی ترقی کا حال معلوم تھا اس لئے آپ نے مجتہدین کو اجازت دی کہ وہ احکام کے مستنبط کرنے میں ہمت صرف کریں پھر کبھی تو آپ ﷺ ان کی تصویب کردیتے ہیں بوجہ کمال استعداد مجتہد کے اور کبھی دوسری حیثیت سے استعداد ناقص ہونے کے سبب، ان کی خطا بتلادیتے ہیں اور دونوں حالتوں میں آپ ﷺ نے ان کے لئے ثواب بیان فرمایا ہے۔ پس جو کوئی بھی خطا کرتا ہے وہ اس وقت اپنی استعداد کے ناقص ہونے کے سبب خطا کرتا ہے اور اگر (ہر شخص کی) استعداد (ہر وقت) کامل ہوا کرے تو کوئی مجتہد کبھی

غلطی نہ کرتا۔

پس معلوم ہوا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسی حدیث کے منسوخ ہونے کی تصریح نہ ہو اس وقت تک محض اپنی رائے سے کسی حدیث کو منسوخ کہنے میں جلدی نہ کی جائے کیونکہ بعض دفعہ وہ کسی مجتہد کے مذہب کی دلیل ہوا کرتی ہے تو (اس کو منسوخ قرار دے کر) یہ شخص ائمہ کے ساتھ بے ادبی (کرنے کے وبال) میں گرفتار ہو جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے جوابات سوال کرنے والوں کی استعداد کے موافق اور آپ کی گفتگو پاس بیٹھنے والوں کی حالت کے مناسب ہوا کرتی تھی پس (یقیناً) جو گفتگو آپ کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتی تھی وہ (دیہاتی عربوں کے ساتھ نہ ہو سکتی تھی لہٰذا حضور ﷺ کے ہر قول کو ہر فرد امت کے حق میں عام کر دینا صحیح نہیں اور یہ ایک معقول بات ہے (جس پر دلیل موجود ہے۔)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے امرت ان اخاطب الناس علی قدر عقولهم[1] اور اسی قبیل سے حضور ﷺ کا ایک باندی سے یہ پوچھنا بھی تھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں ہے آپ نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم یہ تو مؤمنہ ہے اور اگر آپ اکابر صحابہ سے اس قسم کا سوال فرماتے تو اینیت کے ساتھ کبھی سوال نہ فرماتے (یعنی یوں نہ پوچھتے کہ خدا کہاں ہے بلکہ شاید یوں پوچھتے کہ خدا کی شان کیا ہے صفات کیا ہیں) کیونکہ صحابہ کو اینیت کا جناب حق میں محال ہونا معلوم تھا۔

اور جاننا چاہئے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس کے مامور تھے کہ ایسے الفاظ میں گفتگو فرمائیں جن میں حق منحصر (اور واضح و مبین) ہو جاوے کیونکہ آپ بیان کرنے والے ہیں (اور مبین آپ کا لقب ہے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں "وما ارسلنا من رسول

---

[1] ضعیف بهذا اللفظ وله شواهد صحیحة کذا یظهر من المقاصد الحسنة للسخاوی ص ۴۵۔ مترجم ۱۲ منه۔

الا بلسان قومه لیبین لھم"[۱] اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا ہے تا کہ ان سے (احکام کو) صاف صاف بیان کر سکے۔[۲]

(اسی لئے حضور ﷺ نے اس باندی سے اس طرح گفتگو فرمائی جو اس کی عقل میں آسکے اور وہ سمجھ سکے) اگر حضور ﷺ کے سوا کوئی دوسرا شخص اینیت کے ساتھ سوال کرتا تو دلیل عقلی اس سائل کے جہل کی شہادت دیتی کیونکہ حق تعالیٰ کے لئے (مکان اور) اینیت نہیں ہے مگر جب سیدنا رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ تکلم فرمایا (اور باندی سے اس طرح سوال کیا) اور اس کی حکمت ہم کو معلوم ہوئی تو ہم سمجھ گئے کہ اس مخاطب کی طاقت سے یہ بات باہر تھی کہ وہ اپنے خالق وموجد کو بدون اس صورت کے سمجھ سکے جو اس کے ذہن میں جمی ہوئی ہے۔

اگر آپ اس باندی سے اس صورت کے خلاف سوال فرماتے جو اس کے ذہن میں جمی ہوئی تھی اور جس پر وہ قناعت کئے ہوئے تھی تو مقصود حاصل نہ ہوتا اور نہ اس کا مؤمنہ ہونا معلوم ہوتا۔ پس حضور اقدس ﷺ کی یہ بڑی حکمت تھی کہ آپ نے اس طریقہ اور اس عبارت سے سوال فرمایا اور اسی لئے جب اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے اس کی نسبت صرف لفظ مومنہ فرمایا یعنی یہ خدا تعالیٰ کے وجود (اور وحدانیت) کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کو عالمہ نہیں فرمایا (کیونکہ اس کا خدا کو

---

۱ ابراھیم : ٤

۲ یہاں بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو تمام عالم کی طرف مبعوث ہیں تو آپ کو تمام زبانوں کا عالم ہونا جائز تھا اور قرآن کا نزول بھی سب زبانوں میں ہونا چاہئے تھا؟ جواب یہ ہے کہ تمام عالم حضور ﷺ کی امت تو ہے مگر قوم نہیں کیونکہ قوم کہتے ہیں خاندان اور برادری کو اور آپ کا خاندان قریش ہے اس لئے قرآن لغت قریش میں نازل ہوا۔ پس قرآن کا نزول حضور ﷺ کی قوم ہی کی زبان ہوا ہے اور اسی کا وعدہ اس آیت میں ہے۔ قرآن میں یہ وعدہ کہاں ہے کہ ہم رسول کی امت کی زبان میں اسکو بھیجتے ہیں اگر بلسان قومہ کی جگہ بلسان امتہ ہوتا تب یہ اشکال پڑ سکتا تھا۔ ۱۲ مترجم۔

آسمان میں بتلانا خود اس کے قلت علم کی دلیل تھی)۔

اور اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر داخل ہوئے تو ان کو آہستہ آواز سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی آواز بلند کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنے خدا کو سنا دیا (بس یہی کافی ہے) آپ ﷺ نے حضرت صدیق سے فرمایا کہ نہیں کسی قدر آواز کو بلند کرو پھر آپ حضرت عمر کے پاس سے گزرے تو ان کو جہر کرتے ہوئے دیکھا۔ دریافت فرمایا کہ تم آواز پست کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اونگھنے والوں کو جگاتا اور شیطان کو بہکاتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں کسی قدر آواز کو پست کرو۔

تو اس واقعہ میں حضور ﷺ نے ان کو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ تم کو اپنے ارادہ سے نکل کر میری مراد کے نیچے رہنا چاہئے اور اس کی نظیریں سنت میں بہت زیادہ ہیں جو تلاش کرنے والوں کو ملیں گی (جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ مخاطب کی استعداد کے موافق کلام فرمایا کرتے تھے) اور حاصل کلام یہ ہے کہ جس شخص کو اس قوم (صوفیہ) کا مذاق کسی درجہ میں بھی حاصل نہیں ہوا وہ شریعت کے اسرار نہیں سمجھ سکتا ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نورفما لہ من نور [1] اور جس کو خدا ہی نے نور نہ دیا ہو اس کے پاس نور کہاں سے آوے؟ واللہ اعلم۔

پہلے ان علوم کو حاصل کرے جو زیادہ اہم ہیں

(۱۴) اور طالب علم کی یہ شان بھی ہونی چاہئے کہ اول ان علوم کو حاصل کرے جو زیادہ ضروری اور اہم ہیں جن کے حاصل کرنے کا وہ (اپنے دین میں) محتاج ہے جس پر عمل کرنے کی اس کو قدرت بھی ہے (مثلاً نماز روزہ کے احکام اول جانے اور ان کو اچھی طرح حاصل کرے اگر یہ غریب آدمی ہے تو اس وقت اس کو حج وغیرہ کے

[1] نور: ٤٠

احکام جاننے کی ضرورت نہیں وعلی ہذا) کیونکہ یہ زمانہ غیر اہم اور غیر ضروری علوم میں مشغولی کی فرصت نہیں دیتا۔

اور مجھے ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ نے بطریقہ کشف کے یہ بات بتلائی ہے کہ ۹۲۳ھ کے شروع سے علوم کا دل میں جمنا موقوف ہو گیا قلوب علوم کو پھینکنے لگے، علوم اپنے ٹھہرنے کے لئے دلوں میں جگہ نہیں پاتے کیونکہ وہ ان بلاؤں ہی میں مشغول ہیں جو ان پر نازل ہو رہی ہیں اور اب جو کوئی بھی علمی گفتگو کرتا ہے وہ انہی علوم کو بیان کرتا ہے جو اس سال مذکور سے پہلے اس نے حاصل کئے ہیں۔

جب تم نے یہ بات معلوم کر لی تو اب بتلاؤ کہ اس شخص کو کیا فائدہ پہنچے گا جو ساری عمر کسی خانقاہ یا مدرسہ میں رہ کر کتاب البیوع اور کتاب الرہن اور کتاب الاقاریر اور کتاب الدعاوی یا نحو ولغت ہی کے باریک باریک مسائل کا مطالعہ کرتا رہے وسیری اللہ عملکم ورسولہ[1] اور عنقریب خدا اور رسول تمہارے کاموں کو دیکھیں گے۔

اور جاننا چاہئے کہ قرآن کی تلاوت مختلف روایات اور لہجوں کے ساتھ بجز اولیاء کاملین کے جو انبیاء علیہم السلام کے (سچے) وارث ہیں اور کسی کو مناسب نہیں کیونکہ اولیاء اللہ حق تعالیٰ کے حکم کا مشاہدہ کرتے ہیں جس وقت ان کو جہر کا حکم ہوتا ہے تو اس وقت جہر کرتے ہیں۔[2] جس وقت تحسین صوت کا حکم ہوتا ہے اس وقت خوش آوازی سے پڑھتے ہیں تو یہ چیزیں ان کو حضور خداوندی اور مناجات سرمدی سے جو کہ تلاوت سے

---

[1] التوبة: ۹۳

[2] مشاہدۂ حکم الٰہی کبھی تو کشف سے ہوتا ہے اور کبھی غایت نگہداشت قلب سے یہ حالت ہو جاتی ہے کہ عارف کے دل سے ریاء وغیرہ دور ہو کر محض اخلاص رہ جاتا ہے اس شخص کے دل میں اگر کسی وقت جہر یا تحسین صوت کا داعیہ پیدا ہو تو اس کو داعیہ غیبی سمجھا جاتا ہے جب اس کا ارادہ اختیار فنا ہو چکا تو دل میں جو داعیہ پیدا ہو وہ غیب کی طرف سے ہوگا ۱۲ مترجم۔

مقصود ہیں باہر نہیں کرتیں اور اولیاء کاملین کے سوا جو لوگ ہیں وہ اپنے ضعف کی بناء پر نغمہ (اور لہجہ) اور تحسین صوت کی وجہ سے حضورِ حق سے محجوب ہو جاتے ہیں اور اصل مقصود ان سے فوت ہو جاتا ہے۔

خصوصاً مسجدوں کے امام تو تحسین صوت اور لہجہ کی رعایت اور غلطی اور خطا کے اندیشہ سے اور بے موقع وقف کر دینے (میں نمازیوں کی ملامت) وغیرہ کے خوف سے حق تعالیٰ کے ساتھ کچھ بھی دل نہیں لگا سکتے (پس ان کو یہی فکر رہتی ہے کہ ایسا بنا سنوار کر پڑھیں جس سے نمازی خوش ہوں اور کوئی شخص اس میں غلطی نہ نکال سکے) حالانکہ نماز خدا سے بات چیت کرنے کا موقع ہے وہ غیر حق کی طرف التفات کو ذرا بھی قبول نہیں کرتی اور نماز کا بڑا جزو یہ ہے کہ اس کو جملہ حقوق و آداب کے ساتھ ادا کیا جائے محض صورت ارکان بجالانے کا نام نماز نہیں (یعنی ایسی نماز درجہ کمال میں نہیں ہوتی گو فرض ادا ہو ہی جاتا ہے)۔

اور جاننا چاہئے کہ ہمارے اوپر (اصلی) فرض تو یہ تھا کہ ہم ہمیشہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں بوجہ ارشاد خداوندی ﴿وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾[1] کے (جس کا حاصل یہ ہے کہ میں نے انسان و جن کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے جب ہم اسی لئے پیدا ہوئے ہیں تو ہم کو ہر وقت اسی میں مشغول رہنا جائز تھا) مگر حق تعالیٰ نے ہم سے بوجھ ہلکا کر دیا اور ہمارے اوپر اپنی طرف متوجہ ہونا فقط نماز ہی میں فرض کر دیا تو جب ہم نماز میں بھی حق تعالیٰ سے غافل رہے اور اس میں بھی ہم کو حضور نصیب نہ ہوا تو ہم محض نام کے نمازی ہوئے اور قاعدہ یہ ہے کہ دل ہمیشہ اس چیز کی طرف متوجہ ہوا کرتا ہے جو اس کے نزدیک سب سے اشرف ہو تو (کوئی بتلائے تو سہی کہ) حق تعالیٰ سے اشرف کون چیز ہے جس کی طرف خدا کو چھوڑ کر متوجہ ہو جائے (کلا واللہ لاشئ اشرف من اللہ ولاشئ اجمل منہ واحسن ولا عذر لاحد

[1] الذاریات:٥٦

اشتغل عنه بغیره سوی الحسرة والندامة یوم القیٰمة لاجعلنا اللّٰہ منھم آمین)۔

اوراسی واسطے اہل اللہ نے کہا ہے کہ عارف پر ہر (مصیبت اور) بلاء دو رکعت نماز ٹھیک طور پر ادا کرنے سے زیادہ آسان ہے (یہ کام بڑا مشکل ہے) بلکہ جس وقت نماز کی ہیئت اچھی طرح مستحکم ہو جاتی ہے تو اس وقت عارف پر ایسی غیبت کی حالت طاری ہوتی ہے کہ وہ اس میں اور نماز کے درمیان میں حائل ہو جاتی ہے۔(جس سے نماز کے ارکان میں خلل پڑتا ہے، تو پھر بھی وہ ناقص ہی رہتی ہے)۔

اور جب مجھے اس حالت کا ذوق نصیب ہوا تو میں قرآن کا ایک حرف بھی زبان سے نہ نکال سکتا تھا نہ نماز میں نہ باہر نماز کے۔اور اگر کبھی نماز سے باہر بلا ارادہ واختیار کے قرآن کی کوئی آیت بے ساختہ میری زبان سے نکل جاتی تو میں اپنی غفلت پر استغفار کرتا تھا (کہ میں نے غفلت کی حالت میں قرآن کی تلاوت کیوں کی) اور اس کے اسباب ایسے ہیں جن کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس پر یہ حال گذرا ہو عبارت اس کے بیان سے قاصر ہے، پھر حق تعالیٰ نے اس حالت کو مجھ سے محجوب کر دیا۔فلہ الحمد۔

اور امام غزالی فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز سے غافل ہو وہ تارک صلوۃ ہے تو جس طرح ظاہر میں نماز نہ پڑھنے والا شریعت کی تلوار سے قتل کیا جاتا ہے اسی طرح جو شخص افعال باطنہ کو ترک کرے گا قیامت میں حق تعالیٰ اس کی گردن ماریں گے کیونکہ حدیث میں ہے "اعبداللّٰہ کانك تراہ "[1] خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔پس عبادت بدون خالص[2] حضور کے یا حضور صحیح کے تصور کے درست

---

[1] مسلم ج:۱، ص:۲۷، کتاب الایمان و مسند احمد ج:۲، ص:۴۲۶، ۱۲ مرتب

[2] حضور خالص تو یہ ہے کہ عبادت کے وقت ہر چیز کا حتی کہ اپنا خیال بھی دل سے اٹھ جائے۔پس یہ خیال غالب ہو جائے کہ میں خدا کے سامنے ہوں خدا کو دیکھ رہا ہوں اس خیال کا جب غلبہ ہوگا تو سوائے خدا تعالیٰ کے دل میں کوئی چیز نہ رہے گی حتی کہ اپنا خیال بھی نہ ہوگا۔اور تصور حضور صحیح یہ ہے کہ ماسوائے حق کا خیال دل سے بالکل تو محو نہ ہو، مگر یہ شخص توجہ کو سب سے ہٹا کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھتا ہے ۱۲ مترجم

نہیں ہوسکتی اہل حق کا یہی مذہب ہے خوب سمجھ جاؤ خدا تعالیٰ تم کو ہدایت کریں۔

علم حاصل کرتے ہوئے حق تعالیٰ سے یہ معاہدہ نہ کریں کہ میں اپنے علم پر ضرور عمل کرونگا

(۱۵) اور طالب علم کی یہ شان ہونی چاہئے کہ علم حاصل کرتے ہوئے حق تعالیٰ سے یہ معاہدہ نہ کرے کہ میں اپنے علم پر ضرور عمل کروں گا بدون حق تعالیٰ کی امداد (وتوفیق) کے مشاہدہ کے ایسا معاہدہ کرنا ہرگز نہ چاہئے اس لئے کہ بندہ اپنے التزامات کو پورا کرنے سے عاجز ہے کیونکہ حق تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے جو کچھ مقدر فرماتے ہیں اس میں وہ کسی قید کے پابند نہیں ہیں اور نہ حق تعالیٰ بندہ کی مراد کے تابع ہیں کہ جو وہ چاہے حق تعالیٰ وہی کریں۔ پھر بندہ اس کام (کے نہ کرنے) پر کیونکر پختگی (کے ساتھ معاہدہ) کرسکتا ہے جس سے رکنا اس کی قدرت میں نہیں ہے پس خدا کی مراد بندہ سے یہ ہے کہ وہ علم کو محض اس کا حکم بجالانے کے لئے حاصل کرے۔ رہا عمل وہ تو جتنا خدا نے اس کے لئے مقدر کردیا ہے ضرور ہوگا (اس سے زیادہ نہ ہوگا) حق سبحانہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مصالح کو اس سے زیادہ جانتے ہیں (اور جتنا عمل اس کے لئے مصلحت ہوتا ہے اسی کی اس کو توفیق دیتے ہیں) پس جو شخص اس بات کو جان چکا ہے وہ اپنی مراد کو خدا کی مراد میں فنا کردیتا ہے (اور اپنے لئے عمل کا کوئی درجہ متعین نہیں کرتا) کیونکہ مخلوق کی سعادت کا دارومدار خدا تعالیٰ کے عفو (وکرم) پر ہے نہ کہ علم وعمل پر۔

پس جس سے حق تعالیٰ مصالحت (اور درگذر) فرمادیں وہی نجات پانے والا ہے اور جس پر مناقشہ (اور نکتہ چینی) فرمائیں وہ ہلاک ہوا اگرچہ اس کے پاس تمام انس وجن کے برابر اعمال ہوں اور جو شخص حق تعالیٰ کے اس ارشاد میں تامل کرے گا ﴿واللہ خلقکم وما تعملون﴾[1] (خدا ہی نے تم کو پیدا کیا ہے اور ان اعمال کو بھی

[1] صفت: ۹٦

جوتم کرتے ہو) وہ اپنا کوئی عمل ایسا نہ پائے گا جس سے نجات (اخروی) حاصل کرے اگر چہ وہ کتنا ہی کثیر العبادۃ ہو جیسا کہ اولیاء اللہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں (کیونکہ جتنے اعمال ہم کرتے ہیں وہ سب خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں ہم کو ان میں بجز ظاہری نسبت کے اور کچھ دخل نہیں۔

پس جن اعمال کو ہم اپنی نجات کا سبب سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں ہمارے اعمال نہیں ہیں، بلکہ محض خدا نے اپنے فضل و کرم سے وہ کام ہم سے لے لئے ہیں) ورنہ (اگر حق تعالیٰ کا عفو و کرم نہ ہو تو) کبھی بندہ کو ایک حکم کے بجا نہ لانے اور کبھی ایک ممنوع سے پرہیز نہ کرنے پر (بھی) عذاب دیا جاتا ہے کیونکہ وہ عمل میں اپنے اختیار و تدبیر کو صرف کرتا اور حق تعالیٰ کے حکم کا مقابلہ کرتا ہے۔

اور (وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا، پس میں نے جو کچھ کیا تقدیر کے موافق کیا) کیونکہ زمانہ مستقبل میں حق تعالیٰ نے جو کچھ مقدر فرمایا ہے (فعل کے وقت) یہ شخص اس سے ناواقف (اور جاہل) تھا (پس وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے تقدیر کے موافق عمل کا قصد کیا تھا۔

جب اس کو آئندہ کے متعلق تقدیر کی خبر ہی نہ تھی تو پہلے سے اس کی موافقت کا ارادہ کیونکر کر لیا بلکہ یقیناً اس نے خلاف ورزی حکم الٰہی محض اپنی نفسانی خواہش کے اتباع سے کی اور حکم الٰہی کو معمولی بات سمجھ کر اس کی مخالفت پر آمادہ ہوا، اس لئے اگر حق تعالیٰ چاہیں تو ایک ایک حکم کی مخالفت پر بندہ کو سزا دے سکتے ہیں) اور (اگر حق تعالیٰ عفو و کرم کا معاملہ فرمائیں تو) کبھی گناہ کا ارتکاب بندہ کے حق میں قرب الٰہی کا سبب ہو جاتا ہے کیونکہ گناہ سے وہ اپنی نگاہ میں ذلیل (اور ندامت و شرمندگی سے) سرنگوں ہو جاتا ہے چنانچہ ہم نے بہت لوگوں میں اس حالت کا مشاہدہ کیا ہے۔

اور بعض دفعہ بندہ ظاہر میں ایک کام حکم الٰہی کے موافق کرتا ہے مگر وہ اس کے

لئے حق تعالیٰ سے بعد کا سبب ہو جاتا ہے کیونکہ اس فعل سے اس میں عجب وتکبر پیدا ہوتا اور اپنے کو ان لوگوں سے بڑا سمجھنے لگتا ہے جو اس جیسے کام نہیں کرتے اور کبھی ان لوگوں سے بھی اپنے کو بڑا سمجھتا ہے جو اس کے مثل کام کر رہے ہیں کیونکہ یہ (بدگمانی کے سبب) ان پر ریاء کا گمان کرتا ہے اور اپنے آپ کو صاحب اخلاص سمجھتا ہے چنانچہ اس کا وقوع بھی کثرت سے ہے۔

اور (خوب) سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کی مراد اپنی مخلوق سے یہ ہے کہ وہ اس کی طرف کسی طرح متوجہ ہوں خواہ طاعات کے ذریعہ سے یا گناہوں کے ذریعہ[1] سے چنانچہ جب نیک کام کرنے والا اپنی عبادت پر اترانے لگتا ہے اس وقت وہ دربار سے مردود ومطرود کر دیا جاتا ہے (کیونکہ وہ اپنی عبادت کے ذریعہ سے خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوا، بلکہ اپنی طرف متوجہ ہو گیا) پھر اس کے اوپر گناہوں کو مقدر (ومسلط) کیا جاتا ہے اس وقت وہ رونے لگتا اور خدا کے سامنے اپنی عاجزی وذلت کو ظاہر کرنے لگتا ہے تو حق تعالیٰ پھر (دوبارہ) اس کو اپنا مقرب ومقبول بنا لیتے ہیں۔

اور (قاعدہ ہے کہ) جو شخص نرمی اور ملاطفت احسان سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اس کو امتحان (وابتلاء) کی زنجیروں میں جکڑ کر کھینچا جاتا ہے چنانچہ مثل مشہور ہے "من لا یجئی بشراب اللیمون جاء بحطبه" کو جو شخص شربت لیموں (پلانے) سے نہ آئے وہ اس کی قمچی کے ذریعہ سے آئے گا (اور ہندی مثل ہے جو بات سے نہ مانے وہ لات سے مانے گا۔

---

[1] اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ گناہ بھی قرب کا ذریعہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ کسی خاص شخص کے لئے قرب کا سبب ہو جاتا ہے جیسے سنکھیا اکثر تو قاتل ہی ہوتا ہے مگر بعض دفعہ کسی کے ہضم ہو جاتا ہے تو پہلے سے زیادہ قوت کا سبب بن جاتا ہے۔ پس جس طرح ایسے واقعات سے کوئی شخص سنکھیا کو مطلقاً نافع نہیں کہہ سکتا اسی طرح گناہ کو بھی مطلقاً قرب کا سبب نہیں کہا جا سکتا، بلکہ شاذ ونادر کبھی ایسا ہو جاتا ہے ورنہ اکثر تو گناہ باعث غضب ومردودیت ہی ہے ۱۲ مترجم

پس خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا اصلی طریقہ تو عبادت وطاعات ونوافل واذکار ہی ہیں بندہ کو چاہئے کہ ان اعمال کے وقت خدا کی طرف متوجہ ہو اور ان کو محض خدا کا فضل وکرم اپنے حال پر سمجھے عجب وتکبر نہ کرے احوال وکیفیات وواردات پر نازاں نہ ہو اگر وہ ان انعامات واحسانات کے باوجود خدا کی طرف متوجہ نہ ہوا، بلکہ عجب وکبر میں پھنس کر اپنے اوپر نظر کرنے لگا تو پھر یہ انعامات اس سے چھین لئے جاتے ہیں طاعات ونوافل واذکار وغیرہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور اب اس کے اوپر معاصی کی بلاؤں کو مسلط کیا جاتا ہے اگر معاصی سے اس میں ذلت وانکسار کی شان پیدا ہوگئی اور گریہ وزاری کے ساتھ اپنی عاجزی وبے چارگی کا اس نے مشاہدہ کرلیا تو پھر مقرب ومقبول ہو جاتا ہے ورنہ معاصی سے بعض دفعہ کفر کے بھی قریب ہو جاتا ہے نعوذ باللہ منہ)۔

پس معلوم ہوا کہ طاعت اگر (عجب وکبر سے) خالص نہ ہو تو اس سے انسان میں قساوت قلب اور گستاخی پیدا ہوتی ہے چنانچہ سیدی شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری کا ارشاد ہے "رب معصیة اورثت ذلا وانكسارا خير من طاعة اورثت عزا واستكبارا" بعض وہ گناہ جن سے ذلت وانکسار (آدمی میں) پیدا ہو اس طاعت سے بہتر ہیں جس سے عزت نفس اور تکبر پیدا ہو (یعنی جس کے بعد انسان اپنے کو قابل عزت سمجھنے لگے)۔

جب یہ بات تم کو معلوم ہوگئی تو اب (سمجھو کہ) خدا تعالیٰ کے ساتھ ادب تو یہی ہے کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا معاہدہ نہ کیا جائے بلکہ بندہ اپنی حالت کو خدا کے سپرد کردے (کہ وہ جو چاہیں کام لیں وہ بندہ کی مصلحت کو اس سے زیادہ جانتے ہیں:

بدرد وصاف ترا حکم نیست دم درکش　　　　که آنچه ساقئ ما ریخت عین الطاف است[۱]

پھر جو کام حق تعالیٰ اس کے ہاتھوں سے ظاہر کریں اس کا پورا پورا حق ادا کرے (اور وہ حق یہ ہے کہ) جو کام خلاف حکم الٰہی اس سے سرزد ہو اس سے توبہ کرے

---

۱ یعنی حالات کا بدلنا اور قلوب کا پلٹنا ۱۲ مترجم

اور جو کام حکم کے موافق ظاہر ہو اس پر حمد (وشکر) کرے۔

اور اگر کوئی شخص پختگی کے ساتھ عہد کرنا ہی چاہے کہ آئندہ یہ کام کبھی نہ کروں گا تو اسکو (اس عہد میں بھی) ادب کی رعایت چاہئے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کی مشیت کا مشاہدہ (کر کے عہد) کرے (یعنی یوں کہے کہ انشاء اللہ اب سے یہ کام نہ کروں گا) کیونکہ تحویل وتبدیل رات دن واقع ہوتی رہتی ہے (کسی شخص کو اپنے موجودہ حال پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے نہ معلوم کل کو حق تعالیٰ اس کی کیا حالت بنادیں) پس مشیت کو (ہر بات اور ہر معاہدہ میں) مقدم کرنا چاہئے جیسا کہ مومن (کامل) انا مومن انشاء اللہ کہتا ہے (اگر خدا نے چاہا تو میں مؤمن ہوں جس میں انشاء اللہ) برکت کے لئے (بڑھاتا ہے) اس خوف سے کہ مبادا کسی وقت حالت بدل نہ جائے (اور خاتمہ ایمان پر نہ ہو تو آج کس منہ سے ایمان کا پختہ دعوی کروں) اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ (نعوذ باللہ) اسے اپنے ایمان میں شک ہے (اس لئے انشاء اللہ بڑھاتا ہے) خوب سمجھ جاؤ۔ (اور کسی کامل کو انا مؤمن انشاء اللہ کہتے ہوئے ملامت نہ کرو کیونکہ جس بات کے مشاہدہ سے وہ انشاء اللہ کہہ رہا ہے تم کو اس کا مشاہدہ نہیں ہوا۔

غافل مرو کہ مرکب مرداں مردرا — در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رنداں بادہ نوش — ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند[۱]

اور یہ بات (بھی) جان لو کہ بندہ کو کسی حکم کا حاصل ہو جانا عمل کو مستلزم نہیں اور نہ کسی ممانعت کو جان لینا اس سے رکنے کو مستلزم ہے چنانچہ (شب وروز) اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے (کہ بہت لوگ احکام الٰہیہ کو جانتے ہیں اور ان کے موافق عمل نہیں کرتے اور بہت سے کاموں کا ممنوع ہونا معلوم ہے پھر بھی ان سے نہیں رکتے کیونکہ حق تعالیٰ

---

[۱] ترجمہ: غافل ہو کر مت چلو کہ بہت سے زبردست جوانوں کی تیز رفتار سواریاں سنگلاخ میدانوں میں تھک گئیں (لیکن) ناامید بھی مت ہو، کیونکہ شراب عشق سے مدہوش جوان اچانک ایک ہلے میں منزل تک پہنچ گئے ہیں ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ۔

جب بندہ سے کوئی کام اپنے حکم کے خلاف کرانا چاہتے ہیں تو اس کے سوا وہ کچھ نہیں کرسکتا اس وقت سارا عمل و علم رکھا رہ جاتا ہے اور یہی حال ممنوعات کے بارہ میں ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی گناہ کو بندہ سے کرانا چاہتے ہیں تو وہ ضرور ہو کر رہتا ہے اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

پس حق تعالیٰ کے ساتھ ادب کا معاملہ کرنے ہی میں ساری بھلائی ہے خوب سمجھ لو اور اس میں جھگڑا نہ کرو کیونکہ تمہارا حال تمہاری خود ہی تکذیب کرے گا (اگر تم اس کے خلاف دعوی کرو گے) کیونکہ تم کو وتر[۱] کی فضیلت اور اس کے شمار رکعات میں سے افضل صورت اور چاشت کی نماز کا ثواب سب کچھ معلوم ہے۔ اور تم ان میں سے ایک کام بھی نہیں کرتے تم صلوۃ کسوف کی فضیلت میں بحث کرتے ہو اور کبھی نہیں پڑھتے۔ صدقات کی فضیلت میں گفتگو کرتے ہو اور کبھی کچھ خیرات نہیں کرتے، روزہ کے آداب خوب بیان کرتے ہو اور خود بجا نہیں لاتے، ایسے ہی اعتکاف کے آداب دوسروں کو بتلاتے ہو اور خود نہیں عمل کرتے، بیع کے الفاظ میں بحث کرتے ہو اور اپنی شاگردوں کے سامنے تقریر کرتے ہو کہ جو چیز بطور تعاطی[۲] کے خریدی جائے وہ حرام ہے (اور خود

---

۱ امام شافعیؒ کے مذہب میں وتر واجب نہیں بلکہ سنت ہے اور تین رکعتیں بھی ضروری نہیں بلکہ تنہا ایک رکعت سے بھی وتر ادا ہو جاتا ہے مگر ان کے مذہب میں بھی وتر کی تاکید بہت ہے اور تین رکعات پڑھنا ہی افضل ہے اس کو علامہ بیان فرماتے ہیں کہ شافعیہ کو اس کی فضیلت معلوم ہے مگر پھر بھی بعض لوگ اس پر عمل نہیں کرتے ۱۲ مترجم۔

۲ بیع تعاطی یہ ہے کہ بائع و مشتری زبان سے خرید و فروخت کے الفاظ کچھ نہ کہیں بلکہ خریدار دام دیدے اور دوکاندار چیز دے دے جیسے مثلاً تم کو معلوم ہے کہ دیا سلائی کا بکس دو پیسہ میں بکتا ہے تم نے دو پیسہ دوکاندار کے پاس ڈال دئے اس نے دیا سلائی کا بکس تم کو دے دیا زبان سے نہ تم نے کچھ کہا اور نہ اس نے یہ بیع تعاطی حنفیہ کے نزدیک درست ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک درست نہیں علامہ اسی پر تنبیہ فرماتے ہیں بعض شافعی اس مسئلہ کو جان کر عمل اس کے خلاف کرتے ہیں ۱۲ مترجم۔

اس کے خلاف کرتے ہو) اور اس کے سوا بہت سے احکام ہیں جن کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا (کہ تم باوجود جاننے کے ان کی مخالفت کرتے ہو)۔

پس (یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جو شخص کسی ایسے کام میں مشغول ہو جو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو اس پر کسی کو اعتراض نہ کرنا چاہئے جیسا کہ (بعض اہل علم) ان لوگوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں جو ذکر اللہ اور تسبیح و تلاوت کلام اللہ اور درود بر رسول اللہ ﷺ یا اور کسی ورد وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں (اور اہل علم کی طرح تحصیل علم میں مشغول نہیں ہوتے صرف بقدر ضرورت علم پر کفایت کرتے ہیں) کیونکہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کے راستہ مخلوق کے سانس کی شمار کے برابر ہیں (پس کسی کو علم کے راستہ سے وصول ہوتا ہے اور کسی کو ذکر اللہ و درود وغیرہ کے ذریعہ سے) اور وہ راستہ جو معترض کے نزدیک اس کے گمان میں خدا تک نہیں پہنچاتا بعض دفعہ وہ بھی وصول کا سبب ہو جاتا ہے۔

"ولکل جعلنا منکم شرعة ومنها جا"[۱] "وکل میسر لما خلق له"[۲] (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تم میں سے ہر شخص کے لئے جدا گھاٹ اور جدا راستہ بنایا ہے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کے لئے وہی آسان کردیا جاتا ہے)۔

اور یہ بات میں نے تم سے اس لئے بیان کی اور اس لئے تم کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ (آج کل) اکثر طلبہ کا وظیفہ ذاکرین پر اعتراض کرنا ہی رہ گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ علم میں مشغول ہونا (ذکر وغیرہ میں مشغول ہونے سے) افضل ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ علم سے مقصود کیا ہے (طلبہ نے صرف تحصیل علم ہی کو مقصود سمجھ لیا ہے حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ علم

۱؎ مائدہ: ۴۸

۲؎ التمھید، ج:۶، ص:۸۔ مرتب

سے عمل مقصود ہے) یہ لوگ اس شخص پر اعتراض کرتے ہیں جو شب قدر میں صبح تک ذکر اللہ کرتا ہے حالانکہ ان میں سے کسی نے (اس رات) کروٹ بھی نہیں بدلی نہ "لا الٰہ الا اللہ" کہا نہ "اللھم اغفرلی" کہا (بھلا ان کو شب قدر کی فضیلت جان لینے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث پڑھ لینے سے کیا نفع ہوا؟

اور اس سے بڑھ کر دھوکہ کون سا ہوگا (کہ باجود اس کاہلی وغفلت کے پھر بھی اپنے علم کو ذکر وغیرہ سے افضل سمجھتے ہیں) حالانکہ حق تعالیٰ کے نزدیک مخلوق کو بدون عمل خالص کے رفعت وفضیلت) حاصل نہیں ہوسکتی اور بھلا وہ شخص جسے یہ معلوم ہے کہ فلاں جانب میں دریا ہے اس شخص پر کیونکر قیاس کیا جاسکتا ہے جو رات دن اس سے خود بھی سیراب ہوتا رہتا ہے اور دوسروں کو بھی سیراب کرتا ہے (یقیناً جاننے والا اور سیراب ہونے والا برابر نہیں)۔

میں نے ایک بار شب قدر میں ایک شخص کو ذکر کے لئے جگایا اور وہ جمعہ کی بھی رات تھی تو اس نے ایک دفعہ سر اٹھا کر پھر کروٹ لے لی اور یہ کہہ کر سوگیا کہ عالم کا سونا جاہل کی عبادت سے افضل ہے اور کاش اس سے تو وہ خاموش ہی رہتا (تو اچھا تھا)۔

پس جس علم سے بندہ کی ہدایت میں ترقی نہ ہو اس سے بجز خدا سے زیادہ دور ہونے کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اور جو علم تم کو دنیا سے بے رغبت اور آخرت میں راغب نہ بنائے اس میں تبحر (وکمال) حاصل کرکے بجز سنگدلی اور دعوی (کاذب) اور تکبر اور تحقیر خلق میں ترقی ہونے کے تم کو اور کچھ نفع نہ ہوگا یہاں تک کہ تم یہ سمجھنے لگو گے کہ بجز تمہارے اور سب لوگ تباہ وبرباد ہیں حالانکہ (عزیز من!) جب تم اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تو تمہیں خود اپنے آپ کو نظر حقارت کے ساتھ دیکھنا چاہئے اور اپنی کوتاہی پر نظر کرنی چاہئے کیونکہ ابھی کچھ وقت باقی ہے انشاء اللہ تعالیٰ (اس کو غنیمت سمجھ کر عمل میں کوشش کرو اور نفس کی اصلاح کرلو) خوب سمجھ جاؤ۔

اور (ایک واقعہ اور سنو کہ) میرے سامنے ایک شخص نے (کسی عالم سے)

اس جماعت کے متعلق استفتاء کیا جو رات کو صبح تک قرآن کی تلاوت جہر کے ساتھ کرتے ہیں کہ آیا یہ فعل حرام ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں نص قرآنی سے حرام ہے حق تعالیٰ نے رات کو سکون (و آرام) کے لئے بنایا ہے اور یہ لوگ اس کو سکون کا وقت نہیں بناتے (بلکہ اس میں بھی کام کرتے رہتے ہیں) اور سوال کرنے والے کی کیا خطا ہے خطا جواب دینے والے کی ہے۔

ایک اور شخص نے ان لوگوں کی بابت استفتاء کیا جو شب جمعہ میں مجتمع ہو کر ذکر اللہ کرتے اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں تو (مفتی نے) جواب دیا کہ یہ کام بے ہودہ آدمیوں کا ہے جن میں آدمیت اور حوصلہ نہ ہو اور یہ بدعت ہے ذکر اللہ اور ذکر رسول عمر بھر میں ایک بار کر لینا بندہ کو کافی ہے۔

آہ عزیز من! ذرا اس جواب میں اور جو کچھ اس میں گستاخی اور ظلمت اور بے ادبی (بھری ہوئی) ہے اس میں غور کرو کہ اس شخص نے خدا کے ذکر کو بدعت بنا دیا حالانکہ وہ بدعت (کی حقیقت) بھی نہیں جانتا کیونکہ جو کام حق تعالیٰ کی طرف قرب (حاصل) کرنے کے لئے ایجاد کیا جاتا ہے وہ شریعت اور سنت ظاہرہ ہی میں داخل ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ورهبانية ابتدعوها"[1] (یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیگر رسولوں کے بعد بھیجا اور ان کو انجیل دی اور ان کے متبعین کے دلوں میں ہم نے رافت و رحمت اور رہبانیت پیدا کی جس کو ان لوگوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے ان کو رہبانیت کا امر نہ کیا تھا مگر انہوں نے رضاءِ الٰہی طلب کرنے کے لئے اس کو ایجاد کیا پھر اسکی کما حقہ رعایت نہ کی الخ۔ اس میں حق تعالیٰ نے ایجادِ رہبانیت پر مذمت نہیں فرمائی بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے پر مذمت فرمائی ہے۔)

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں[2] "من سن سنة حسنة فليسن" جو کوئی

---

[1] حدید: ۲۷

[2] ف فائدہ از مترجم) اس مقام پر بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب شریعت نے امت کو اجازت دی ہے

اچھا طریقہ ایجاد کرنا چاہے تو ایجاد کرلے اس میں رسول اللہ ﷺ نے اچھی باتوں کے ایجاد کی اجازت اپنی امت کو دی ہے اور ایجاد کرنے والے کے لئے اس میں ثواب مقرر کیا ہے اور اس کا اتباع کرنے والوں کے لئے بھی [1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ وہ نیک کام اور اچھے طریقے ایجاد کرے تو پھر بدعات سے کیوں منع کیا جاتا ہے اس لئے کہ اکثر بدعات کے ایجاد کا منشاء بظاہر یہی ہے کہ مبتدعین نے اپنے نزدیک ایک نیک کام ایجاد کیا ہے جیسے مولود و فاتحہ اور تیجہ اور دسواں وغیرہ وغیرہ۔

سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ علامہ شعرانی کے اس کلام کا یہ مطلب نہیں کہ بدعت مطلقا جائز ہے حاشا وکلا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ علامہ نے اس کتاب میں بھی اور عہو دمحمدیہ وغیرہ میں بھی بدعات سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے اور اتباع سنت کی ترغیب نہایت شد و مد سے دی ہے اور بدعات کے حرام ہونے پر بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔

پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ احادیث صحیحہ میں بدعت سے ممانعت موجود ہوتے ہوئے علامہ مطلقا اس کی اجازت دیں۔ بلکہ مصنف رحمہ اللہ کا مقصود صرف یہ ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک بدعت حسنہ ایک بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ یہ ہے کہ ایک کام کی اصل شریعت میں موجود ہو مگر کوئی خاص صورت معین نہ ہو اس کے لئے کسی خاص صورت کو ایجاد کرلیا جاوے بشرطیکہ اس خاص صورت کو لازم واجب نہ قرار دیا جائے بلکہ جواز کے درجہ پر رکھا جائے مثلاً ذکر اللہ کی اصل شریعت میں موجود ہے مگر کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہیں تو علماء عارفین کو اجازت ہے کہ وہ ذکر کے لئے کوئی خاص صورت یا خاص مقدار طالب کے حال کے اعتبار سے مقرر کردیں تو اب اس خاص صورت سے ذکر کرنے کو بدعت حسنہ کہا جاوے گا جب تک کہ اس کو حد سے نہ بڑھایا جائے یعنی واجب و لازم نہ قرار دیا جائے اور بدعت سیئہ یہ ہے کہ ایسا کام ایجاد کیا جاوے جس کی شریعت میں اصل ہی نہیں یا اصل تو ہے مگر جو صورت اختیار کی گئی ہے اس کو لازم و واجب قرار دے لیا جائے کہ جو اس کے خلاف کرے اس پر طعن و ملامت ہو اور حصول مقصود کو اس صورت میں منحصر کردیا جائے حالانکہ شریعت نے اس میں مقصود کو منحصر نہیں کیا پس جن بدعات سے منع کیا جاتا ہے وہ اسی قسم کی ہیں کہ یا تو بالکل بے اصل ہیں یا فی نفسہ ان کی اصل موجود ہے مگر ان کو حد شرعی سے بڑھا لیا گیا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

[1] اس جگہ یہ عبارت ہے واخبر ان العابد للّٰہ بمایعطیه نظرہ اذا لم یکن علی شرع من اللّٰہ ......

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق"[1] میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر دوں تو جو شخص مکارم اخلاق پر ہوگا وہ اپنے پروردگار کی شریعت پر ہے گو اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو (کہ میں شریعت الٰہی پر چل رہا ہوں)۔

اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو (یعنی مکارم اخلاق پر عمل کرنے کو) خیر سے تعبیر فرمایا ہے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں اور وہ (قصہ) یہ ہے کہ حکیم بن حزام جاہلیت میں بہت سے نیک کام (خدا کے قرب کی نیت سے) کرتے تھے مثلاً غلاموں کا آزاد کرنا اور صلہ رحمی وسخاوت کرنا وغیرہ وغیرہ پھر جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان افعال کی بابت دریافت کیا (کہ وہ کچھ نافع ہوں گے یا نہیں) تو حضور ﷺ نے فرمایا "اسلمت علی ما اسلفت من خیر"[2] یعنی تم اسلام لائے ہو مع ان نیک کاموں کے جو تم نے پہلے کئے ہیں۔

(مطلب یہ کہ وہ ضائع نہیں ہوئے بلکہ اسلام کے ساتھ وہ بھی ملے ہوئے ہیں) غرض حضور ﷺ نے ان کاموں کو خیر فرمایا اور حق تعالیٰ نے ان پر ان کو ثواب بھی دیا پس اگر تم شریعت کو اس طرح نہیں سمجھے تو تم نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ جب تم نے اس کو سمجھ لیا تو اب (جانو کہ) جو شخص بدون کسی دلیل شرعی کے فتوی دیتا ہے کہ ذکر اللہ کے لئے بطریق حروف مجتمع ہونا بدعت ہے وہ جاہل کودک ہے مطرود وملعون ہے اور اس کی حالت خود اس پر شاہد ہے کیونکہ اگر وہ مقربین میں سے ہوتا تو اس کو ایسی بات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) انہ یحشر وحدہ بغیر امام یتبعہ فجعلہ خیرا والحقہ بالاخیار کما قال فی ابراھیم کان امۃ قانتا للّٰہ وذلک قبل ان یوحی الیہ آہ اس کے مطلب میں مجھے انشراح صدر نہیں ہوا اس لئے ترجمہ نہیں کیا ۱۲ مترجم۔

[1] الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، ص:۵۸۔ مرتب

[2] دیکھئے اسد الغابہ ص۵۹: ج۲۔ مرتب

کہنے کی ذرا قدرت نہ ہوتی۔ خوب سمجھ لو۔

اور بھلا بندہ کو حق تعالیٰ کے ذکر سے صبر کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ وہ قلب و روح کی زندگی ہے جیسے پانی مچھلی کے لئے سبب حیات ہے اور بخاری وغیرہ میں ہے کہ جو شخص اپنے خدا کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کے مانند ہے اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کا جلیس (وہم نشین) ہوں جو مجھ کو یاد کرتا ہے اور فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ مجھ کو یاد کرتا رہے اور اس کی دونوں لب میری (یاد) کے ساتھ حرکت کرتے رہیں تو بھلا حق تعالیٰ کا جلیس وہ شخص کیونکر ہو سکتا ہے جس میں نہ آدمیت ہے نہ (ذکر کی) ہمت ہے حالانکہ جو خدا کا جلیس ہے وہ اعلیٰ ہمت کو پہنچا ہوا ہے کیونکہ عارفین کی بلند ترین ہمت یہ ہے کہ ان پر حق تعالیٰ کا حضور اور انس اور مراقبہ اور خدا تعالیٰ سے حیاء کا غلبہ ہو (اور اسی وقت عارف خدا کا جلیس ہوتا ہے تو جس شخص کو حضور و انس سے کچھ بھی حصہ نہیں ملا وہ جلیس خداوندی کیونکر ہو سکتا ہے، اور کسی کو کیا معلوم ہے کہ ہمنشین اپنے جلیس کو کیا کچھ علوم و معارف اور آداب واخلاق عطا کیا کرتا ہے۔

(پس ذکر میں جو شخص خدا کا جلیس ہوگا وہ ضرور علوم و معارف واخلاق الٰہیہ سے مالا مال ہوگا اور جو اس دولت سے مشرف نہیں سمجھ لو کہ وہ ذکر میں خدا کا جلیس بھی نہیں ہوتا)۔

پس ذاکرین وغیرہ کے ساتھ ادب کو لازم سمجھو کیونکہ وہ درحقیقت خدا کا ادب ہے (جیسے بادشاہ کے درباریوں کی تعظیم بادشاہ کی تعظیم ہے اور ان کی اہانت بادشاہ کی اہانت ہے) خوب سمجھ جاؤ اور غافل نہ بنو کیونکہ (اس سے غافل ہونے) کا وبال غضب اور مردودیت کی صورت میں دنیا و آخرت میں تم ہی پر لوٹے گا جیسا کہ اولیاء پر انکار کرنے والوں میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ شیخ تاج الدین ابن سبکیؒ کا ارشاد ہے کہ ہم نے کسی شخص کو (اولیاء کے ساتھ) مبتلائے انکار نہیں دیکھا مگر اس کا خاتمہ برا ہی ہوا۔

علاوہ ازیں یہ کہ وہ اولیاء جن پر نادان لوگ انکار کرتے ہیں ائمہ مجتہدین کی طرح شریعت میں اصحاب مذہب نہیں ہیں بلکہ ان کے پاس کچھ ذاتی امور ہیں جن کو وہ لوگ سمجھ لیتے ہیں جو طریق کو ان سے حاصل کرتے ہیں حق تعالیٰ اولیاء سے اور ان کے معتقدین سے سب سے (ہمیشہ) راضی رہیں (مطلب یہ ہے کہ اگر صوفیہ شریعت میں اجتہاد کرتے اور صاحب مذہب ہوتے جب تو ان کی باتوں پر ردوقدح کی گنجائش ہوسکتی تھی مگر جب وہ صاحب مذہب نہیں ہیں نہ مسائل شرعیہ میں کچھ دخل دیتے ہیں بلکہ صرف اپنے ذوقی امور کا طالبین سے بیان کرتے ہیں تو اس حالت میں ان پر انکار کرنا محض فضول ولغو ہے)۔۱۲

اگر حق تعالیٰ بصیرت کو روشن کردیں تو دلائل میں نظر کریں

(۱۶) اور طالب علم کی یہ شان بھی ہونی چاہئے کہ جب حق تعالیٰ اس کی بصیرت کو روشن کردیں اور وہ شریعت کے اسرار کو سمجھنے لگے تو احکام شرعیہ میں مقلد کی طرح محض نقل کا پابند نہ ہو کہ دلائل میں نظر ہی نہ کرے (بلکہ دلائل میں غور کر کے جواب دینا چاہئے پس اگر کوئی مسئلہ اپنے مذہب میں دلیل کے اعتبار سے کمزور ہو تو محض فقہاء کے اقوال پر فتوی نہ دینا چاہئے۔

بلکہ دلیل کے لحاظ سے جو حکم قوی ہو اس کو بیان کرنا چاہئے[1] اور فتوی دینے میں تمام مخلوق کے لئے اپنے امام کے کلام کا پابند نہ ہو کیونکہ ساری مخلوق یکساں نہیں ہے بلکہ

[1] مگر یہ منصب اس شخص کا ہے جس میں شرائط اجتہاد یا شرائط ترجیح مجتمع ہوں جیسا کہ حنفیہ نے لکھا ہے کہ امام طحاوی اور ابن ہمام رحمہما اللہ کو درجہ اجتہاد حاصل تھا اور قاضی خان وصاحبِ ہدایہ اصحاب ترجیح میں سے تھے پس جس شخص کی نظر علوم شرعیہ میں ان حضرات کے مثل ہو اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے امام کے اقوال میں غور کر کے ضعیف کو ترک کردے اور جانب قوی کو اختیار کرے۔ آج کل کے علماء کو یہ منصب حاصل نہیں جن کی نظر معدودے چند کتابوں کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتی۔ خوب سمجھ لو اور جلدی سے اجتہاد کا دعوی نہ کرنے لگو ۱۲ مترجم۔

ہر سائل کو اس کے حال کے اعتبار سے جواب دینا چاہئے (اور یہ منصب بھی اسی شخص کا ہے جس میں اجتہاد یا ترجیح کے شرائط مجتمع ہوں ہر شخص کا یہ منصب نہیں ۱۲ مترجم)۔

پس اگر لوگ منقول ہی کے موافق جواب مانگنا چاہیں اور اس کے ذاتی فتوے کو قبول کرنے سے انکار کریں تو اس صورت میں منقول کے موافق ہی فتوی دینا چاہئے گو یہ جانتا ہے کہ حکم شرعی میں اس سے زیادہ گنجائش ہے کیونکہ جب حق تعالیٰ منقول ہی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں (جس کی علامت یہ ہے کہ اہل اسلام غیر منقول کے ماننے سے انکار کریں) تو ادب یہ ہے کہ اس کی مدافعت نہ کی جائے (اور منقول ہی پر فتوی دیا جائے) اور میں نے مذہب شافعی میں بعض قواعد کی کلیت کے فاسد ہونے کا تجربہ بہت سے فقہاء شافعیہ کے کلام میں کیا ہے لیکن خود امام (شافعیؒ) کے کسی[۱] قاعدہ کی کلیت کا فساد میں نے آج تک نہیں پایا (یعنی جو قواعد خود امام سے منقول ہیں وہ تو کسی جگہ نہیں ٹوٹتے مگر فقہاء شافعیہؒ نے جو قواعد بیان کئے ہیں ان میں سے بعض کا فساد مصنف کو تجربہ وامتحان سے معلوم ہوا ہے ۱۲ مترجم)۔

من جملہ ان مسائل کے جو اصحاب شافعیہ نے (خلاف قاعدہ) بیان کئے ہیں ان کا یہ قول ہے کہ اگر کوئی شئی (مأکول ومشروب یا دوا کی جنس سے) اس زخم کے راستہ سے پہنچ جائے جو اندرون شکم تک یا ام دماغ وغیرہ تک پہنچا ہوا ہے تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس قول میں اگرچہ (انتظام اور) سد باب ہے، مگر اس صورت میں روزہ کی حرمت کا ٹوٹنا لازم نہیں آتا کیونکہ اس کو شرعاً وعرفاً ولغۃً اکل[۲] نہیں کہا

---

[۱] میں کہتا ہوں کہ حضرت علامہ زمان بحر العلوم مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کے متعلق بھی یہی فرمایا کرتے تھے کہ جو مسئلہ امام صاحب سے منقول ہے میں اس کو دلائل شرعیہ یعنی قرآن وحدیث سے ثابت کر سکتا ہوں، امام صاحب کا کوئی قول ایسا نہیں جو دلائل شرعیہ سے مؤید نہ ہو ہاں متاخرین حنفیہ کے اقوال کا میں ذمہ دار نہیں۔ ھکذا سمعناہ من الثقات۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم

[۲] میں کہتا ہوں کہ بے شک اس صورت میں حقیقۃً اکل نہیں پایا گیا مگر حکماً پایا گیا ہے کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ

جاتا (یعنی زخم کے راستہ سے کوئی شئے پیٹ میں پہنچ جائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے یہ چیز کھائی ہے۔

پس چاہئے کہ اس صورت میں روزہ باطل نہ ہو کیونکہ روزہ توڑنے والی تین ہی چیزیں ہیں اکل وشرب وجماع اور ان میں سے کوئی بھی یہاں موجود نہیں پس اس مسئلہ میں اصحاب شافعیہ نے قاعدہ کلیہ کے خلاف کیا ہے پس اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ عالم کو بیدار ہوشیار ہونا چاہئے کہ جن احکام میں اس سے استفتاء کیا جائے ان میں تدبر سے کام لے اور شریعت کے اسرار میں اور ان مقاصد میں غور کرے جن کے لئے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

اور مثلاً اگر کوئی شخص زکوۃ سالانہ کے متعلق استفتاء کرے کہ سال تمام ہونے سے پہلے مال نصاب کو اپنی ملک سے خارج کر دینا (یعنی کسی دوسرے کو ہبہ کر دینا) جائز ہے یا نہیں اور مفتی اس کی حالت سے معلوم کرے کہ یہ شخص زکوۃ ادا کرنے سے بھاگنا چاہتا ہے اور اپنے اوپر زکوۃ کا واجب ہونا نہیں چاہتا (یعنی حقیقت میں ہبہ اس کو مقصود بالذات نہیں، بلکہ اصل مقصود زکوۃ سے بچنا ہے (۱۲ مترجم) تو اس صورت میں اس کو (جواز ہبہ کا) فتوی نہ دے بلکہ خاموش رہے اور اس کی حالت میں تحقیق وتامل کرے کیونکہ اس صورت میں منقول کے موافق فتوی دینے میں جلدی کرنا زکوۃ کا دروازہ بند کرنا ہے اور فقیروں کے حقوق کی اضاعت کا دروازہ کھولنا ہے۔

(خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء نے گو مطلقاً فرما دیا ہے کہ سال تمام ہونے سے مال

(**بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ**) جب کوئی مریض بے ہوش ہو اور منہ کے راستہ سے دوا یا غذا اس کے پیٹ میں نہ پہنچ سکے تو اطباء وڈاکٹر پچکاری کے ذریعہ سے بطور حقنہ کے اس کے پیٹ میں دوا یا غذا پہنچاتے ہیں اور اس طریقہ سے بھی مریض کو دوا اور غذا سے کافی قوت وطاقت پہنچتی ہے لہٰذا گو اس کو حقیقۃ اکل نہیں کہا جاتا مگر اس کی مثل شمار کیا جاتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کو پچکاری کے ذریعہ سے دوا یا غذا دی جارہی ہے لہٰذا یہ بھی حکماً اکل ہی ہے اسی لئے فقہاء حنفیہ نے حقنہ وسعوط وغیرہ کو بھی مفطرات میں شمار کیا ہے۔ فافہم ۱۲ مترجم۔

نصاب کو ہبہ کر دینا اور اپنی ملک سے خارج کر دینا جائز ہے مگر ہر شخص کو جواز کا فتوی نہ دینا چاہئے کیونکہ بعض لوگوں کا ہبہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ محض زکوۃ سے بچنا مقصود ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کو جواز ہبہ کا فتوی دینا گویا فقراء کے حقوق ضائع کرنا ہے اور زکوۃ کے دروازے کو بند کر دینا ہے ۱۲ مترجم)۔

اور حق تعالیٰ کے سامنے حیلے نہیں چل سکتے حق تعالیٰ کے ساتھ چال بازی کرنا اس کے غضب وغصہ اور اپنے مردودیت کا سبب ہے (اس لئے ہر شخص کو حیلہ اسقاط زکوۃ میں اپنی نیت کو دیکھ لینا چاہئے) اور وہ آیات واحادیث کہاں گئیں جن میں مستحقین زکوۃ کی طرف زکوۃ کے پہونچانے کا حکم ہے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہاں گیا؟ تو خذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم کہ زکوٰۃ اغنیاء مسلمین سے لی جائے اور ان کے فقراء کو دی جائے اور اس کے ماسوا بہت سی احادیث ہیں (جن میں اداء زکوۃ کی تاکید ہے پس اگر ہر شخص حیلۂ اسقاط زکوۃ اختیار کرنے لگے گا تو ان احادیث وآیات پر عمل کون کرے گا؟ یہ تو بالکل معطل ہو جائیں گی اس لئے ہر ایک کو حیلہ نہ بتلایا جائے)۔

اسی طرح مفتی کو چاہئے کہ (مردوں کو عورتوں کے) مہر وغیرہ سے براءت حاصل کرنے کے لئے حیلے بتلانے میں توقف کیا کرے (ہر شخص کو براءت مہر کا حیلہ نہ بتلائے) کیونکہ ایسے حیلے اکثر اس وقت کئے جاتے ہیں جب کہ مرد وعورت میں موافقت نہ ہو اور ایک کو دوسرے سے تکلیف پہنچتی ہو اس وقت مرد (کسی حیلہ سے مہر کو ساقط کر کے) اپنی بیوی کو ناحق ستاتا ہے اور اس کے اوپر دوسرا نکاح کر کے اس سے رخ پھیر لیتا اور ہر کام اس کی غرض کے خلاف کرنے لگتا ہے اور انسان ہمیشہ کے لئے رات دن ایسے برتاؤ کا متحمل نہیں ہو سکتا خصوصا عورتیں جو کہ فطرۃ باغیرت اور کمزور ہوتی ہیں پھر عورت مہر معاف کر کے اپنی جان چھڑانا چاہا کرتی ہے اور بعض دفعہ اس کو مہر سے بھی زیادہ دینے لگتی ہے کیونکہ وہ مثل قیدی کے ہوتی ہے۔

چنانچہ ہم نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا ہے خوب سمجھ جاؤ۔ اور حق تعالیٰ فرماتے

ہیں۔فان طبن لکم عن شئی منه نفسا فکلوہ هنیئا مریئا۔[1]

(پس اگر عورتیں اپنے جی کی خوشی سے تم کو (مہر میں سے) کچھ دیدے (یا معاف کردیں) تو اس کو کھاؤ رچتا پچتا (خوشگوار) پھر بتلاؤ کہ اس صورت میں جی کی خوشی کہاں ہوتی ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

مجہول الحال امور کے متعلق اللہ تعالیٰ پر حکم کر کے فتویٰ نہ دے

(۱۷) اور عالم کی یہ شان بھی ہونی چاہئے کہ جو باتیں مجہول الحال ہیں جن کا علم بدون اس کشف صحیح کے نہیں ہوسکتا ہے جو اولیاء کاملین کے لئے مخصوص ہے ایسے امور کے متعلق خدا تعالیٰ پر حکم کر کے فتوی نہ دے بلکہ اس سے احتراز کرے (مثلاً کسی نیک کام کے متعلق یوں نہ کہے کہ اس کام میں یقیناً جنت ملے گی۔میں اس کا ذمہ دار ہوں وغیرہ وغیرہ)۔

البتہ اولیاء کاملین اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ بوجہ اپنی قوت علم کے صحیح کشف سے ان امور کو معلوم کر لیتے ہیں اور نیز عنداللہ جس بات کا وہ ذمہ اور وعدہ کر لیتے ہیں اس میں حق تعالیٰ ان کا ساتھ نہیں چھوڑتے بلکہ جس بات کا وہ خدا کے بھروسہ پر ذمہ کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتے ہیں) جیسے ایک بزرگ نے ایک شخص کے لئے قصر جنت کی ضمانت کی تھی اگر وہ سبیل[2] بنا دے تو آسمان سے ان بزرگ کے پاس ایک ورق نازل ہوا جس میں لکھا تھا کہ جس چیز کی تم نے ضمانت کی ہے اس کو ہم نے پورا کر دیا۔ اسی طرح ایک دوسرے بزرگ کے ساتھ یہی واقعہ ہوا مگر ان کے کاغذ میں یہ بھی لکھا تھا کہ دوبارہ ایسی ضمانت مت کرنا۔

جب تم اس بات کو جان چکے تو اب سمجھ لو کہ ادب کا طریقہ یہ ہے کہ ثواب و عذاب کے بارے میں تم کبھی کچھ مت کہو کیونکہ یہ جہالت ہے اور خدا تعالیٰ پر حکم لگانا اور

---

[1] النساء:۴

[2] غالباً سبیل سے مسافروں کے لئے سرائے مراد ہے ۱۲ مترجم

(نعوذ باللہ) ان کو پابند کرنا ہے کہ گویا جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ ضرور ویسا ہی کریں گے، حالانکہ ممکن ہے کہ جس طاعت کے متعلق تم نے کسی کو حصول ثواب کا فتوی دیا ہے کبھی اس میں اس شخص کو ثواب نہ ہو اور جس معصیت پر تم نے کسی کو عذاب کا فتوی دیا ہے اس میں اس شخص کو عذاب نہ ہو (بلکہ حق تعالیٰ معاف فرمادیں) اور علماء سے تو (حق تعالی کو) مقصود یہ ہے کہ وہ صرف اوامر و نواہی کو بیان کریں (کہ یہ کام شرعا مستحب یا واجب ہے اور یہ کام مکروہ و حرام ہے)۔

رہا ثواب وعذاب کا معاملہ سو یہ حق تعالیٰ کے متعلق ہے علماء کے متعلق نہیں ہے ہاں اگر حدیث میں کسی خاص فعل کے متعلق کوئی خاص ثواب وعذاب وارد ہوا ہو اس کو اگر ثواب سمجھ کر اس شخص سے بیان کر دیا جائے جو اس کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کا مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں خدا تعالی پر حکم لگانا نہیں ہے بلکہ اس صورت میں تمہارا ثواب وعذاب بیان کرنا تبعا ہے نہ کہ اصالۃ کیونکہ یہ ثواب وعذاب تو حق تعالی نے اپنی طرف سے خود ہی بیان فرمایا ہے۔

(مگر اس میں بھی ادب یہ ہے کہ صرف یوں کہا جائے کہ حدیث میں اس کام پر یہ ثواب یا یہ عذاب وارد ہوا ہے یوں نہ کہو کہ اگر تو یہ کام کرے گا تو تجھ کو یہ ثواب یا یہ عذاب ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ اس شخص کا عمل مقبول نہ ہو اس لئے ثواب نہ ملے یا حق تعالیٰ معاف فرمادیں اور اس کو عذاب نہ ہو)۔

اور سمجھ لینا چاہئے کہ جو شخص اپنے دین میں ہوشیار اور بیدار ہوگا اس پر یہ امور اور یہ آداب مخفی نہ رہیں گے اور میں نے تم کو یہ چند آداب بتلا کر ماسوا پر متنبہ کر دیا ہے (اگر تم دین کی باتوں میں فکر اور تامل سے کام لینے کے عادی ہو گے تو بقیہ آداب علم کو خود ہی معلوم کرلو گے) اور خدا تعالی تم کو خود ہی ہدایت فرمائیں وھو یتولی الصالحین الحمد للہ کہ باب ثانی ختم ہوا۔ والحمد للہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد صاحب الآیات البینات

و المعجزات الباهرات وعلى آله واصحابه واحبابه واولاده وازواجه الطیبات الطاهرات (آمین)۔

تیسرا باب[1]

فقراء ومشائخ سلف صالحین کے آداب میں

میں چاہتا ہوں کہ اس باب میں خوب تفصیل کے ساتھ کلام کروں کیونکہ اس زمانہ میں جو ہر برائی[2] کو کھولنے والا اور ہر بھلائی کو ختم کرنے والا ہے دعوی (مشیخت) کرنے والوں کی کثرت ہے پس ہر شخص جس کو اس کے شیخ نے تلقین ذکر کی اجازت دیدی ہو یا بدون اجازت دیئے مرگیا ہو اور اس نے اپنی خلوت (گاہ) میں کسی ہاتف (کی زبان) سے خواہ وہ فرشتہ ہو یا جن اپنے لئے (تلقین ذکر کی) اجازت سن لی ہو اس سے وہ یہ گمان کرلیتا ہے کہ میں ولی اللہ (اور خدا کا دوست اور محبوب) ہوں۔

چنانچہ میں نے بعض لوگوں سے ایسے دعوے سنے ہیں اور (ان کا یہ گمان) عوام کے اعتقاد اور بکثرت اتباع کرنے سے اور پختہ ہو جاتا ہے حالانکہ عوام اس طریق کی حقیقت کو کچھ بھی نہیں سمجھتے (پس ان کے معتقد ہو جانے سے اپنے کو ولی سمجھ لینا سخت حماقت ہے) تو اب یہ مشائخ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے لگے۔

---

[1] اس کتاب میں یہی وہ باب ہے جو اس کتاب کی ورح رواں ہے اور حضرت حکیم الامت کو اس کے ترجمہ کا اشتیاق اسی باب کی وجہ سے ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ اب اس باب کے ترجمہ کی نوبت آگئی، ناظرین اس کو غور سے ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ مشائخ سلف کا کیا طرز تھا اور آج کل اس شان کے مشائخ کون ہیں۔ ۱۲ مترجم

[2] یعنی یہ زمانہ شر کا مبدأ اور خیر کا منتہی ہے ۱۲ مترجم

بنجا بصاحب نظرے گوہر خودرا عیسی نتوان گشت بتصدیق خیرے چندا

کیونکہ درجۂ ولایت بڑا درجہ ہے حتی کہ من جملہ اس کی علامات کے ایک علامت یہ ہے کہ اس کی ولایت کو آسمان والے اور زمین والے اور حیوانات ونباتات سب پہچانتے ہوں اور اس سے تمام مخلوق کو محبت ہو بوجہ اس کے کہ حق تعالیٰ کو اس سے محبت ہے بجز ان لوگوں کے جن کو جن وانسان میں سے حق تعالیٰ اس کی محبت سے محروم کردیں۔

بعض عارفین رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ میں اور میرے بعض دوست کوہ قاف میں چل رہے تھے پھر تو ہم اس سانپ پر گذرے جو بحرِ محیط کو احاطہ کئے ہوئے ہے ہم نے اس کو سلام کیا اس نے ہمارے سلام کا جواب دیا پھر کہا کہ ابو مدین شعیب مع اپنے متعلقین کے کیسے ہیں؟ اور وہ اس وقت موضع بجایہ میں تھے ملک مغرب میں ہم نے کہا کہ ان کو ہم نے خیر عافیت کے ساتھ چھوڑا ہے اور تم کو ان کی کس نے خبر دی؟ اس پر اس نے تعجب کیا اور کہا! کیا روئے زمین پر کوئی بھی ان سے ناواقف ہے؟ بخدا یہ وہ شخص ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنا ولی (اور محبوب) بنایا ہے اور اس کی محبت کو تمام مخلوق کے قلوب میں ڈال دیا ہے خواہ وہ بولنے والی مخلوق ہو (جیسے حیوانات) یا خاموش ہو (جیسے جمادات ونباتات)۔

(عزیز من!) پس تم ولی کے مرتبہ میں غور کرو اور رہے آج کل کے مدعی تو (ان کی یہ حالت ہے کہ) اگر تم اس کے گدھے سے جس پر وہ (روزانہ) سوار ہوتا ہے اس کی ولایت کا حال دریافت کرو تو وہ بھی اس سے ناواقف ہوگا۔ پھر دیگر وحوش اور مچھلیوں اور چیونٹیوں وغیرہ کا تو کیا ذکر (یعنی وہ تو اس کی ولایت کو کیا ہی جانیں گے جب کہ ہر وقت کا پاس رہنے والا جانور بھی نہیں جانتا) اس کو خوب سمجھ لو۔

اور ہم نے ایک کتاب تالیف کی تھی جس میں وہ تمام منزلیں مجموعی طور پر بیان کی ہیں جن کو اولیاء طے کرتے اور ان کے علوم ان پر فائض ہوتے ہیں جو شمار میں دو

لاکھ اڑتالیس ہزار منزلیں ہیں اور اس کتاب میں ہم نے ایک سو چودہ منزلیں قرآن عزیز کی سورتوں کی شمار کے موافق (مفصلا) بیان کی ہیں اور ہر منزل میں قدرے ان کے علوم کا بھی ذکر کیا ہے اس خیال سے کہ مبادا کوئی شخص ان منازل اور ان کے علوم کا انکار ہی نہ کرنے لگے، کیوں کہ آج کل کے اکثر درویشوں (کو ان کی ہوا بھی نہیں لگی اور ان) کے دلوں میں ان کا خطرہ بھی نہیں گذرا ہوگا۔ (اور اس حالت میں ظاہر ہے کہ وہ بجز انکار کے اور کیا کر سکتے ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں "بل كذبو بما لم يحيطوا بعلمه ولما يأتهم تاويله "[1] بلکہ وہ لوگ اس چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کا احاطہ ان کے علم نے نہیں کیا اور ہنوز اس کی تاویل وتفسیر بھی ان کے سامنے نہیں آئی) اور ارشاد فرمایا ہے "واذلم يهتدوابه فسيقولون هذا افك قديم "[2] (اور جب انہوں نے اس کا رستہ نہ پایا تو عنقریب کہیں گے کہ یہ تو پرانی گھڑت ہے)۔

اور مجھ کو حق تعالیٰ سے امید ہے کہ اس زمانہ کے درویشوں میں سے جو کوئی اس کتاب کا مطالعہ کرے گا وہ یقین کے ساتھ جان لے گا کہ اس نے طریق ولایت کی بو بھی نہیں سونگھی، اس کا حاصل ہونا تو بہت دور ہے کیونکہ وہ اپنے کو اولیاء کے علوم کے نام جاننے سے بھی کورا پائے گا چہ جائے کہ ان کی حقیقت کا احاطہ کر سکے، کیونکہ ان میں سے ہر علم ایسا ہے جس کی گہرائی ادراک میں نہیں آسکتی نہ وہ کتابوں میں لکھے جاسکتے ہیں کہ ان کا مطالعہ کرکے تقریر وگفتگو سے ان کو بیان کر دیا جائے اس لئے سید الطائفہ ابو القاسم حضرت جنید رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ہمارے نزدیک کوئی شخص مردان طریق کے رتبہ کو اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک ہزار صدیق علماء ظاہر میں سے اس کے زندیق ہونے کی شہادت نہ دیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے احوال نقل وعقل دونوں سے بالاتر ہیں "وفوق كل ذي علم عليم "[3] (اور ہر ذی علم کے اوپر کوئی اس سے

---

[1] یونس: ۳۹

[2] احقاف: ۱۱

[3] یوسف: ۷٦

بھی زیادہ جاننے والا ہے)۔

اور ناقصین میں سے جو کوئی ان علوم کے جاننے کا دعوی کرے گا عارفین اس کو جھٹلا دیں گے اور امتحان کے وقت وہ رسوا ہو جائے گا "ویوم القیامة تری الذین کذبوا علی اللّٰہ وجوھھم مسودة "[1] (اور قیامت کے دن تم ان لوگوں کو جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا ہوگا سیاہ رو دیکھو گے۔

اور خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے اپنے رتبہ کو پہچان لیا اور جھوٹے دعووں سے بچا رہا جو خدا کے غضب وغصہ کا سبب ہیں اور اپنے مرنے کے بعد مریدوں کو بھی اسباب مشیخت یعنی مدفن اور تابوت اور چادر (چڑھانے وغیرہ) سے راحت دے گیا جب تم نے یہ بات جان لی تو (اب سنو) کہ:

طریق میں داخل ہونے سے پہلے علم شریعت سے خوب واقفیت حاصل کرے

(۱) درویش کی ایک شان یہ ہے کہ وہ طریق میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک علم شریعت اور حدیث سے خوب واقف نہ ہو جائے ورنہ اس پر زندیق اور مبتدع ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ سالک پر بعض امور ایسے منکشف ہوتے ہیں جو (بظاہر) شریعت پر منطبق نہیں ہوسکتے من جملہ ان کے یہ ہے "لا فاعل الا اللّٰہ ولا ملك الا للّٰہ ولا موجود الا اللّٰہ" (یعنی خدا کے سوا فاعل کوئی نہیں اور اس کے سوا مالک بھی کسی چیز کا کوئی نہیں اور خدا کے سوا موجود بھی کوئی نہیں) اور یہ بات اگر چہ سچی ہے لیکن جو احکام مامور بہا ہیں وہ اس شخص پر بھی متوجہ ہیں جو یوں کہتا ہے "ھو الآمر نفسه بنفسه" (کہ خدا تعالیٰ خود ہی آمر ہے اور خود ہی مامور ہے) وغیرہ وغیرہ۔

پس اگر اس شخص کے پاس شرعی میزان ہوگی تو وہ ان کشفیات کو اس میں وزن

---

[1] الزمر: ٦٠

کرلے گا اور سمجھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حجت کاملہ ہے (یعنی باوجودیکہ اس کے سوا نہ کوئی موجود ہے نہ فاعل نہ مالک مگر پھر بھی ان احکام میں وہ حق بجانب ہے اور بندہ سے ان کی خلاف ورزی پر مواخذہ کرسکتا ہے ۱۲ مترجم)۔

جب تم نے اس کو جان لیا تو اب سمجھ گئے ہوگے کہ یہ راستہ بڑا خطرناک وہولناک ہے جس میں بہت سے گڈھے اور دلدل اور سانپ بچھو وغیرہ ہیں کیونکہ یہ ایک مجہول راستہ ہے جس کے چلنے والے کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ آگے کیا کیا خطرے ہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں ختم ہوتا ہے اس لئے ایک رہنما کی اس کو ضرورت ہے جس کی رہنمائی سے اس راستہ کو طے کرے اور وہ (رہنما) شریعت کا نور ہے مع نور بصیرت کے حق تعالیٰ فرماتے ہیں" نور علی نور" (ایک نور پر دوسرا نور ہے) پس اگر کسی کے پاس صرف ایک ہی نور ہو (یعنی نور بصیرت) تو اس کی روشنی ظاہر نہ ہوگی (بلکہ اس تاریک راستہ میں ایک دوسرے نور کی بھی ضرورت ہے جو کہ شریعت کا نور ہے) خوب سمجھ لو۔

طریق میں داخل ہونے سے پہلے اہل سنت کے عقائد ضرور پڑھ لے

(۲) اور درویش کی ایک شان یہ ہے کہ طریق میں داخل ہونے سے پہلے (اہل) سنت کے کچھ عقائد (ضرور) پڑھ لے تا کہ اس کا اعتقاد ان اوہام سے پاک ہو جائے جن میں اکثر لوگ مبتلا ہیں جیسے حق تعالیٰ کے لئے صورت جسمیہ ماننا (تعالی عن ذلك علوا كبيرا) یا اعتقاد رکھنا کہ حق تعالیٰ عرش کے اوپر ہیں تو جو شخص اس کا مطلب یہ سمجھتا ہے کہ حق تعالیٰ عرش پر بیٹھے ہیں وہ بت پرست ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے (کہ کوئی شے اس کے لئے مکان بنے اس لئے کہ مکان کا مکین کے برابر یا زائد ہونا ضروری ہے۔ اور خدا کے برابر یا اس سے زائد کوئی چیز نہیں۔ وہ غیر محدود ہے۔ اور تمام اشیاء محدود ہیں۔ دوسرے اگر اس کے لئے مکان ہوا تو وہ مکان کا محتاج ہوگا۔ اور خدا احتیاج سے بری ہے)۔

اور (اگر تم یہ کہو کہ پھر استوی علی العرش کے کیا معنی ہیں؟ تو) تم اس

بات میں غور کرو جو میں کہتا ہوں اس سے تمہارا شبہ دور ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ تم کو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور حق تعالیٰ نے عرش کے پیدا کرنے سے پہلے "الرحمن علی العرش استوی"[۱] فرمایا ہے جب یہ بات ہے تو (بتلاؤ کہ) اب استوی کا کیا مطلب ہوگا اور (اگر استوی کے معنی بیٹھنے کے ہیں تو) عرش کے پیدا کرنے سے پہلے وہ کس چیز پر (بیٹھا) تھا۔ پس جو (معنی استواء کے) تم عرش کے پیدا ہونے سے پہلے کہو گے وہی معنی اس کے پیدا ہونے کے بعد بھی ہیں۔ (اور ظاہر ہے کہ جس وقت عرش وغیرہ کچھ نہ تھا اس وقت جلوس متصور نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ استواء اس وقت بھی تھا کیونکہ کلام الٰہی قدیم ہے اور اس کی صفات بھی قدیم ہیں اور استواء بھی اس کی ایک صفت ہے تو اس کے معنی ایسے ہونے چاہئیں جو قدیم ہوسکیں اور جلوس قدیم نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ موقوف ہے وجود عرش پر[۲] اور وجود عرش حادث ہے تو ثابت ہوگیا کہ استواء کے معنی کچھ اور ہیں۔ جلوس کے معنی نہیں ۱۲)

اسی طرح حدیث[۳] ینزل ربنا (کہ حق تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں) اور "جاء ربك والملائكة صفا صفا"[۴] کہ حق تعالیٰ

---

۱ طٰہٰ: ۵

۲ عرش کا ذکر بطور تمثیل کے ہے کیونکہ مجسمہ اسی کو خدا کا مکان کہتے ہیں۔ ورنہ جلوس کے لئے مطلق مکان کی ضرورت ہے۔ خواہ عرش ہو یا کچھ اور مکان سب کے سب حادث ہیں کوئی قدیم نہیں۔ ۱۲ مترجم

۳ علامہ کی تقریر سے یہ بات تو بخوبی واضح ہوگئی کہ استواء سے مراد جلوس اور نزول سے مراد انتقال مکانی نہیں ہوسکتا رہا یہ کہ پھر مراد کیا ہے؟ اس میں سلف کا مذہب تو سکوت ہے، اور یہی اسلم ہے۔ اور غالباً اسی لئے علامہ نے اس سے تعرض نہیں کیا مگر متاخرین نے مناسب معنی بیان کردئے ہیں تاکہ ناقص الفہم لوگوں کی قدرے تسلی ہوجائے۔

اسی بناء پر حضرت حکیم الامت نے استوی علی العرش کی تفسیر میں ایک لطیف بات بیان فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ استوی علی العرش کے معنی تدبیر وتصرف کے ہیں اور یہ ایک محاورہ ہے جیسا کہ فارسی میں تخت

آئیں گے اور فرشتے بھی صف باندھے ہوئے آئیں گے) اور ان کے مثل جو اور باتیں ہیں اس کو اسی طریق پر سمجھ لو۔

غرض جو شخص تمام عالم سے نظر اٹھا سکتا ہے۔ اس کو ان باتوں کا سمجھنا آسان ہے، کیونکہ حق تعالیٰ تمام اشیاء سے پہلے موجود تھے۔ اور اس طرح موجود تھے کہ نہ اس وقت آسمان تھا نہ عالم کی کوئی چیز تھی تو کیا وہ اس وقت ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نزول کے ساتھ موصوف ہو سکتے تھے (ہرگز نہیں کیونکہ وجود عالم سے پہلے کوئی جگہ ہی نہ تھی) صحیح بات اس باب میں یہ ہے کہ (حق تعالیٰ سے) جسمیت کی نفی کی جائے، چنانچہ حقیقت بھی اسی کے موافق ہے (ورنہ بہت سی اشیاء کو خدا کے ساتھ قدیم اور خدا تعالیٰ کو ان کی طرف محتاج ماننا پڑے گا، حالانکہ بجز ذات خداوندی کے اور کوئی قدیم نہیں، اور نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نشین ہونا اسی معنی میں بولا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے آج کل فلاں شخص تخت نشین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمام سلطنت اس کے ہاتھ میں ہے گو وہ اس وقت تخت پر نہ بیٹھا ہو۔

اسی طرح یہاں سمجھو کہ حق تعالیٰ آسمان و زمین کو پیدا کر کے تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئے یعنی تصرف و تدبیر کرنے لگے یہ مطلب نہیں سچ مچ تخت پر بیٹھے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ قرآن میں ایک جگہ استوی علی العرش کے ساتھ "یدبر الامر" بھی فرمایا ہے اس سے عطف کے طور پر واضح ہو گیا کہ استوی علی العرش سے تدبیر و تصرف امور سلطنت مراد ہے نہ کہ حقیقی جلوس۔

اور حدیث "ینزل ربنا" کی تاویل یہ ہے کہ حق تعالیٰ عالم ناسوت پر توجہ فرماتے ہیں اس توجہ کو نزول سے تعبیر فرمادیا۔ اور اس کے مقابل توجہ خداوندی جو اپنی ذات وصفات کی طرف ہو اس کو عروج کہا جاتا ہے۔ اور غالباً یہی ماخذ ہے صوفیہ کی اصطلاح عروج و نزول کا کہ وہ ذات وصفات ہی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونے کو عروج کہتے ہیں اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کو نزول کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور حق تعالیٰ کا آنا بھی تجلی و توجہ فرمانے کے ساتھ مؤول ہے۔ ۱۲ مترجم

سالک اولیاء کاملین کے کلام ہی کا مطالعہ کیا کرے

(۳) اور درویش کی ایک شان یہ ہے کہ جب تک وہ تقلید کے دائرہ میں رہے اس وقت تک قوم کے کلام کا مطالعہ نہ کرے۔ بجز اولیاء کاملین کے کلام کے۔ جن کی شان یہ ہے کہ ان کے ظاہر کو تو باطن رد نہیں کرتا۔ اور نہ باطن کو ظاہر توڑتا ہے یعنی دلائل سنت (اور ظاہر شریعت ان کے باطن کے خلاف نہیں ہوتا) رہے وہ مغلوب الحال اولیاء جو (ہنوز) درجۂ کمال کو نہیں پہنچے تو ان کے کلام میں (ناقص کو) نظر نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان میں ہر شخص اپنے ذوق سے کلام کرتا ہے۔ (جس کے سمجھنے کے لئے اسی ذوق کی ضرورت ہے)۔

اور درویش کا اتنی بات جان لینا کہ فلاں شخص کو یہ ذوق حاصل تھا یا وہ ذوق حاصل تھا کچھ مفید نہیں۔ بلکہ بعض دفعہ اس بات کے جاننے سے اس کو اس حال کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے (اور وہ یہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ کاش مجھے بھی یہ حال نصیب ہوتا) اور اس میں حق تعالیٰ کے ساتھ (بے ادبی) اور قلت ادب ہو جاتی ہے (کیونکہ درویشی کا ادب یہ ہے کہ سالک اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرے۔ اور بجز رضائے محبوب کے کسی چیز کا طالب نہ ہو۔ فقال العارف الشیرازیؒ۔

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب   کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے[1]

بخلاف اولیاء کاملین کے کلام کے (کہ اس کے مطالعہ میں یہ اندیشہ نہیں) کیونکہ (وہ محض اپنے ذوق اور حال کو بیان نہیں کیا کرتے، بلکہ مقاصد یا اعمال کو بیان کرتے ہیں تو) ان کا کلام اپنی وسعت کی وجہ سے سراپا ادب ہی ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ بھی اور مخلوق کے ساتھ بھی۔ اس کو خوب سمجھ لو، (اور ہمیشہ کاملین کے کلام کا مطالعہ کیا کرو، مغلوب الحال لوگوں کے کلام میں نظر نہ کرو)۔

---

[1] ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔

اپنے نفس سے مخلوق کے حقوق کا مطالبہ کرے

(۴) اور درویش کی ایک شان یہ ہے کہ اپنے نفس سے تو مخلوق کے حقوق کا مطالبہ کرے (اوران کے ادا کرنے کی کوشش کرے) اور مخلوق سے اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرے (نہ اس کی خواہش کرے کہ لوگ اس کے حقوق ادا کریں) پس اس کے مریدوں میں سے اگر کوئی شخص اس کی مجلس میں آنا کم کردے۔اور پاس آنا اور بار بار آمدو رفت کرنا چھوڑ دے تو اس سے مکدر نہ ہو، کیونکہ دو حال سے خالی نہیں۔یا تو اس شیخ کی صحبت مریدوں کے لئے مفید تھی تو انہوں نے خود ہی اپنے کو خیر (وبرکت) سے محروم کیا۔ یا مضر تھی تو اچھا ہوا وہ اس ضرر سے بچ گئے۔(تو پھر شیخ ان سے کیوں مکدر ہوتا ہے اس کا انہوں نے کیا نقصان کیا)۔

اور بعض[۱] اکابر (کی بابت جو منقول ہے کہ انہوں) نے ایسے لوگوں سے تکدر (ظاہر) کیا جنہوں نے ان کی (صحبت) خیر وبرکت کو چھوڑ دیا تھا تو ان کا تکدر محض اس وجہ سے تھا کہ اس خیر وبرکت کے چھوڑنے سے وہ مرید پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا تھا اس کی ذات سے تکدر نہ تھا۔

---

[۱] حضرت حکیم الامت دام مجدہم بعض دفعہ اپنے کسی مرید کو عدم مناسبت وغیرہ کی وجہ سے سلسلہ سے علیحدہ کرتے ہیں۔تو اس سے فرمادیتے ہیں کہ اگر تم کسی دوسرے بزرگ متبع سنت سے بیعت ہو جاؤ گے تو میرا تکدر زائل ہو جائے گا اور جو تم کسی سے بھی بیعت نہ ہوئے تو اس وقت مجھے تکدر رہے گا،اوراس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جب یہ شخص کسی بزرگ سے بیعت ہو جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ یہ راستہ پر چل رہا ہے۔میرے ذریعہ سے نہیں کسی دوسرے کے ذریعہ سے سہی۔اور مجھ سے علیحدہ ہو کر اگر کسی دوسرے سے بھی تعلق پیدا نہ کیا تو اس وقت مجھے رنج رہتا ہے کہ افسوس راستہ سے منقطع ہو گیا کہیں شیطان کے پنجوں میں نہ آجاوے۔

اور فرماتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ دوسرے بزرگ سے بیعت ہو جانا زوال تکدر کا سبب ہو جائے گا، کیونکہ آج کل تو عام طور پر یہ بات زیادہ تکدر کا سبب ہے کہ تم سے علیحدہ ہو کر دوسرے سے وابستہ ہو گیا مگر قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ مجھے تو یہ سن کر خوشی ہوتی ہے کہ دوسرے سے متعلق ہو گیا بشرطیکہ وہ شیخ متبع سنت ہو، مبتدع نہ ہو۔۱۲ مترجم

(خلاصہ یہ کہ وہ حضرات محض شفقت کی وجہ سے رنجیدہ ہوتے تھے۔ کہ افسوس یہ مرید راستہ طے کرتا تھا پیچھے ہٹ گیا باقی اس کے علیحدہ ہو جانے سے ان کو کوئی بغض وعناد اسکی ذات سے پیدا نہ ہوتا تھا ۱۲)۔

کسی نئی عادت کے ساتھ ممتاز بن کر نہ رہے

(۵) اور درویش کی یہ بھی شان ہونی چاہیے کہ ذلیل ہو (کر رہے) اور دوسرے سے کسی نئی عادت (وطرز) کے ساتھ ممتاز بن کر نہ رہے، جس سے اس کی شہرت ہو البتہ اگر (کسی عادت میں) مغلوب ہو (تو مضائقہ نہیں) اور (درویش کی علامت یہ بھی ہے کہ) اپنے کو تمام مسلمانوں سے علی الاطلاق کمتر سمجھے اور کسی کو اپنے ہاتھ نہ چومنے دے نہ کسی سے اس فعل کو گوارا کرے، اور نہ کسی کو اپنے سامنے سر جھکا کر بیٹھنے دے کیونکہ یہ تو سلاطین کے طریقے ہیں۔ غلاموں کی یہ شان نہیں ہوتی (اور درویش کو غلامانہ زندگی بسر کرنا چاہئے)۔

پس اگر (کسی وقت) ان باتوں کی اجازت ہی دینا پڑی تو اس حالت میں کسی کو اپنے ہاتھ پیر وغیرہ چومنے کی اجازت دے کہ خود اس کو اپنے سے افضل سمجھتا ہو کیونکہ بعض درویشوں کو بکثرت یہ بات پیش آتی ہے کہ وہ اپنے کو تمام مخلوق سے حقیر تر سمجھتے ہیں اس کے سوا کچھ نہیں سمجھتے (کسی پر اپنی فضیلت کا ان کو وہم بھی نہیں ہوتا) اور اپنے مریدوں کی دست بوسی کو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی غایت تواضع ہے (کہ ہم جیسے نالائق کے ہاتھ چومتے ہیں) اور اگر مخلوق میں ان کو اپنے سے کمتر کوئی نظر آتا تو اپنے مریدوں کو اس کے سامنے تواضع کرنے کا حکم کرتے تاکہ ان کو اخلاق حمیدہ حاصل ہوں، مگر چونکہ اپنے سے کمتر کوئی نظر نہیں آتا اس لئے وہ ان کی تربیت کے خیال سے اپنی ہی دست بوسی کو گوارا کر لیتے ہیں)۔

تو اس شخص کو (مریدوں کی) دست بوسی وغیرہ کچھ ضرر نہیں دیتی جب تک کہ

وہ ایسا ہی رہے اور سچے آدمی کی علامات چھپی نہیں رہا کرتیں جن میں سے ایک علامت تو یہ ہے کہ (سچا آدمی) ایک حالت پر قائم نہیں رہا کرتا، پس کبھی تو (وہ دست بوسی وغیرہ سے) منع کر دیتا ہے۔ اور کبھی اجازت دے دیتا ہے۔ یعنی وہ نفس کے خمود اور ہیجان کے موافق عمل کرتا ہے (اگر نفس میں افسردگی اور خمود وفنا کا غلبہ ہوتا ہے تو تقبیل ید کی اجازت دے دیتا ہے، کیونکہ اس حالت میں کسی کے ہاتھ چومنے سے اس کو اپنے نفس پر اصلا التفات نہیں ہوتا، اور جس وقت نفس میں ہیجان ہوتا ہے اس وقت ان باتوں سے منع کر دیتا ہے، کہ اس وقت تقبیل ید وغیرہ سے اعجاب وکبر کا اندیشہ ہے ۱۲)

اور (یہ خوب) جان لو کہ اگر دست بوسی وغیرہ ایک نظام خاص کے ساتھ ہونے لگے اور مریدوں پر اپنی وقعت قائم ہونے کا خیال پیدا ہونے لگے اس وقت ان باتوں سے قطعاً منع کر دینا درویش پر واجب ہے۔ اور اگر وہ اپنے نفس کو مریدوں سے افضل نہیں سمجھتا تو اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ ان کے ہاتھ کبھی نہیں چومتا جیسا کہ وہ چومتے ہیں۔ اور یہ بات اہل بصیرت پر مخفی نہیں رہتی (کہ مریدوں کے ہاتھ نہ چومنے کا منشاء اپنے کو ان سے بڑا سمجھنا ہے یا ان کو تکبر سے بچانا ہے ۱۲)۔

اور جب نفس اس خاص نظام کے ساتھ اپنی تعظیم کا خوگر، اور اپنے پاس لوگوں کی آمد سے مانوس ہو جاتا ہے، اور ان کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہے کہ ہم حضرت سیدی الشیخ فلاں کی خدمت میں جا رہے ہیں تو اس سے نفس میں تکبر اور سرکشی بڑھ جاتی ہے پھر ان باتوں کا چھوٹنا اس کو گراں گزرتا ہے۔ جب کہ آدمی اس کے پاس آنا جانا کم کر دیں یا ہاتھ پیر وغیرہ نہ چومیں یا اس کی مجلس سے غائب ہونے لگیں، یا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے لگیں، اور خدمت ونگہداشت میں کوتاہی کرنے لگیں تو اس وقت نفس سرکش اپنے فریب خوردہ رفیق کے دل میں خفیہ خفیہ ریشہ دوانی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھ کو ان لوگوں کے سامنے ادب کے متعلق حکایتیں بیان کرنا چاہئیں شاید حق تعالیٰ تیری اس مصیبت کو کچھ کم کر دیں اور یہ لوگ تیرے ساتھ ادب سے پیش آنے لگیں، (پھر وہ

ایسی ایسی حکایتیں بیان کرنا شروع کرتا ہے اور مریدوں پر یہی ظاہر کرتا ہے کہ مجھ کو مخلوق کے متوجہ ہونے یا اعراض کرنے کی ذرا پرواہ نہیں مگر اندر سے اس کا دل مریدوں کے بے اعتنائی اور مخلوق کی بے توجہی سے پھٹا جاتا ہے۔ لیکن صراحۃً ان کو ادب کا حکم اس لئے نہیں کرسکتا کہ ایسی درخواست کرنے سے وہ ان کی نظروں میں حقیر ہوجائے گا اس لئے تم اس کو دیکھو گے کہ وہ مریدوں کے سامنے ادب کے متعلق حکایتیں بیان کرتا رہتا ہے جس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ میرا ادب کریں گو کسی دوسرے کا ادب کم کریں، (یا بالکل نہ کریں) اس کی اسے پروانہیں ہوتی، بلکہ بعض دفعہ اپنے ہم عصروں کی تحقیر سے دل میں خوش ہوتا ہے تاکہ مخلوق میں صرف یہی تنہا قابل تعظیم رہ جائے۔

پس وہ مریدوں سے کہتا ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ آپ کے سامنے ادب وحیاء کی وجہ سے ایسے خاموش بیٹھا کرتے تھے کہ گویا ان کے سر پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے، ایسے ہی فلاں بزرگ کے مریدوں کی یہ حالت تھی اور فلاں بزرگ کے معتقدوں کی یہ شان تھی، وغیرہ وغیرہ، حالانکہ اس درویش کو اس ذات سے کیا نسبت جو (گناہوں سے) معصوم یا محفوظ ہے اور جو شخص اپنے نفس کا غلام اور نفسانی لذتوں میں مستغرق اور اپنے افعال میں بندگی کے دائرہ سے خارج ہے اس کو ان حضرات سے کیا نسبت جو اغیار کی قید سے خلاصی پا چکے ہیں پس اس (قسم کی تعظیم وغیرہ) کے دروازہ کو بند کردینا اس سے بہتر ہے کہ اس دروازے کو کھول کر اس کے خطرات میں داخل ہو، کیونکہ اس میں ہلاکت ہی زیادہ ہے (سلامتی کم ہے)۔

پس اگر کوئی درویش یہ دعوی کرے کہ میں اپنے مریدوں کو اپنے ہاتھ پیر چومنے کی اجازت اس لئے دیتا ہوں تاکہ وہ ادب وتواضع اور نفس کا پامال کرنا سیکھیں تو اس کو اس معاملہ میں صدق کی رعایت کرنا چاہئے (اگر واقعی دل میں یہی بات ہو اور اپنی تعظیم کا وسوسہ بھی نہ ہو تو مضائقہ نہیں ورنہ اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے) اور مریدوں کی تواضع وذلت نفس کا امتحان تو اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو اپنے بھائیوں

اور برابر کے آدمیوں کے ہاتھ پیر چومنے کا حکم کیا جائے جوان کی نظر میں شیخ سے زیادہ حقیر ہیں کیونکہ غالب حالت یہ ہے کہ جو لوگ شیخ کے ہاتھ چومتے ہیں وہ محض شیخ کی تعظیم کے لئے ایسا کرتے ہیں (اپنے اندر تواضع پیدا کرنے کے لئے شیخ کے ہاتھ نہیں چومتے) بلکہ اس کو تو وہ اپنے لئے شرف اور رفعت کا سبب سمجھتے ہیں تو اس میں مرید کو تواضع اور ذلت نفس کیونکر حاصل ہوسکتی ہے اس کو (خوب) سمجھ جاؤ۔ اور اپنے نفس کو تمام افعال واحوال میں متہم سمجھو، اور جان لو کہ حق تعالی تمہاری تاک میں ہیں (وہ جھوٹ اور سچ کو خوب جانتے ہیں) اور خدا تم کو ہدایت کرے اور وہی اپنے نیک بندوں کا مددگار ہے۔

ہر شخص سے اس کے درجہ کے موافق برتاؤ کرے

(٦) اور درویش کی یہ شان ہونی چاہئے کہ لوگوں کو ان کے مراتب میں اتارے (ہر شخص سے اس کے درجہ کے موافق برتاؤ کرے) اور اس بارے میں تقلید سے کام نہ لے (کہ عام لوگ جس کی زیادہ تعظیم کرتے ہوں اس کی تعظیم کرے، اور جس کی لوگ عظمت نہ کریں اس کی تعظیم نہ کرے) بلکہ درویش کو ہوشیار بیدار ہونا چاہئے۔

پس سب سے زیادہ معزز اور لائق تعظیم وہ شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ کا سب سے زیادہ اتباع کرتا ہو اور یہ بات لائق اعتبار نہیں کہ (عام لوگ کسی درویش کی بہت تعظیم کرتے اور اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں اور نہ اسکا کچھ اعتبار ہے کہ ایک شخص کی نیکی اور ولایت میں بہت شہرت ہورہی ہے کیونکہ ہمارے مشائخ میں بعض ایسے حضرات تھے کہ ان کی خستہ حالی کی وجہ سے کوئی ان کو پوچھتا بھی نہ تھا، اور وہ اس قابل بھی نہ سمجھے جاتے تھے کہ کوئی ان کے پاس بیٹھے مگر (باطن میں) ان کی یہ حالت تھی کہ (اکثر) مشہور مشائخ ان کی شاگردی کے بھی لائق نہ تھے، کیونکہ یہ لوگ ان کی ان دقیق باتوں کو نہ سمجھ سکتے تھے، جو طریق کے متعلق وہ بیان کرتے تھے۔ اور شیخ کے کلام کو

سمجھنا شاگردی کی (پہلی) شرط ہے جس نے شیخ کے کلام کو نہ سمجھا وہ شاگرد بننے کے لائق نہیں۔ اس کو خوب سمجھ لو، اور خدا تم کو ہدایت کرے اور وہی نیک بندوں کا مددگار ہے۔

سالک تمام مخلوق کی اذیت کو برداشت کرے

(۷) اور درویش کی یہ بھی شان ہوتی ہے کہ وہ تمام مخلوق کی اذیت کو برداشت کرتا ہے۔ اور اس کو اپنے اوپر خدا کی رحمت و نعمت سمجھتا ہے تاکہ خدا کے سوا کسی کی طرف اس کا میلان نہ ہو۔ خصوصاً ابتدائی حالت میں۔

اور سیدی ابوالحسن شاذلیؒ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ کی انبیاء علیہم السلام اور اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ یہ عادت جاری ہے کہ ابتدا میں ان پر تکالیف کو مسلط کرتے ہیں پھر اخیر میں غلبہ انہیں کو ہوتا ہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام و حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت یوسف علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اپنی قوم کے ساتھ یہی قصہ پیش آیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے (لوگوں کی ایذا پر) صبر کیا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان کی قوم کو (طوفان عظیم سے) غرق کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ابتداء میں فرعون کی ایذا پر صبر کیا تو حق تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے (بھائیوں کی بے عنوانیوں پر) صبر کیا تو وہ عزیز مصر بنے۔ اور ان کی طرف ان کے بھائی محتاج بن کر آئے۔ اور دوسرے لوگ بھی۔ اسی طرح ہمارے نبی کریم سیدنا محمد ﷺ کو جب آپ کی قوم نے (بہت ستایا حتی کہ) مکہ سے نکال دیا (اور آپ نے سب باتوں پر صبر کیا) تو حق تعالیٰ نے شمشیر بکف فاتحانہ[۱] طور پر مکہ میں آپ کو داخل کیا۔

---

[۱] اور یہ حضور ﷺ کی رحمت و برکت تھی کہ آپ ﷺ کی قوم پر آسمانی سخت عذاب نازل نہیں ہوا، کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی قوم کے لئے بددعا نہیں فرمائی، بلکہ ہمیشہ ان کے لئے دعائے ہدایت فرماتے رہے حق تعالیٰ نے ان کو حضور ﷺ کے ہاتھوں سزا دلوائی کہ مختلف غزوات میں وہ ذلیل و شکست خوردہ ہو کر واپس ہوئے حتی کہ ایک دن آپ ﷺ نے مکہ کو تلوار سے فتح فرما لیا ۱۲ منہ

اور اسی طرح بزرگان سلف رضی اللہ عنہ اجمعین کے ساتھ معاملہ ہوتا رہا لیکن بعض پر عمر بھر اذیت باقی رہی ہے۔ اور ان کو زندقہ (بد دینی) اور کفر وغیرہ ایسے امور سے متہم کیا گیا جو چھپی ہوئی باتیں ہیں، کیونکہ ظاہری گناہوں سے تو حضرات صوفیہ اکثر منزہ ہوتے ہیں، اگر کوئی شخص ان کو ظاہری گناہوں سے متہم کرنے لگے تو اس کی بات چل نہیں سکتی۔ (نہ اسے کوئی مان سکتا ہے) اس لئے صوفیہ کو بھی ایسے اتہامات سے پوری اذیت نہیں پہنچ سکتی (کیونکہ جس اتہام کو سب لوگ غلط سمجھ لیں اس سے کلفت کم ہوا کرتی ہے) بخلاف چھپی ہوئی باتوں کے (جن کا تعلق دل سے ہے جیسے زندقہ وکفر وغیرہ کہ اس سے کسی کا منزہ ہونا صورت دیکھ کر معلوم نہیں ہوسکتا) تو جس کو ان امور کے ساتھ متہم کردیا جائے اس کی طرف ان کی نسبت اکثر ہمیشہ ہی رہتی ہے اور اس سے ان کو پوری اذیت پہنچتی ہے جو کہ مقصود (حق) ہے۔

اور بعض بزرگوں کی طرف ان کی زندگی کے کسی خاص حصہ میں غلط عقائد کی نسبت رہی جس سے (خدا تعالیٰ کا مقصود) ان کے نفس کی تادیب (وتربیت) تھی۔ تاکہ اسے اپنے ساتھ مخلوق کا زیادہ اعتقاد دیکھ کر مخلوق کی طرف ایسا میلان نہ ہوجائے جس سے اس کی حالت بگڑ جائے، کیونکہ جب اس کو مخلوق کی طرف میلان ہوگا تو اس کا دل ان کی محبت میں پھنس جائے گا۔

اور حق تعالیٰ بڑے صاحب غیرت ہیں وہ یہ نہیں چاہتے کہ اپنے بندۂ مؤمن کے دل میں اپنے سوا کسی اور کی محبت دیکھیں، کیونکہ مؤمن کا دل تجلی گاہ حق ہے (اور حق تعالیٰ کو اپنی تجلی کی جگہ میں دوسرے کا ہونا گوارا نہیں، کیونکہ وہ شرکت سے نہایت بیزار ہیں۔ لہٰذا جب سالک کے دل میں غیر حق کی جگہ ہوگی حق تعالیٰ اپنی تجلی کو اس سے ہٹالیں گے اور یہی حالت کا بگڑنا ہے اس لئے غیب سے عارف پر مخلوق کی طرف سے قسم قسم کی ایذائیں بھیجی جاتی ہیں تاکہ اس کا دل مخلوق سے کھٹا ہوجائے اور کسی طرف خدا کے سوا میلان نہ ہو) پھر یہ حالت بدل جاتی (اور اذیت ختم ہوجاتی) ہے۔

اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ دوستوں کا وجود اور ان کا میل جول دشمن کی ایذاءَ سے زیادہ مضر ہے کیونکہ دشمن سے تو ظاہری تکلیف پہونچتی ہے اور دوست سے دل پر مصیبت آتی ہے (کہ دل کو اس سے تعلق ہوتا ہے تو باطنی حالت خراب ہو جاتی ہے اور ظاہر کے نقصان سے باطن کا ضرر اشد ہے) اور وہ دشمن جو تم کو طریق قرب تک پہنچادے اس دوست سے بہتر ہے جو تم کو اس سے روک دے۔ خوب سمجھ لو۔

اور خبردار اس تقریر کا مطلب الٹا نہ سمجھنا کہیں تمہارے دل میں تحمل ایذاءَ کا خیال اس غرض کے لئے نہ آئے کہ (اب تکلیف کا تحمل کرلوں تاکہ اخیر میں میرا ہی غلبہ ہو تو اس وقت مخلوق میں اپنے حال وقال سے تصرف کیا کروں گا (اس نیت سے تحمل ایذاءَ کا قصد ہرگز نہ کرنا) کیونکہ بندۂ مؤمن کے لئے دنیا میں (شوکت و) دولت کیسی؟ بس یہ تو کام کرنے کی جگہ اور مشقت ورنج برداشت کرنے کا گھر ہے (مؤمن کی سلطنت تو آخرت میں ہوگی)۔

جب یہ بات سمجھ گئے تو اب تم محض انبیاء مرسلین اور سلف صالحین کی اتباع کے خیال سے تحمل اذیت کیا کرنا۔ اور جو شخص ایسا ہوگا حق تعالیٰ بدون کسی خاندان واہل عیال (کی اعانت) کے اس کی مدد کریں گے۔ یا تو اس کو ایذاءُ کے تحمل کی طاقت دیدیں گے کہ اسے کسی بات کی پرواہی نہ ہوگی یا اور کسی صورت سے مدد کریں گے۔

سلطان بایزید بسطامیؒ کے شہر والے ان کو زندقہ (بددینی) سے متہم کرتے تھے اور کہا کرتے کہ یہ شخص اسلام کو ظاہر کرتا اور کفر کو چھپاتا ہے (یعنی ظاہر میں مسلمان اور باطن میں معاذ اللہ کافر ہے) اور آپ کی بھی حالت یہ تھی کہ ایسے ہی مقامات میں ٹھہرا کرتے تھے جہاں بدنامی ہو، اور جس جگہ لوگوں کو ہجوم ہوتا اور کوئی آپ کی حالت کو پہچان لیتا اور تعریف ومدح ہونے لگتی وہاں سے چل دیا کرتے۔

اور خوب جان لو! کہ لوگوں کو تم پر بکثرت انکار کرنا اور دشمنوں کا زیادہ ہونا تمہارے لئے انبیا علیہم السلام کے ساتھ مشابہت ثابت کرتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے

ہیں "وکذالك جعلنا بعضکم لبعض فتنة اتصبرون"[1] اور ہم نے اسی طرح تمہارے اندر بعض کو بعض کے لئے امتحان وآزمائش (کا سبب) بنایا ہے۔ تو کیا تم صبر کروگے؟

اور یہ بھی جان لو کہ (ایک طرف سے) سب ہی مسلمانوں کا کسی شخص سے عداوت کرنا یہ اس کی شقاوت کی دلیل ہے کیونکہ سب مسلمانوں کے قلوب حق ہی کے موافق عداوت کرسکتے ہیں (ناحق نہیں کرسکتے) کیونکہ سب مسلمان گمراہی پر اتفاق نہیں کرسکتے اور بڑا انصاب جماعت کا چار آدمی ہیں (تو جس سے چار بھی خوش ہوں وہ یقین کے ساتھ شقی نہیں ممکن ہے حق پر ہو کیونکہ اس کی عداوت پر اجماع نہیں ہوا) اور خوب سمجھ لو کہ دنیا اعمال کی جزا ظاہر ہونے کی جگہ نہیں، (بلکہ اس کا ظہور آخرت میں ہوگا)۔

پس ہر شخص دنیا میں اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہے۔ اور جن اعمال کا اسے مکلّف کیا گیا ہے۔ ان کی ادا کا اس سے مطالبہ ہے تو جس نے اس مضمون کو سمجھ لیا اسے اس کی کچھ بھی پرواہ نہ ہوگی کہ مخلوق کی نظر میں میری صبح وشام کیونکر گذرتی ہے اور اس کو نہ کسی کی مدح پر التفات ہوگا نہ مذمت پر کیونکہ مخلوق مقام حجاب میں ہے (اس کو حقیقت کی خبر نہیں کہ کون کس درجہ کا ہے اور کون کس رتبہ پر ہے کیونکہ یہاں کسی کے عمل کی جزا ظاہر نہیں ہوتی صرف اعمال ظاہر ہوتے ہیں اور کسی کا درجہ ومرتبہ جزا ہی سے معلوم ہوسکتا ہے اعمال میں تو بہت لوگ شریک ہیں ۱۲)۔

اور تم کو رسول اللہ ﷺ کے حالات میں نظر کرنا چاہئے کہ ہم کو دنیا میں حضور (ﷺ) کا بلند مرتبہ صرف اسی قدر معلوم ہوا ہے کہ جتنا حق تعالیٰ نے بتلا دیا ہے اور اگر اتنا بھی نہ ہوتا تو ہم حضور (ﷺ) کے مرتبہ سے بالکل واقف نہ ہوتے، ہاں آخرت میں حضور (ﷺ) کا مقام (عالی) ہر خاص وعام کو معلوم ہوجائے گا۔ پس آپ (ﷺ) کا کمال (حقیقی) آخرت ہی میں ظاہر ہوگا اسی طرح حضرات کاملین (کا مقام بھی

---

[1] فرقان: ۲۰

آخرت ہی میں ظاہر ہوگا) کیونکہ ظہور نتائج کی وہی جگہ ہے اور دنیا تو صرف دار العمل ہے تو جو شخص دنیا میں ظہور نتائج کا طالب ہو وہ خلاف قاعدہ بات کا طالب ہے ۔ اور اپنی آخرت کو متاع دنیا کے بدلے بیچ رہا ہے (کیونکہ ظہور مقامات کی طلب کرنا محض نفسانی خواہش ہے جو سراسر دنیا ہے ۔ خوب سمجھ لو ۔

اور سیدی ابوالحسن شاذلیؒ کا ارشاد ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس کے انبیاء اور اولیاء کی شان میں کچھ کچھ باتیں (ایذا رساں ضرور کہی جائیں گی اس لئے خدا نے ایک جماعت کی قسمت میں شقاوت (و بدبختی) مقرر کر دی جنہوں نے حق تعالیٰ کو بیوی اور اولاد کے ساتھ متہم کیا ، (کسی نے کہا فلانی خدا کی بیوی ہے ۔ کسی نے کہا کہ فلاں خدا کا بیٹا ہے ۔) تو اب جب کبھی کسی ولی کا دل ان باتوں سے تنگ ہوتا ہے جو اس کے بارے میں کہی جاتی ہیں تو ہاتف حق اس کو ندا دیتا ہے کہ تیری (اصل) صفت تو یہی تھی (جو مخلوق کہہ رہی ہے) اگر میرا لطف تجھ پر نہ ہوتا بس سمجھ سے کام لے اور جو کچھ تجھے کہا جائے ان پر راضی رہ (اور مکدر نہ ہو) کیونکہ جتنے لوگ تجھے برا کہہ رہے ہیں یہ خدا کی رحمت میں تیرے حال پر ورنہ اگر معاملہ برعکس ہوتا اور خدا تعالیٰ تجھے ان لوگوں میں سے کر دیتے جو خدا تعالیٰ کو برا کہتے ہیں جیسے (صدہا) کافر و عاصی ایسے موجود ہیں تو اس وقت تو کیا کر لیتا ۔ بس حق سبحانہ کا شکر کر اور اولیاء و اصفیاء کے طریقہ پر چلتا رہ ۔

اور (عزیز من !) تمام مخلوق اگر تمہاری مدح و ثنا کرے تو خدا کے نزدیک تم کو اس سے کیا نفع ہو سکتا ہے ۔ اگر عند اللہ تم قابل مدح نہیں ہو اور مخلوق کا برا بھلا کہنا تم کو کیا ضرر دے سکتا ہے اگر خدا کے نزدیک تم برے نہیں ہو ، بلکہ سب برا کہنے والے مرنے کے ساتھ ہی تم سے جدا ہو جائیں گے ، کیا وہ قبر میں تمہارے ساتھ جائیں گے اور وہاں تمہارے خلاف کچھ کارروائی کریں گے اور آخرت میں تمہارے سوال و جواب یا حساب و کتاب کے مالک ہوں گے (ہرگز نہیں تو جب ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں پھر ان کے برا کہنے سے رنج کیوں ہے ۔ ذوق شاعر نے خوب کہا ہے ۔

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق		ہے برا وہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے		کیوں برا کہنے سے تو اس کے برا مانتا ہے)

اور دیکھو جب مخلوق تمہاری مدح کرے اس وقت اظہار تواضع سے بچو کہ جب وہ تمہاری تعظیم کریں تو تم اپنی حقارت ظاہر کرنے لگو (ایسا نہ چاہیے) کیونکہ اس سے تمہاری تعظیم ان کے نزدیک اور زیادہ ہو جائے گی، بلکہ ایسے وقت میں خاموش رہو۔ تاکہ لوگوں کو یہ وہم ہو کہ تم اپنی تعریف سے خوش ہوتے ہو، یہی تمہارے لئے ہمیشہ مفید ہے۔

اور اگر شیطان تم سے یہ کہے کہ اس (خاموشی) سے تو قلوب میں تیری طرف سے نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اور تو جو لوگوں کو نفع پہنچا رہا اور ان کو خیر کی تعلیم دے رہا ہے (یہ نفع بند ہو جائے گا) اور یہ حالت تو ان سیاحوں کے مناسب ہے جو اپنی (ظاہری) حالت کو خراب خستہ رکھتے ہیں (تاکہ کوئی ان کا معتقد نہ ہو۔ اور مقتداؤں کو ایسا طرز اختیار نہ کرنا چاہئے جس سے لوگوں کو بداعتقادی ہو ۱۲)۔

تو تم شیطان سے کہہ دو کہ میں تو اس خدا تعالیٰ کی طرف نظر کرتا ہوں جو مخلوق کو حرکت دے رہا ہے (مخلوق پر نظر نہیں کرتا) پس اگر خدا تعالیٰ نے بندوں کے دل میں میری تعظیم رکھی ہے تو وہ مجھ کو کبھی حقیر نہیں سمجھ سکتے۔ اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا فضل سمجھوں گا۔ اور اگر اس نے ان کے دلوں میں میری تحقیر رکھی ہے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ میری تعظیم کر سکیں، گو میں ان کے سامنے ساری کرامتیں ظاہر کر دوں۔

الغرض جس شخص کا مطلوب مخلوق کی نظر میں بڑا بننا ہو وہ ہمیشہ پریشانی میں رہے گا، کیونکہ دنیا میں کوئی نہ کوئی اس کا مخالف بھی ضرور ہوگا، پھر اس کا تمام مخلوق سے یہ امید رکھنا کہ سب اس کی طرف تعریف و ثناء اور اعتقاد کے ساتھ متوجہ ہوں محض جہالت ہے، کیونکہ اس کا ایک ثناخواں ہوگا تو ایک برا کہنے والا بھی ضرور ہوگا، چاہے یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر ہی فضیلت کیوں نہ رکھتا ہو۔

چنانچہ ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو برا کہتا اور ان پر انکار کیا کرتا تھا پھر ایک دفعہ وہ آپ سے ملا تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں خلاف عادت آپ کی تعریف کرنے لگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو تو زبان سے کہہ رہا ہے میں اس سے تو کم ہوں اور جو تیرے دل میں ہے اس سے زیادہ ہوں۔ خوب سمجھ لو۔ خدا تعالیٰ ہمیں اور تمہیں فہم (سلیم) عطا فرمائے۔

پس جو شخص خدا تعالیٰ کے علم سے راضی رہے جو اس کے متعلق ہے اس کو کبھی تغیر نہ ہوگا۔ گو تمام انس و جن اس کی مذمت و تنقیص اس کے منہ پر کرنے لگیں جب کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ نہیں بدلا۔ بلکہ بندہ کی شان تو یہ ہے کہ اپنے مولیٰ کے ساتھ ایسا مشغول رہے کہ لوگوں کے معاملات سے بالکل غافل ہو جائے۔

اور میں نے ایک ہاتف کو سنا جو حق تعالیٰ کی طرف سے کہہ رہا تھا کہ ''جو شخص تمام امور کو میری طرف سے مشاہدہ کرتا ہے وہ کسی چیز کے پانے یا کھو جانے سے کبھی متغیر نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص میرے حضور سے نکل گیا میں اس پر اپنے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہوں۔ پس وہ اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔ والسلام۔ سمجھ جاؤ خدا تعالیٰ ہمیں اور تمہیں فہم (سلیم) عطا فرمائے۔

اگر ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی جائے تو مکدر نہ ہونا چاہیے

(۸) اور درویش کی یہ شان ہے کہ جب وہ کسی کو ادب کی بات کا حکم کرتا یا کسی کام سے منع کرتا ہے اور وہ شخص جس کو حکم کیا یا منع کیا ہے اس کی خلاف ورزی کرے تو یہ اس سے مکدر نہیں ہوتا (کیونکہ) حق تعالیٰ فرماتے ہیں ''ما علی الرسول الا البلاغ''[۱] (رسول کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے)۔

اور فرماتے ہیں ''فانما علیك البلاغ وعلینا الحساب''[۲] (پس آپ کے ذمہ پر پہنچا دینا ہے۔ اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے اور یہی منصب وارثان رسول کا ہے

۱ المائدة: ۹۹۔ ۲ الرعد: ۴۰

تو ان کا کام بھی صرف سمجھانا اور نصیحت کر دینا ہے۔ اس کے بعد چاہے کوئی عمل کرے یا نہ کرے اس سے ان کو بحث نہ ہونی چاہئے، پھر مخالفت حکم کے وقت تم مکدر کیوں ہوتے ہو۔۱۲)

اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں "ثم تاب علیھم لیتوبوا"[1] (پھر خدا نے ان پر توجہ کی تاکہ وہ بھی خدا کی طرف توجہ کریں اس سے معلوم ہوا کہ پہلے حق تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں پھر بندہ کو توجہ کی توفیق ہوتی ہے۔۱۲) پس جب تک حق تعالیٰ بندہ میں گناہ کو پیدا کرتے رہیں گے۔ اس وقت تک ممکن نہیں کہ وہ گناہ سے توبہ کر سکے پھر جب حق تعالیٰ بندہ میں گناہ کا پیدا کرنا چھوڑ دیں گے۔ اس وقت وہ بالضرور توبہ کرلے گا، اور اس لئے قیامت میں جب اہل حقوق دوسروں سے اپنے حقوق وصول کرلیں گے، اس وقت حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میں نے ہی بندوں کی زبان کو ان باتوں کے ساتھ گویا کیا تھا جو (غیبت و بہتان وغیرہ کی قسم سے ہے) انہوں نے کہی تھیں اور میں نے ان کے دلوں میں وہ خیالات پیدا کئے تھے جن پر انہوں نے اقدام کیا۔ تو سبحان اللہ وہ کیسے حاکم عادل باریک بیں اور دانا ہیں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ کوئی ان سے ان کے افعال پر باز پرس نہیں کرسکتا۔

اس مضمون کو سمجھ جاؤ۔ اور جان لو کہ امتثال حکم کا معاملہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے اگر حق تعالیٰ نے بندہ کے لئے امتثال کو مقدر کیا ہے تو وہ ضرور حکم کی تعمیل کرے گا ورنہ کسی حکم کرنے والے کی قدرت میں یہ بات نہیں کہ دوسرے سے اپنے حکم کی تعمیل کرالے جب کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا۔

جب تم نے یہ بات سمجھ لی تو اب نرمی اور رحمت کے ساتھ حکم کیا کرو، تحقیر و تذلیل کے ساتھ کسی کو حکم نہ کیا کرو، کیونکہ مخلوق تقدیروں کے جاری ہونے کا محل ہے۔ (جس کے مقدر میں جو کچھ ہے وہ اس پر جاری ہو کر رہتا ہے۔۱۲) اور جس کام میں وہ شخص

---

[1] التوبة: ۱۱۸

مبتلا ہے جس کو تم نے کوئی حکم کیا یا کسی کام سے منع کیا تھا اس کام کا سرزد ہونا تم سے بھی ممکن ہے (پھر کس لئے دوسروں کو حقیر سمجھتے ہو) بلکہ شفقت و رحمت سے حکم کرنا چاہئے اس کا اثر یہ ہوگا کہ) جب تمہارے قلب میں اس پر رحم ہوگا تو دوسرا بھی انقیاد سے پیش آئے گا اور تمہاری نصیحت کا مشکور ہوگا، کیونکہ اس کے قلب نے تمہارے قلب کی شفقت و رحمت کا ادراک کر لیا ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ تم نفسانیت اور تحقیر و بے رحمی کے ساتھ حکم کرو۔ اس وقت ادھر بھی نفسانیت ہی کا جواب ملے گا۔ اب دو نفسوں کا مقابلہ ہوگا تو بجز انکار اور عدم التفات کے کچھ حاصل نہ ہوگا، چنانچہ بکثرت اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

خادم سے کسی کام سے متعلق سختی سے باز پرس نہ کیا کرے

(۹) اور درویش کی یہ شان ہے کہ کسی کام کے متعلق یہ نہ کہے کہ یہ کیوں ہوا اور جو کام نہ ہوا ہو اس کے متعلق یہ نہ کہے کہ ایسا کیوں نہیں ہوا؟ بوجہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے جس میں انہوں نے اپنا حال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ زمانۂ خدمت میں (کہ حضور ﷺ نے عمر بھر کسی کام کے متعلق ان سے یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں نہیں کیا۔ ۱۲)

اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ اس میں در حقیقت حق تعالیٰ کا ادب ہے نہ کہ خادم کا۔ کیونکہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اہل اللہ اس میں حکمت خداوندی کو خوب جانتے ہیں (اس لئے وہ کسی بات پر اپنی طرف سے اعتراض نہیں کرتے ۱۲) اور ناقصین اعتراض سے اس وقت تک باز نہیں آتے جب تک ان کو حکمت نہ بتلائی جائے۔ اور بڑا فرق ہے اس شخص میں جو اعتراض کو ابتداہی سے ترک کر دے اور اس شخص میں جو تفکر و تامل کے بعد ترک کرے۔

اور جاننا چاہئے کہ ابتداء حالت میں ادب سے دو چیزیں مانع ہوتی ہیں ایک تو

حجاب کا واقع ہونا (کہ یہ شخص حق تعالیٰ کی حکمتوں سے محجوب ہے۔) دوسرے دلیلیں قائم کرنا۔ مثلاً یہ کہ شریعت نے ہم کو بعض چیزوں پر انکار کا اور یوں کہنے کا حکم کیا ہے کہ اس کام کا چھوڑ دینا اولیٰ ہے اور اس کام کا کرنا اولیٰ ہے۔ اور یہ بات تو (واقع میں) صحیح ہے لیکن جس کام پر یہ اعتراض کر رہا ہے اس کی بابت یہ معترض حق تعالیٰ کی حکمت سے جاہل ہے۔ (اور اسی کی شکایت کی جاتی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ ناجائز امور پر اعتراض نہ کرو۔ اعتراض ضرور کرو، مگر اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی ان حکمتوں کا بھی لحاظ رکھو جو ان کاموں کے متعلق رکھی گئی ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے کسی کام پر اعتراض نہ کرو، بلکہ ناقلانہ حیثیت سے شریعت کے اعتراض کو نقل کر دیا کرو۔۱۲) اور جو شخص حکمت کو جان کر اعتراض کرتا ہے وہ شریعت کے اعتراض کی وجہ سے اعتراض کرتا ہے (خود اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا) کیونکہ وہ اس وقت حق تعالیٰ کے اعتراض کا ناقل ہوتا ہے، خود معترض نہیں ہوتا تو جس شخص کو یہ ذوق حاصل ہوا سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اقامت حدود کی اجازت ہے، کیونکہ وہ جس چیز کو دیکھے گا اس کے ساتھ حق تعالیٰ کو (پہلے) دیکھے گا اور یہ اس سے اکمل ہے جو اشیاء کو پہلے دیکھے اور خدا تعالیٰ کو بعد میں دیکھے۔ خوب سمجھ جاؤ کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ہے۔

جب یہ بات جان چکے تو اب اگر تم کسی شخص کو کسی کام سے منع کرنا چاہو تو اس سے یوں کہو کہ فلاں کام مت کرو اور خدا تعالیٰ سے توبہ استغفار کرو۔ پس آمر کے ذمہ اتنی ہی بات ہے "واللہ غالب علی امرہ"[1] اور اس سے یوں نہ کہو تو نے یہ کام کیوں کیا یہ کہنا محض بے سود ہے کیونکہ وہ تو ہو چکا۔ اور گزر گیا (اس کے متعلق سوال و جواب سے کیا فائدہ؟ ہاں آئندہ کے لئے بچنے کی تاکید اور گزشتہ سے توبہ و استغفار کی ترغیب دینی چاہئے ۱۲) خوب سمجھ جاؤ۔

---

[1] یوسف: ۲۱

اپنے ان مریدوں سے مکدر نہ ہو جو بیماری کے زمانہ میں ہماری عیادت کو نہ آتے ہوں

(۱۰) اور درویش کی یہ شان ہے کہ جب تک وہ فقراء کاملین کے درجہ سے قاصر رہے تو اپنی بیماری کے زمانے میں ان مریدوں سے مکدر نہ ہو جو اس کی زیارت کو نہیں آئے اور نہ ہدایا[1] وغیرہ سے اس کی خبر گیری کی جن سے وہ اپنی بیماری کے اخراجات میں مدد لیتا۔ جیسے طبیب کی فیس ہے اور دوا کی قیمت وغیرہ (اور مکدر) اس لئے (نہ ہو) کہ اگر زیارت کرنا اور ہدیہ دینا ان کے لئے بہتر تھا، کیونکہ یہ احباب کے حقوق میں سے ہے تو ان لوگوں نے خود ہی اس خیر کو ترک کیا۔ اور اپنے آپ کو خیر سے محروم رکھا۔

اور اگر یہ ان کے لئے اور اس کے لئے سبب شر تھا تو وہ لوگ اس کی خواہش نفسانی میں شریک ہونے سے بچ گئے، کیونکہ اکثر دوائیں بے ضرورت استعمال کی جاتی ہیں تو اس حالت میں جو رقم وہ مرید درویش کو دیتا اس کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا درویش کو دینے سے اولی اور بہتر ہے۔ کیونکہ یہ بعض دفعہ یہودی (اطباء) کو وہ رقم دے دیتا ہے یا ان کو (فضول) کاموں میں صرف کرتا ہے۔ جس کا وہ اسے مشورہ دیتے ہیں۔ خصوصا اگر یہودی حکیم اندھا بھی ہوا تو وہ تو ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے اندھا ہے۔ (اس سے علاج کرانا اور اس کے مشوروں پر عمل کرنا تو حماقت ہی حماقت ہے۔)

غرض درویش ناقص کو اس مضمون کے استحضار سے کام لے کر بیماری وغیرہ میں اپنے مریدوں اور خادموں کی بے اعتنائی سے مکدر نہ ہونا چاہئے۔) رہے فقراء کاملین رضی اللہ عنہم وہ تو اس حالت سے بالکل ہی نا آشنا ہوتے ہیں وہ اپنی معرفت کی وجہ سے ان امور پر التفات ہی نہیں کرتے (کہ کون ہماری عیادت کو آیا اور کون نہیں آیا۔) کیونکہ مخلوق سے زیادہ حق تعالیٰ ان سے قریب ہیں (ان کی نظر ہر دم اس پر رہتی

---

[1] جمع ہدیہ ۱۲ منہ

ہے جو ان سے زیادہ قریب ہے مخلوق پر وہ اصلاً نظر نہیں کرتے، کیونکہ وہ ان سے دور ہے)۔

اور حق تعالیٰ جو کسی وقت ان کو مالی تنگی میں مبتلا کر دیتے ہیں اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے نزدیک معزز ہیں۔ (اور حق تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو رفع درجات کے لئے بعض دفعہ تنگی میں ڈال دیتے ہیں) کاملین کو اس تنگی سے خدا تعالیٰ پر بخل کا کبھی وسوسہ نہیں آتا، کیونکہ حق تعالیٰ بخل کی وجہ سے (اپنی عطا کو) کبھی نہیں روکتے۔ (بلکہ مصلحت کی وجہ سے ایسا کر دیتے ہیں) اور وہ اپنے بندوں کے مصالح کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

اپنے ہاتھ میں کسی نفع وضرر کو نہ سمجھے

(۱۱) اور درویش کی یہ بھی شان ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں کسی نفع وضرر کو نہیں سمجھتا۔ بجز خدا تعالیٰ شانہ کے (یعنی وہ ہر نفع وضرر کو خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے مشاہدہ کرتا ہے ۱۲) اور اگر تمام مخلوق اس کی طرف متوجہ ہو جائے اور یہ ان کو سالک بنا دے اور (خدا کا) راستہ بتا دے، اور ان کو اس سے نفع بھی پہنچ جائے تو ان کی ہدایت کو کسی درجہ میں بھی اپنی طرف نہ منسوب کرے (اور نہ اس میں کچھ دخل سمجھے) حق تعالیٰ سبحانہ فرماتے ہیں "انك لاتهدی من احببت ولكن الله يهدی من يشاء"[۱] (اے محمد ﷺ) آپ اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ حق تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت فرماتے ہیں۔)

اور اس کی علامت یہ ہے کہ جو لوگ (طالب بن کر) اس کے پاس مجتمع ہوں ان میں سے کسی پر بھی اپنے مرتبہ کو بلند نہ سمجھے۔ اور بھلا ان سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا مناسب بھی کب ہے جب کہ یہ ان کے ذریعہ ہی شیخ بنا ہوا ہے، چنانچہ اگر کسی ایسے

---

[۱] القصص : ٥٦

بازار کی طرف نکل جائے جہاں اسے کوئی نہ جانتا ہو اور وہاں جا کر بلند آواز سے پکار کر یوں کہے کہ میں اولیاء اللہ میں سے ایک شیخ ہوں تو کوئی بھی اس کی طرف التفات نہ کرے گا۔ بلکہ لوگ اس کے ساتھ تمسخر کرنے لگیں گے اور اگر یہ اس حال سے نکلے کہ فقراء و مریدین اس کے آگے پیچھے گردن جھکائے چل رہے ہوں تو سب لوگ کہنے لگیں گے کہ یہ صلحاء میں سے کوئی بزرگ ہیں گو ان میں سے کوئی اسے جانتا بھی نہ ہو، نہ پہلے سے کچھ شناسائی ہو، کیونکہ اب اس میں مریدوں کی جماعت کے ساتھ چلنے سے مشیخت کی ایک شان پیدا ہو گئی ہے۔ (اس وقت کسی کے کہنے سننے کی ضرورت نہیں رہی اس شان سے ہر شخص کو اس کا شیخ ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ تو حیرت کی بات ہے کہ جن مریدوں نے اس کو شیخ بنا رکھا ہے ان سے اپنے کو کس طرح افضل سمجھتا ہے)۔

اور نیز یہ بھی سمجھو کہ بعض دفعہ مریدین شیخ سے زیادہ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں، اس لئے کہ شیخ تو (مشیخت کی وجہ سے) ایک بلاء میں مبتلا ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ دن بھر مخلوق کے ساتھ مجلس آرائی میں حقوق اللہ کو ضائع کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ کسی وقت ذکر یا ورد میں مشغول ہوتا ہے تو مریدین بھی اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اس میں وہ شیخ سے بڑھے ہوئے ہیں) پس وہ شیخ سے زیادہ اچھی حالت میں ہیں۔ اور آفات میں (اس سے) کم مبتلا ہیں لیکن اکثر لوگ مشائخ کی تعظیم محض تقلید اور شہرت کی بناء پر کرتے ہیں۔ (اس لئے مریدوں کے ساتھ عوام کو اتنا اعتقاد نہیں ہوتا جتنا مشائخ سے ہوتا ہے)۔

اور مشائخ ناقصین کو جب مخلوق کا اعتقاد اپنے ساتھ محسوس ہو جاتا ہے تو اول اول وہ خوب محنت کرتے ہیں کہ مشیخت کا درجہ ان کو حاصل ہو جائے۔ اور معتقدین زیادہ ہو جائیں، اور جب یہ مراد پوری ہو گئی تو اب وہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں کہ نہ وہ روزے رہے، نہ شب بیداری، نہ خاموشی، نہ احتیاط اور اب مخلوق کو اس وہم میں ڈال دیتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ سے ایک ساعت بھی غافل نہیں رہتے (بلکہ ہمارا باطن ہر وقت ذکر میں

مشغول ہے) اور اعمال ظاہرہ کی ضرورت تو مبتدیوں کو ہوا کرتی ہے، (کاملین کو ان کی ضرورت نہیں رہتی)۔

بس اب وہ ہر دم مخلوق ہی کے ساتھ ہنسی دل لگی میں مشغول پائے جاتے ہیں اور ان کے مریدین ذکر وقرأت اور تلاوت قرآن میں رہتے ہیں تو اب سمجھ لو (کہ ان دونوں میں کون افضل ہے) اور کسی مرید سے اپنے کو بڑا نہ سمجھنے کی یہ بھی علامت ہے کہ اگر سارے مرید اس سے اعراض کر کے کسی دوسرے ہم عصر بزرگ کے پاس چلے جائیں تو اس کو بال برابر بھی ان سے تغیر (وتکدر) نہ ہو، اگر اس میں کچھ بھی تغیر پیدا ہوا تو یہ شخص حق تعالیٰ کی ربوبیت میں منازعت کرنے والا ہے۔ اور اس کی حالت چھپی نہ رہے گی، کیونکہ یہ صفت تعظیم میں خدا کا شریک بننا چاہتا ہے، کہ جس طرح لوگ خدا کی تعظیم کرتے ہیں اسی طرح میری بھی تعظیم کریں، (اور حق تعالی کا ارشاد ہے کہ جو کوئی عظمت وکبریاء میں مجھ سے منازعت کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا[1] اس لئے بہت جلد اس کی قلعی کھل جائے گی ۱۲)۔

اور اگر یہ شخص عبودیت میں سچا ہوتا تو مخلوق کو اس کے ہاتھ سے ہدایت ہوتی یا دوسرے کے ہاتھ سے دونوں (کو یکساں سمجھتا اور ان دونوں صورتوں) میں کچھ فرق نہ کرتا (اور یہ سمجھتا کہ مقصود تو ہدایت خلق ہے خواہ میرے ہاتھ سے ہو یا دوسرے کے ہاتھ سے) کیونکہ ہدایت کرنے والے تو حقیقت میں صرف حق تعالیٰ ہیں۔ وہ جس کے ہاتھ سے چاہیں ہدایت کر دیں، (تم اپنے آپ کو ہادی کیوں سمجھتے ہو، اور دوسروں کے پاس اپنے مریدوں کے چلے جانے سے یہ غم کیوں کرتے ہو کہ ہائے اب ان کو ہدایت نہ ہوگی) خوب سمجھ لو اور جان لو کہ جس شخص کی ہنوز یہ حالت ہے اس کو مشیخت اور ارشاد پر پیش قدمی کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے، کیونکہ ابھی تو اسی کے نفس کی اصلاح اور پوشیدہ امراض کا علاج بہت کچھ باقی ہے (وہ دوسروں کی کیا خاک اصلاح کرے گا؟)

---

[1] دیکھئے مسند احمد، ج:۲، ص:۲۴۴۔ مرتب

اور سیدی ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اس بات سے بچو کہ کہیں حق تعالیٰ کے ادب میں شیطان ہی تم سے بڑھا ہوا نہ ہو، لوگوں نے عرض کیا یہ کیونکر؟ فرمایا اس لئے کہ شیطان نے حق تعالیٰ کی کسی صفت میں کبھی منازعت[1] نہیں کی اور ہمیشہ یہی کہا "انی اخاف اللّٰہ رب العالمین "[2] (کہ میں حق تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام عالم کا پروردگار ہے) بہت سے بہت اس نے ایک حکم کی مخالفت کی ہے جس پر لعنت وطرد کا مستحق ہوگیا، اور مخالفت حکم کا درجہ اس سے کم ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کا ان معاملات میں شریک بننا چاہے جن کے وہ اپنے بندوں سے مستحق ہیں (جیسے تعظیم وتکریم وغیرہ) انتہی اور سمجھ لو کہ بندہ کو ان مصائب میں مبتلا کرنے والی دو باتیں ہیں ایک حب جاہ دوسرے قابلیت سے پہلے شیخ بننے میں جلدی کرنا۔

اور حضرات سلف صالحین میں تو کوئی شخص بھی مقام بقاء میں رسوخ اور پختگی حاصل ہونے سے پہلے اس دروازہ کی طرف ہرگز جلدی نہ کرتا تھا۔ (اور یہ وہ مقام ہے جس کے بعد قطبیت کے سوا کوئی مقام نہیں کیونکہ اس وقت یہ شخص اس حدیث کا مصداق ہوجاتا ہے۔ فبی یسمع وبی یبصرو بی ینطق[3] (کہ اس کا سننا، دیکھنا، بولنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا سب خدا کے ساتھ اس کے حکم سے ہوتا ہے ۱۲۔) پس وہ بولتا ہی نہیں جب تک اس کو بلایا نہ جائے، جیسا کہ حضرت سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی حالت تھی، اس وقت بندہ دعوی سے مامون ہوجاتا ہے۔ اور (غیب سے اس کو) سیدھا رکھا جاتا، اور اس کے اقوال وافعال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور جو شخص اس مقام پر پہنچنے کا دعوی کرے ہم اس پر انکار نہ کریں گے۔ بلکہ اس کی حالت کو خدا تعالیٰ کے سپرد کریں گے اب اگر وہ جھوٹا ہوا تو اس کے جھوٹ کا وبال اس کی گردن پر ہوگا، اور اگر سچا

---

[1] قلت فیہ نظر لقولہ تعالی "ابی واستکبر" و فیہ منازعة صفة الکبریاء واثباتها لنفسه۔ ۱۲ مترجم

[2] المائدة : ۲۸

[3] حوالہ گزر چکا ہے۔ م

ہواتو ہم اس کا ادب پہلے ہی سے کر چکے (کہ اس کے دعوی پر انکار و تکذیب نہیں کی)۔

اور (عزیز من ! تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے کیونکہ) حق تعالیٰ کی عطائیں اپنے بندوں پر احاطہ سے باہر ہیں اور ولایت کے لئے کرامات کا ظاہر ہونا شرط نہیں، بلکہ صرف احکام الٰہی کا بجالانا اور ممنوعات سے پرہیز کرنا شرط ہے کہ اس کی حالت کتاب وسنت کے موافق منضبط ہو۔ پس جو شخص ایسا ہو اس کی ولایت پر قرآن شاہد ہے اگرچہ اس کا کوئی بھی معتقد نہ ہو، اور چاہے کوئی اس کا متبع و مرید نہ ہو، جب تم نے اس بات کو جان لیا تو اس سے بچتے رہو کہ اپنے پاس مجتمع ہونے والے مریدوں پر اپنی عزت اور بڑائی کا خیال دل میں لاؤ اور اپنے جی میں یہ کہو کہ یہ لوگ تو میری طرف محتاج ہیں اور میں کسی بات کی تعلیم میں ان کی طرف محتاج نہیں ہوں کیونکہ یہ جہالت ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ تم نے مقام فقر کو پوری طرح طے نہیں کیا جیسا چاہئے تھا۔

اور اس بات کی علامت ہے کہ تم بتدریج شیطان کے راستے میں ترقی کر رہے ہو، (خدا کے راستہ میں نہیں چل رہے) پھر اس حالت میں تم سے کسی کی بھی تربیت نہیں ہوسکتی کیونکہ تم مرید کی احتیاج اپنی طرف دیکھ رہے ہو، اور یہ خیال تم کو حالا احتیاج الی اللہ سے روک رہا ہے (گو قالا تم اس کے مدعی ہو) کیونکہ یہ حالت تمہارے اندر خدا تعالیٰ سے استغنا ہی پیدا کرے گی (احتیاج کی صفت نہ پیدا کرے گی) اور ایسا شخص بالضرور عزت و جاہ کا طالب ہوگا ''فافهم''۔

رہے مشائخ کاملین جو طریق میں محقق وراسخ ہیں ان کی یہ شان ہے کہ جب وہ مریدوں کو اس دولت کا محتاج دیکھتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا ہوئی ہے تو وہ اس نعمت پر حق تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے ان کے ساتھ ایک ایسی جماعت کو وابستہ کر دیا جو ان کے سامنے اپنی احتیاج ظاہر کر کے ان کو اس بات پر متنبہ کرتے رہتے ہیں کہ تم بھی خدا تعالیٰ کے محتاج ہو کیونکہ اگر ان کی طرف کسی کی احتیاج ظاہر نہ ہوتی تو شاید یہ کسی وقت اپنے محتاج ہونے کو بھول جاتے پس محققین مرید کا حق اپنے

اوپر اس حق سے زیادہ سمجھتے ہیں کہ جوان کا مرید کے اوپر ہے، کیونکہ مریدین حالاً ان کے شیخ ہیں، اور یہ صرف قالاً اور تربیت کے درجہ میں ان کے شیخ ہیں تو اس مقام میں خوب غور کرو کیونکہ یہ نفیس مضمون ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت کرے۔

دنیا میں جو کچھ ظاہر ہو اس سے متغیر نہ ہو

(۱۲) اور درویش کی ایک شان یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ظاہر ہو اس سے متغیر نہ ہو کیونکہ قربِ حق کی عظمت کے سامنے درویش کا نفس فنا ہو جاتا ہے، اسلئے وہ ہر دم اپنے مالک کے ساتھ رہتا ہے اس کے مراقبہ سے (اور عظمت کے استحضار سے کسی وقت) جدا نہیں ہوتا، نہ اس کے عوض کسی غیر کا طالب ہوتا ہے، اور جس کی یہ شان ہو وہ ہر حالت میں ادب کی رعایت کرے گا، کیونکہ وہ اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ (زمین و آسمان میں) جو چیز بھی چلنے والی ہے حق تعالیٰ اس کی پیشانی کو پکڑنے والے ہیں، اور بدون اس کے اذن کے ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرسکتا اہل قرب کا مقام یہی ہے (اسی لئے ان کو عالم کے تغیرات سے کبھی تکدر نہیں ہوتا۔)

اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ مدت دراز سے میری حالت یہ ہے کہ میرے نفس کو واقعات عالم میں کسی بات سے بھی ناگواری نہیں ہوتی، کیونکہ میں نے (یقین کے ساتھ) جان لیا ہے کہ دنیا (کی عمارت) تو انہی چیزوں پر قائم کی گئی ہے[1] جو نفس کو ناگوار ہوں جیسے مصائب آلام اور پریشان کن واقعات، پس مجھ پر ان میں سے جو کچھ بھی وارد ہو وہ تو دنیا کی اصلی حالت کے موافق اور جو امور اس کے خلاف میرے نفس کے موافق وارد ہوں وہ دنیا کی اصلی حالت کے خلاف ہے تو ان پر میں حق تعالیٰ کا

---

[1] قلت یؤیده قوله تعالی لقد خلقنا الانسان فی کبد (سورة البلد: ٤) والاحادیث واقوال الحکماء فیه کثیرة ولنعم ما قال الشاعر ۔

ومن یحمد الدنیا بعیش یسره　　فسوف لعمری عن قلیل یلومها

اذا ادبر کانت علی المرء حسرة　　وان اقبلت کانت کثیرا همومها ۱۲ منه

شکر بجالاتا ہوں اور ظاہر ہے کہ جو شخص ناگوار اور پریشان کن واقعات پر دنیا کی بناء سمجھتا ہو اور ان کو اصل کے موافق جانتا ہو اسے کسی واقعہ سے ناگواری کیوں ہونے لگی، پس اگر کوئی یہ چاہے کہ میرے واسطے وجود عالم اپنی اصلی حالت سے بدل جائے جس پر اس کی بناء ہے اور مجھے کوئی ناگوار بات پیش نہ آئے تو یہ جہالت ہے (بلکہ عبدیت کی شان یہ ہے کہ اپنے کو مرضی حق کے تابع کردے کہ وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے اور یہ ہر حال میں راضی رہے ۱۲)۔

قطب ربانی سیدی شیخ احمد رفاعی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر تمام مخلوق دو فرقوں پر منقسم ہو جائے اور ایک فریق میری دائیں جانب کھڑا ہو کر (تعظیم واعتقاد کے ساتھ) مجھے عود واگر کی دھونی دے، اور دوسرا فریق (مخالف ہو کر) بائیں طرف سے قینچیوں کے ساتھ میرا گوشت کاٹنے لگے تو میں دونوں کو تقدیر الٰہی کا مظہر سمجھوں گا (اور دونوں حالتوں میں حق تعالیٰ سے یکساں طور پر راضی رہوں گا) نہ فریق اول کے (اچھے) برتاؤ سے اس میں کچھ زیادتی ہوگی نہ دوسرے فریق کے (برے) برتاؤ سے اس میں[1] کچھ کمی ہوگی اھ۔

---

[1] میں نے کسی ثقہ سے سنا ہے کہ قطب عالم سیدی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے حضرت امام وقت شیخ العرب والعجم حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں ایک بار اپنے کچھ باطنی حالات تحریر فرمائے تھے من جملہ ان کے ایک یہ بات بھی تحریر فرمائی تھی کہ بندہ کو مدح وذم برابر ہے اھ۔

حضرت حاجی صاحب اس پر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ الحمد للہ مولانا کو بہت بڑا مقام عطا ہوا ہے اھ۔ عزیز من! ہمارے مشائخ الحمد للہ اسی قدم پر ہیں ابھی قریب زمانے میں جب ہندوستان کے اندر تحریکات کا بہت زور وشور تھا اکثر علماء وعوام حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی شان میں کلمات ناشائستہ کہتے اور ایک طرف سے قریب قریب سبھی مخالف ہو گئے تھے حضرت حکیم الامۃ بحمد اللہ اس وقت بھی ویسے ہی مسرور وشاداں تھے جیسے رجوع خلق کے زمانہ میں خوش تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس واقعہ سے باطنی نفع بہت بڑا حاصل ہوا ہے وہ یہ کہ (بمقتضائے بشریت کبھی اپنے احباب کے مجمع سے انسان خوش ہوا کرتا ہے اور گو یہ خوشی مذموم نہیں کیونکہ نعمت الٰہیہ پر خوشی ہے مگر اس سے کسی وقت احباب پر فی الجملہ نظر ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے

عزیز من ! اس مضمون کو سمجھ جاؤ اور ان بزرگوں کے طریق پر چلو اگر تم ان سے ملنا چاہتے ہو، (اور اس سے وہ ناگوار) افعال مستثنٰی ہیں جو ان لوگوں سے صادر ہوں جن کی تربیت اس شیخ کے متعلق ہے، وہاں ناگواری کا اظہار لوازم تربیت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس واقعہ سے حق تعالٰی نے اس اندیشہ کا دروازہ بالکل بند فرما دیا، اب میری یہ حالت ہے کہ بجز خدا تعالٰی کے مجھے کسی پر بھی نظر نہیں نہ کسی عزیز پر اور نہ کسی محبّ پر۔ اب اگر وہ قلیل جماعت بھی میرے ساتھ نہ رہے جو اس وقت میرے موافق ہے اور سب چھوڑ کر الگ ہو جائیں تو مجھے کچھ بھی ناگواری اور پریشانی نہ ہوگی کیونکہ اس واقعہ میں ایسے لوگوں نے مجھے برا بھلا کہا ہے جن سے کبھی اس کا احتمال نہ ہو سکتا تھا اور ان لوگوں نے ایذائیں دی ہیں جو بڑے محب و مخلص بنتے تھے لہٰذا اب میرا قلب سب سے خالی ہو گیا، اور بحمد اللہ سوا خدا تعالٰی محبوب حقیقی کے مجھے کسی پر بھی اعتماد نہیں اھ۔

یہ بھی فرماتے تھے کہ اس باطنی منفعت کے استحضار سے مجھے ان لوگوں پر غصہ بھی نہیں آتا جو درپے ایذا و مشغول سب وشتم ہیں کیونکہ میں اس کی باطنی حکمت کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور اسی لئے میں نے سب کو معافی چاہنے سے پہلے ہی معاف کر دیا ہے۔ اور حق تعالٰی سے برابر عرض کرتا ہوں کہ میری وجہ سے کسی مسلمان سے مؤاخذہ نہ کیا جائے میں نے اپنا حق معاف کیا۔ معافی تو میرے یہاں بہت سستی ہے ،البتہ انشراح قلب میرے یہاں بہت گراں ہے بقول سعدی۔

بسائے زجورت جگر خون شود بیک ساعت از دل بدر چوں شود

ظاہر ہے کہ ایذا رسانی پر مواخذہ لینا تو اختیاری امر ہے اور ایذا رساں سے دل کا منشرح ہو جانا یہ اختیار سے خارج ہے اسی لئے حضور ﷺ نے وحشی بن حربؓ کو اسلام کے بعد معاف فرمایا تھا "ھل تستطیع ان تغیب عنی وجھك" اسلام کے بعد آپ نے قتل حمزہ کا قصور تو معاف کر دیا تھا مگر صورت قاتل دیکھ کر واقعہ کا خیال نہ آنا یہ آپ کے اختیار سے باہر تھا ہاں اس کی بھی ایک صورت ہے وہ یہ کہ جیسے ایک زمانہ تک کوئی ایذا رسانی کے درپے رہا ہے ایک عرصہ تک ارضاء کے درپے رہے تو آخر دل میں پتھر تو نہیں کسی وقت صاف ہو ہی جائے گا لیکن معافی کے ساتھ ہی دل میں انشراح بھی پیدا ہو جائے یہ عادتاً قدرت انسان سے باہر ہے، خوب سمجھ لو۔ ۱۲ مترجم۔

اور عین اتباع سنت ہے حضور اقدس (ﷺ) کا ''لقطہ ابل'' کے سوال کے وقت متغیر ہونا احادیث میں وارد ہے ۱۲)۔

مسند مشیخت وارشاد کے لئے اس وقت تک تیار نہ ہو جب تک اپنے خاص مریدوں کو نہ پہچان لے

(۱۳) اور درویش (کامل کی یہ بھی شان ہے کہ وہ مسند مشیخت وارشاد کے لئے اس وقت تک تیار نہیں ہوتا جب تک اپنے ان مریدوں کو نہیں پہچان لیتا[۱] جو روز ازل سے اس کے مرید ہو چکے ہیں چنانچہ سہل بن عبداللہ تستریؒ نے یوں ہی فرمایا ہے کہ میں اپنے مریدوں کو روز ازل سے پہچانتا ہوں، اور میں جانتا ہوں کہ کون میرے ہاتھ سے کامیاب ہوگا اور کون کامیاب نہ ہوگا، اور مجھے معلوم ہے کہ اس وقت کون تو میرے دائیں طرف تھا اور کون بائیں طرف تھا اھ۔

جب تم نے یہ بات جان لی تو اب سمجھ لو جو شخص اس درجہ کا ہوا سے یہ حق ہے کہ اپنے مریدوں کو دوسرے مشائخ کے پاس جانے سے روک دے، کیونکہ راسخین کا کشف بہت ہی کم غلط ہوتا ہے ویمحو اللّٰہ مایشاء ویثبت[۲]، اور حق تعالیٰ جو چاہتے ہیں لکھتے ہیں اور جو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں۔ (اس لئے بعض اوقات کاملین کے کشف میں بھی غلطی ہو جانا بعید نہیں مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے)۔

---

۱ علاوہ توجیہ مذکورہ فی الحاشیة الآتیہ کے ایک اور توجیہ بھی جو مدت دراز سے بے ساختہ ذہن میں آتی تھی (کیونکہ مدت سے یہ مضمون نظر سے گذرا ہوا ہے) اس کی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ یہ شرط مطلق مشیخت کی نہیں، بلکہ خاص اس مشیخت کی ہے جس کے خاص احکام ہیں جن میں سے اپنے مریدین کو دوسرے مشائخ سے جبراً روکنا بھی ہے یہ روکنا اس شیخ کو جائز ہے جس میں یہ شرط پائی جاتی ہو جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام کو کشف قطعی یعنی وحی سے نجات کا ان کے اتباع میں منحصر ہونا معلوم ہو جاتا ہے تو ان پر فرض ہے کہ دوسرے کے اتباع سے امت کو روکیں ۱۲ کتبہ سیدی حکیم الامۃ بقلمہ

۲ سورۃ الرعد: ۳۹

اور جس شیخ کو یہ درجہ حاصل نہ ہو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ محض اپنی عزت قائم رکھنے کے لئے مخلوق پر اس بات میں تنگی کر دے جس میں (فی نفسہ ان کے لئے) وسعت ہے، اور یوں چاہے کہ یہ سب مرید میری ہی طرف منسوب رہیں کسی اور کی طرف منسوب نہ ہوں "واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لایعلمون"[1] (اور اللہ تعالیٰ اپنے کاموں پر پورا غالب ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے)۔

اور (یاد رکھو!) بندہ کے ہاتھ سے مخلوق کو جتنا نفع مقدر ہو چکا ہے وہ تو ضرور پہنچ کر رہے گا (پھر اس تنگی کی کیا ضرورت ہے)" فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون"[2] جب ان کا وقت آجائے گا تو اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے، (پس تم اپنے مریدوں کو سب مشائخ کے پاس جانے کی اجازت دے دیا کرو، پھر جس کی تقدیر میں تمہارے ہاتھ سے کامیاب ہونا ہے وہ جھک مار کر یہیں آئے گا کہیں نہیں رہ سکتا اور جو دوسری جگہ رہ گیا سمجھ لو اس کے مقدر میں تمہارے ہاتھ پر کامیابی نہ تھی ۱۲)۔

اور دنیا سے کوئی نفس اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک اپنے مقسوم کو پوری طرح وصول نہ کر لے گا (پس مطمئن رہو کہ جتنا نفع پہنچانا تمہارے لئے مقدر ہے تم اس کو پہنچا کر مرو گے، پھر کسی مرید کے دوسرے کے یہاں چلے جانے سے کیوں دل گیر ہوتے ہو؟)

اور ناقصین کو اس تنگ گیری میں یہ بات ڈالتی ہے کہ وہ اپنے کو صاحب کمال اور عارف کامل سمجھ لیتے ہیں (اس لئے کاملین کی طرح یہ بھی اپنے مریدوں کو دوسرے مشائخ کی زیارت سے روکنے لگتے ہیں) حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے، کیونکہ جس کو خدا تعالیٰ کی کامل معرفت ہوتی ہے اس پر اپنے مریدوں کی حالت مخفی نہیں رہا کرتی۔ پس

---

[1] سورة یوسف : ۲۱

[2] سورة النحل:٦١

(ان کو بے شک روکنے کا حق ہے مگر) ان جیسے (ناقصوں) کا دوسروں سے اپنے متعلقین کو روکنا تو محض جہالت کی بناء پر ایک نیک کام سے ان کو روکنا ہے، اگرچہ حقیقت میں روکنے والے حق تعالیٰ ہی ہیں کیونکہ اگر ان مریدوں کی قسمت میں دوسرے مشائخ سے ملاقات (لکھی) ہوتی تو اس کا وقوع ضرور ہوتا کیونکہ مخلوق میں باہم اجتماع اور افتراق کے اوقات بھی خاص تقدیر کے موافق ہیں۔ پس ان روکنے والوں سے تو محض ان کے قصد پر مواخذہ ہے ورنہ ہوتا وہی ہے جو حق تعالیٰ چاہتے ہیں۔

غرض ناقص کو یہ بات[۱] جائز نہیں کہ وہ اکابر اولیاء کی مشابہت اختیار کرنے لگے جو اپنے بعض مریدوں کو دوسرے مشائخ سے اس لئے روکتے تھے کہ کشف صحیح سے

[۱] یہاں چند باتیں قابل تحقیق ہیں (۱) یہ جو علامہ نے فرمایا ہے کہ شیخ کامل کو اپنے مریدوں کا حال روز ازل سے معلوم ہونا چاہئے اس کے دو طریق ہیں ایک کشف مگر اس کا سب کو ہونا ضروری نہیں اور تو اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی بعض واقعات کا کشف نہیں ہوا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لڑکے کے انجام کی اطلاع نہ ہوئی جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا ہاں خضر علیہ السلام کو کشف ہوگیا تھا کہ یہ زندہ رہا تو کافر ہوگا، اور اس پر اجماع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام رسل اولوالعزم میں ہونے کی وجہ سے خضر علیہ السلام سے افضل ہیں اور اس پر بھی اجماع ہے کہ علم نبوت علم کشف سے افضل ہے چنانچہ یہ بات خود علامہ شعرانیؒ کے کلام میں بھی مصرح ہے کما سیاتی

نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے باپ کا انجام معلوم نہ تھا اسی لئے اس کے حق میں استغفار کرتے رہے "فلما تبین له انه عدو لله تبرأ منه "(۱) پھر جب ان کو وحی وغیرہ سے یہ بات محقق ہوگئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے تب اس سے برأت ظاہر کی۔ خود سید الانبیاء رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا ابوطالب کا انجام اول معلوم نہ تھا اسی لئے برابر ان کے اسلام لانے کی توقع میں کوشاں رہے آخر ان کی موت کے وقت معلوم ہوا کہ ان کی تقدیر میں ایمان نہیں۔ علیٰ ہذا بعض لوگ حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لائے اور آپ ﷺ نے ان کو مسلمان کر کے بیعت میں داخل کر لیا حالانکہ ان میں سے بعض لوگ بعد میں مرتد ہو گئے جیسے عبداللہ بن ابی سرح

(۱) توبہ: ۱۱٤

ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کو ہمارے سوا کسی کے ہاتھ سے نفع نہ ہوگا۔ اور اپنے کو ان جیسا سمجھ کر انہی کی طرح اپنے مریدوں کو دوسروں سے روکنے لگے اور بدون اس

(**بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ**) وغیرہ۔ انبیاء کے ان روشن واقعات سے یہ بات ظاہر ہے کہ شیخ کامل کے لئے اپنے مریدوں کی حالت پر کشفی طور پر مطلع ہو جانا ضروری نہیں۔

دوسرا طریق وجدان صحیح ہے یہ البتہ شیخ کامل کے لئے ضروری ہے۔ اور مشائخ کاملین کو وجدان صحیح سے یہ بات بے شک معلوم ہو جاتی ہے کہ کون ہمارا مرید روز ازل سے ہے اور کون نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کامل کے قلب کو جس شخص کی طرف از خود کشش ہوتی ہے گو اس نے طلب بھی ظاہر نہ کی ہو۔ وہ اس کا ازل سے مرید ہے وہ اسی شیخ کے ہاتھ سے منتفع ہو سکتا ہے دوسرے سے نہیں۔ اور جس کی طرف شیخ کے قلب کو از خود کشش نہ ہو بلکہ اول طالب کے قلب کو کشش ہو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو طالب کی طلب کے بعد شیخ کو بھی اس کی طرف میلان ہو جائے اس شخص کا حال مشتبہ ہے کبھی تو یہ ازل سے مرید ہوتا ہے اور کبھی نہیں اور اگر شیخ کے قلب کو بالکل میلان نہ ہو یہ ازل سے اس کا مرید نہیں اس کو اس شیخ سے نفع نہ ہوگا" والیہ الا شارة فی قوله صلی الله علیه وسلم "الارواح جنود مجندة ماتعارف منها ائتلف وماتناکر منها اختلف"۔ (۱)

اس بناء پر مشائخ کاملین کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کی طرف ان کے قلب کو از خود کشش ہوتی ہے جب وہ طلب ظاہر کرتا ہے اس کو تو فوراً بیعت کر لیتے ہیں دیر نہیں لگاتے (واولئك هم المفلحون) اور جس کی طرف از خود کشش نہیں ہوتی اس کی بیعت میں جلدی نہیں کرتے توقف فرماتے ہیں۔ اگر اس کی طلب ظاہر کرتے رہنے سے ان کے قلب میں میلان پیدا ہو گیا تو توکلا علی الله بیعت فرما لیتے ہیں (فمنهم الثابت المفلح ومنهم المتزلزل المتغیر ۱۲) اور اگر پھر بھی میلان پیدا نہ ہوا تو صاف فرما دیتے ہیں کہ تم کسی اور سے بیعت ہو جاؤ ہمارے اور تمہارے درمیان مناسبت نہیں ہے اور پہلی دو قسموں میں قسم اول کے مریدوں کو تو دوسرے مشائخ سے روکنے کا شیخ کو حق ہے اور دوسری قسم کے مریدوں کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

(۱) مسلم کتاب البر والصلة باب الارواح جنود مجندة ص:۱۸۵ ج:۱۶۔ مرتب

کے کہ اس کو لوگوں کے متعلق جن کو روک رہا ہے کشف صحیح سے کچھ معلوم ہو ان احکام (واقوال سے استدلال کرنے لگے جو اکابر نے اپنے رسائل میں اس قسم کے ارشاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حضرت حکیم الامت دام مجدہم فرماتے تھے کہ مجھے یاد نہیں ہے کہ کسی شخص کی طرف میرے قلب کو از خود کشش ہوئی ہو اور پھر وہ میرے پاس نہ آیا ہو کسی نہ کسی وقت ضرور آیا اور آکر بیعت کی درخواست کی، پھر الحمدللہ اس کو بہت نفع ہوا، مگر حضرت حکیم الامت ایسے مریدوں کو بھی دوسرے مشائخ سے نہیں روکتے، بلکہ عام طور پر سب کو اجازت دیتے ہیں کہ جس کو جہاں نفع زیادہ معلوم ہو چلا جائے میں مخلوق کو خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں اپنا بندہ بنانا نہیں چاہتا۔ اور یہی حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ بھی فرمایا کرتے تھے۔

تحقیق ثانی: تحقیق اول مشائخ کے متعلق تھی یہ مریدین کے متعلق ہے وہ یہ کہ صوفیہ کرام نے جو مریدین کو مختلف مشائخ کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اول بیعت ہونے سے پہلے تو مختلف مشائخ کی زیارت کر کے ان کے پاس کچھ دنوں رہ کر دیکھ لیں کہ ان میں سے اپنی طبیعت کو کس سے زیادہ لگاؤ ہے، پھر جب کسی ایک سے زیادہ لگاؤ معلوم ہو اس سے بیعت ہو جائیں۔ اگر بیعت کے بعد ذکر و شغل میں مشغول ہو کر نفع معلوم ہو اور اصلاح نفس میں ترقی محسوس ہو تو لازم پکڑ لیں۔ اب کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہوں کیونکہ قطع طریق کے لئے وحدت مطلب شرط ہے، کیونکہ وہ جمعیت و سکون قلب پر موقوف ہے اور یہ بات بدون اس کے حاصل نہیں ہوتی کہ ایک شیخ پر اپنی نظر کو مقتصر کر لیا جائے۔ زمان واحد میں دو یا زیادہ مشائخ سے استفادہ موجب تشتت ہے جو مانع طریق ہے۔

(قلت ولا تنافیه استفادته من شیخین فی زمانین مختلفین کمالو مات الاول اوغاب غیبة طویلة فتوجه الی شیخ آخر مثلا افاده سیدی حکیم الامت ودلیل الاول مستغن عن البیان وکذا دلیل الثانی لاشتراك العلة ونظیره فی الاحکام ماقاله فقهاءنا اذا غاب الولی الاقرب غیبة منقطعة انتقلت الولایة الی من بعده فافهم)

اور اگر بیعت کے بعد نفع محسوس نہ ہو تو ادب کے ساتھ اس سے الگ ہو کر کسی دوسرے شیخ کی طرف متوجہ ہو پھر اس کے ساتھ بھی یہی صورت اختیار کرے کہ بدون کامل جانچ کے بیعت نہ ہو اور بیعت کے بعد نفع معلوم ہو تو اس کو لازم پکڑے پھر کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم

فرمائے ہیں۔(جن میں مریدوں کو مختلف مشائخ کی زیارت سے روکا گیا ہے۱۲ خوب سمجھ لو۔

اور جاننا چاہئے کہ صاحب ارشاد کی شرط یہ ہے کہ وہ تلقین وارشاد میں اس بات پر اعتماد کرے جو حق تعالیٰ اس کے قلب میں القا فرمادیں۔پس وہ اپنے پاس رہنے والوں میں سے ہر ایک کو وہ بات بتلادے جس کو اس کی استعداد قبول کرتی ہو۔

اور جو شخص محض بزرگوں کے اقوال کا مطالعہ کر کے یکساں طور پر ہر شخص کو بتلا دیا اور سنا دیا کرے وہ صاحب ارشاد نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے ذوق سے کچھ نہیں کہتا بلکہ دوسروں کے ذوق کا ناقل ہے۔اور اسی وجہ سے شب معراج میں نماز کی تعداد کے متعلق پچاس سے پانچ تک تخفیف ہو جانے کی درخواست کرنے کے لئے تمام انبیاء میں سے خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نے بار بار گفتگو کی (کہ پچاس نمازیں بہت زیادہ ہیں اس میں کمی کی درخواست کیجئے چنانچہ پانچ رہ گئیں) کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت ان باتوں کو حضور ﷺ سے زیادہ جانتے تھے اور اس لئے کہ ان کو بنی اسرائیل کے تجربہ سے اس کا ذوق حاصل ہو چکا تھا تو انہوں نے ذوق وتجربہ کے ساتھ گفتگو فرمائی۔

جب تم یہ بات سمجھ گئے تو اب جانو کہ جنید وغیرہ کے اقوال (واحوال) بیان کر دینا ارشاد وتلقین میں داخل نہیں خواہ وہ مرید کی حالت کے مناسب ہوں یا نہ ہوں۔ (مگر آج کل لوگ اسی کو ارشاد وسلوک سمجھتے ہیں) اور بعض مرید شیخ کے پاس جا کر اپنے ان بھائیوں سے (جو مجلس میں حاضر نہ ہوئے ہوں) یوں کہتے ہیں کہ افسوس آج تم سے وہ حکایتیں فوت ہو گئیں جو عقل کو خیرہ بنائے دیتی تھیں۔

اور یہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ہم ان حکایتوں (اور باتوں) کے سننے ہی سے سالک ہو گئے،حالانکہ ان کو ان باتوں کا ذوق بھی حاصل نہیں ہوا۔کیونکہ کاملین کی باتوں کا کسی قدر ذوق اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو ان کے درجہ میں ہو(پورا ذوق اس کو

بھی نہیں ہوتا) کیونکہ دو شخص ایک ذوق میں (کامل طور پر) متحد نہیں ہو سکتے۔

اور ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر درویش عمر نوح میں ریگستان عالج کے ریت کی شمار کے برابر صوفیہ کے کتابوں کا مطالعہ کرے جب بھی وہ محض مطالعہ سے صوفی نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے (یعنی کبھی نہیں ہوسکتا) اور جس شخص کے دل میں حق تعالیٰ نے ایسا نور نہ ڈالا ہو جس سے وہ حق وباطل میں امتیاز نہ کر سکے وہ اس دروازہ (مشیخت میں داخل ہونے) کے قابل نہیں۔"یا ایها الذین آمنوا ان تتقوا اللّٰه یجعل لکم فرقانا"[1] اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے واسطے (حق وباطل میں) تمیز (کرنے کی قوت) پیدا کر دیں گے۔

(پس شیخ کو تقوی کا اہتمام کرنا چاہئے اس سے اس کے قلب میں خاص نور پیدا ہوگا صرف مطالعہ سے کچھ نہیں ہوسکتا) اور اس کا (یعنی بزرگوں کے اقوال بیان کرنے پر اکتفا کا) تمام تر سبب یہ ہوتا ہے کہ بعض ناقصین جب زمانہ (دراز) تک اپنے مشائخ کی صحبت میں رہ چکتے ہیں اور پھر بھی کشود کار نہیں ہوتا اور اجازت (وخلافت) کے منتظر رہتے ہیں اور اجازت نہیں ملتی تو ان کو اپنی مشیخت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور ان کی نیت بخیر ہوتی ہے، مگر وہ ہنوز ناقص ہونے کی وجہ سے ایسی آفات نفسانیہ میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں، جن سے عموما کوئی (ناقص) بھی نہیں بچ سکتا جیسا کہ باب آئندہ سے معلوم ہوگا۔

تو اب وہ (اپنی مشیخت جمانے کے لئے ۱۲) ناقص مریدوں کی تربیت شروع کر دیتے ہیں اور مشائخ متقدمین کی کتابوں اور رسالوں کا اختصار کر کے (تصوف میں دو چار کتابیں لکھ مارتے اور) ان کو اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں اور (شاگردوں) مریدوں کو ان کی نقل کا حکم کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ ان پر ہمارا نام لکھ دو اور (اس طرح

---

[1] سورۃ الانفال: ۲۹

ان کو) اس وہم میں ڈال دیتے ہیں کہ یہ سب (مضامین ہماری طرف سے ہیں اور یہ) ہمارا ہی کلام ہے، حالانکہ اتنا کام تو ہر نحوی اور زبان داں کرسکتا ہے اور وہ (مرید) ان کی باتوں کو سن کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا شیخ علم وہبی و علم لدنی سے باتیں کرتا ہے۔

حالانکہ یہ سب باتیں وہی ہیں جو ان ناقص مشائخ نے رسالہ قشیریہ یا عوارف المعارف وغیرہ (کے مطالعہ) سے یاد کرلی ہیں، مگر (چونکہ مریدوں اور شاگردوں کے پاس یہ کتابیں نہیں ہیں اس لئے ان کو خبر نہیں ہوتی کہ یہ مضامین شیخ نے اپنی طرف سے بیان نہیں کئے، بلکہ صوفیہ کی کتابوں سے یاد کرلئے ہیں ۱۲) اور اگر مریدوں کے پاس یہ کتابیں ہوں بھی تو یہ (ناقص) مشائخ ان کے مطالعہ سے مریدوں کو نہ خود ان کے ضرر کے خوف سے بلکہ محض اس لئے منع کردیتے ہیں کہ مبادا ان کو ان مضامین پر اطلاع ہوجاوے جو یہ ان کے سامنے بیان کیا کرتے تھے[1] پھر (کتابوں میں یہی مضامین دیکھ کر ۱۲) ان کا اعتقاد شیخ سے کم ہوجائے (اور اس کی پوری قلعی کھل جائے)۔

پس خدا اس شخص پر رحم کرے جو اپنی حالت کو پہچان کر (اپنے نقص کا اعتراف کرے، اور مثل مشہور میں کہا گیا ہے "ما هلك امرؤ عرف قدره" کہ وہ شخص

---

[1] یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعض مشائخ کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ کتابوں کا مطالعہ بالکل نہیں کرتے اور محض اپنی فہم و معرفت سے ایسے علوم و معارف بیان فرماتے ہیں جن کی تائید سلف کے کلام میں بھی پائی جاتی ہے تو سامعین کو جلدی سے شیخ پر یہ بدگمانی نہ کرنا چاہئے کہ کتابوں کے مطالعہ سے یہ علوم بیان کرتا ہے کیونکہ علوم حقہ میں محقق کے کلام کو سلف سے توارد و تطابق ضرور ہوگا گو اس کو خبر بھی نہ ہو کہ سلف میں سے بھی کسی نے یہ بات بیان کی ہے۔ پس جس شیخ کے متعلق ثابت ہوجائے کہ یہ کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتا ان کے علوم کو سلف کے کلام میں دیکھ کر توارد پر محمول کرنا چاہئے اور یہ بات اس کے زیادت کمال کی دلیل ہوگی کہ اس کے علوم سلف میں بھی مقبول ہیں چنانچہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ اور حضرت سیدی حکیم الامت دامت برکاتہم کے علوم اسی شان کے ہیں کہ یہ حضرات کتابوں میں دیکھ کر نہیں بیان فرماتے ہیں، مگر سلف کے کلام سے ان کے علوم کی تائید ہوتی ہے ۱۲ مترجم

ہلاک نہیں ہوسکتا جو اپنی قدر کو پہچان لے اور جو صاحب ارشاد ایسا ہو کہ اگر تمام کتب نقلیہ گم ہو جاویں تو وہ محض کتاب اللہ اور سنت نبویہ سے احکام (سلوک) اور آداب (طریق) کے استنباط[۱] کی قوت نہ رکھتا ہو وہ صاحب ارشاد (بنانے کے قابل) نہیں۔

اور جاننا چاہئے کہ عارفین اس بات کو جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ رات دن تغیر و تحویل میں ہیں (یعنی قلوب کو بدلتے اور پلٹتے رہتے ہیں) کیونکہ ہر دن نئے حالات پیش آتے رہتے ہیں جن کو حق تعالیٰ ظاہر فرماتے ہیں اسی لئے عارفین شیخ طریق کو (محض) کتابوں سے ارشاد و تلقین کرنے سے منع فرماتے ہیں کیونکہ ہر زمانہ کے لئے نیا طریقہ اور نئے آدمی ہیں (اور ہر زمانہ کے آدمیوں کو اسی زمانہ کا طریقہ نافع ہوسکتا ہے نہ کہ پہلا طریقہ) اور بشر کا کلام اپنے مخاطبین کے لئے ان کی موجودہ قابلیت کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے (ہر انسان کا کلام ساری مخلوق کے لئے مفید نہیں ہوسکتا۔ بس یہ شان تو کلام اللہ و کلام رسول ہی کی ہے کہ وہ ساری مخلوق کے لئے یکساں مفید ہوتا ہے ۱۲)۔

پس اب مریدوں کے سامنے ان باتوں کے بیان کرنے سے کیا فائدہ جو کہ جنید اور بایزید اور معروف کرخی وغیرہ رضی اللہ عنہم اپنے مریدوں سے ارشاد فرمایا کرتے تھے کیونکہ ہر زمانہ میں دلوں کی بیماریاں نئی نئی پیدا ہوتی ہیں اس لئے ہر زمانہ کے آدمیوں کے امراض ان سے پہلے قرن والوں کے امراض سے جدا ہیں، (جیسا کہ امراض جسمانی بھی ہر زمانہ میں نو بنو پیدا ہوتے جاتے ہیں، چنانچہ اطباء ظاہری مشاہدہ کرتے رہتے ہیں بلکہ ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہر وقت میں نیا مرض پیدا ہوتا ہے بلکہ ہر سانس کی حالت دوسرے سانس سے جدا ہے جیسا کہ اہل اللہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ مردان کاملین کا درجہ ہے جو کہ اصحاب نفوس قدسیہ ہیں (وہی اس کا مشاہدہ

---

[۱] حضرت سیدی حکیم الامت دام مجدہم نے بارہا فرمایا ہے کہ احکام فقہیہ میں تو اجتہاد ختم ہوگیا ہے، مگر دو علوم میں اجتہاد باقی ہے، ایک علم طب میں دوسرے علم تصوف میں۔ جو شخص ان میں اجتہاد کی قوت نہ رکھتا ہو اسے طبیب یا شیخ بننا حرام ہے۔ ۱۲ مترجم

کر سکتے ہیں) خدا تعالیٰ ان سب سے راضی ہوں، پس یہ حضرات ہر شخص کو اس کے مناسب حصہ دیتے ہیں (سب کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکتے ۱۲)۔

اور وہ یہ بھی پہچان لیتے ہیں کہ ان کے ہاتھ پر کون تو کامیاب ہونے والا ہے اور کون نہیں، اور وہ اپنے مرید کی (تربیت و) نگہبانی اس وقت سے کرتے ہیں جب کہ وہ (ماں باپ کی) پشتوں میں تھا، جیسا کہ ہمارے[1] شیخ اپنے شیخ کے ساتھ، اور سیدی شیخ محمد بن ہارون کو سیدی شیخ ابراہیم دسوقی کے ساتھ، اور سیدی ابوالسعود بن ابی العشائر کو سیدی حاتم کے ساتھ اور سیدی شیخ محمد مغربی کو سیدی شیخ عبدالرحیم قناوی کے ساتھ بھی واقعہ پیش آیا (کہ آخر الذکر نے اول الذکر کی تربیت اس کی پیدائش سے پہلے فرمائی تھی) خدا تعالیٰ ان سب سے راضی ہو اس کو سمجھ جاؤ (اور جلدی سے کمال کا دعویٰ نہ کرو) کیونکہ کاملین کی یہ شان ہوتی ہے جو ہم نے ابھی بیان کی ہے) اور خدا تم کو ہدایت کرے اور وہی نیک بندوں کی تربیت کرتا ہے۔

ایسے الفاظ سے بچیں جن سے دعویٰ وتزکیہ نفس ظاہر ہو

(۱۵) اور درویش کی یہ بھی شان ہے کہ ایسے الفاظ سے بچا کرتا ہے جن سے دعوی اور اپنے نفس کا تزکیہ ظاہر ہو مثلاً یوں کہنا کہ ہم تو فلاں شیخ کی صحبت میں پہنچ کر ہی آدمی ہوئے ہیں، اور مثلاً یہ کہنا کہ کشف تو ناقصین کو ہوا کرتا ہے، کاملین کو نہیں ہوا کرتا تاکہ حاضرین کو اس وہم میں ڈال دے کہ میں کامل ہوں اسی لئے مجھے کسی شے کا کشف

---

[1] میں کہتا ہوں کہ حضرت سیدی حکیم الامت کو بھی جناب حافظ غلام مرتضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجذوب کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا کہ حضرت حافظ صاحب نے سیدی حکیم الامت دام مجدہم کے والد ماجد سے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ تمہاری بی بی کے دولڑکے پیدا ہوں گے ان میں سے ایک تو میرا ہے اس کا نام اشرف علی رکھنا اور دوسرا تمہارا ہے اس کا نام اکبر علی رکھنا اھ حضرت سیدی حکیم الامت فرماتے تھے کہ مجھ میں جو بعض دفعہ جذب کی شان ظاہر ہوتی ہے یہ انہی مجذوب صاحب کی نظر کا اثر ہے۔ فافہم ۱۲ مترجم

نہیں ہوتا یا ہوتا ہے اور واقعہ کے مطابق نہیں ہوتا جیسا کہ ناقصین کو بکثرت ایسا پیش آتا ہے کہ ان کو بعض دفعہ کسی بات کا کشف ہوتا ہے تو وہ فورا بیان کر دیتے ہیں (کہ ایسا ہونے والا ہے) پھر واقعہ اس کے خلاف ہوتا ہے (جس سے صاحب کشف کے جھوٹ بولنے کا شبہ ہوتا ہے ۱۲) مگر وہ اپنی بات میں سچے ہوتے ہیں، کیونکہ رات دن محو واثبات بھی ہوتا رہتا ہے (انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا صحیح دیکھا تھا مگر بعد میں وہ مٹا دیا گیا، اس لئے کشف کے خلاف وقوع ہوا، ۱۲) اور حق تعالیٰ پر ان کے کاموں میں کوئی پابندی نہیں ہے، پس یہ ناقصین تو یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم کو کشف سے مشاہد ہوا ہے وہ ابھی تک اپنے حال پر ہے (اور وہاں حق تعالیٰ نے اس کی جگہ دوسرا حکم بدل دیا، جس کی صاحب کشف کو اصلاً خبر نہیں، ۱۲) اسی لئے ادب کی بات یہ ہے کہ جو کچھ مکشوف ہو اس کو سکوت کے ساتھ مخفی رکھا جاوے اور جب تک حق تعالیٰ خود نہ ظاہر کریں اس وقت تک یہ بھی اس کو عالم وجود میں ظاہر نہ کریں، پس اگر یہ کشف واقع کے مطابق رہا تو ہو ہی جائے گا ورنہ یہ پہلے ہی سے حق تعالیٰ کے ساتھ ادب کا معاملہ اختیار کر چکے۔

الغرض اہل کشف کا وجود بہت نادر ہے، علاوہ ازیں عارفین کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کا کھانا پینا حلال نہ ہوگا، اس کو خواطر قلب میں بھی فرق معلوم نہیں ہو سکتا (کہ کون سا خاطر رحمانی ہے اور کون سا ملکوتی اور کون سا شیطانی، ۱۲) اور یہ بات بھی آج کل نادر ہے تو کشف کا تو کیا ہی پوچھنا، خوب سمجھ جاؤ۔

جو احسان کرے اس سے صرف اللہ کی خاطر محبت کرے

(۱۶) اور درویش کی ایک شان یہ ہے کہ جو کوئی اس پر احسان کرے اس سے محض اللہ کی وجہ سے محبت کرے اس کے احسان کی وجہ سے محبت نہ کرے اور اس کا ادراک بدون ذوق کے نہیں ہو سکتا اس میں امتیاز کرنا بہت دشوار ہے (کہ یہ محبت اللہ کی وجہ سے ہے یا احسان کی وجہ سے ۱۲) خصوصا جب کہ محسن کی محبت قلوب میں فطری طور پر

پیدا کی گئی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

(ف) ایک ادنیٰ پہچان حب للہ اور حب لاحسان کی یہ ہے کہ جس شخص سے اللہ واسطے محبت ہوتی ہے وہ اسی وقت تک رہتی ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں لگا ہوا ہے اور اگر وہ کسی وقت معاصی میں مبتلا ہو جائے تو معاوہ محبت سابقہ باقی نہیں رہتی گو جلدی سے قطع تعلق بھی نہ کرنا چاہئے بلکہ حق دوستی ادا کرنے کے لئے دوست کو اس حالت سے نکالنے کی کوشش کرنا چاہئے مگر اس کی حالت کے بدلتے ہی تمہاری محبت کا رنگ بھی اگر بدل جائے تو سمجھ لو کہ واقعی یہ محبت اللہ واسطے تھی اور اگر اس کی حالت بدلنے پر بھی تمہاری محبت کا رنگ نہ بدلے تو یہ اس کی علامت ہے کہ تمہاری محبت محض احسان کی وجہ سے تھی اللہ واسطے نہ تھی ۱۲ مترجم)

مشائخ کے سامنے بتکلف وقار وسکون پیدا نہ کرے

(۱۷) اور درویش کی یہ شان ہے کہ جن مشائخ کا یہ معتقد ہے اور ان سے شرم وحیا کرتا ہے جب ان کی زیارت کو جاوے تو ان کے سامنے اپنی روزمرہ کی حالت سے زیادہ وقار وسکون اور سر جھکا کر بیٹھنا اختیار نہ کرے کیونکہ وہ شیخ جس کی زیارت کو یہ گیا ہے اگر وہ واقعی درویش ہے تو وہ تو باطن کو دیکھے گا اعضاء ظاہرہ کو نہ دیکھے گا "المومن ینظر بنورا للہ" (اس لئے تمہارا اس کے سامنے بن سنور کر بیٹھنا فضول ہے اگر تمہارے باطن میں کچھ نہیں ہے تو اس ظاہری بناوٹ کی وہ ذرا قدر نہ کرے گا ۱۲) اور اگر وہ دنیا داروں میں سے ہے تو اس کی زیارت کرنے والا خدا کے غضب سے ڈرتا رہے کہ اس دنیا دار شیخ کے ساتھ (ظاہری تعظیم اور) دکھلاوے کا برتاؤ کر کے کہیں خدا کا غضب نہ اس پر نازل ہو۔

اور فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور میں اس کی وجہ سے اپنی ڈاڑھی ہاتھ سے درست کرنے لگوں تو مجھے اس سے بھی یہ

اندیشہ ہوگا کہ کہیں میں خدا تعالیٰ کے یہاں منافقوں کے دفتر میں نہ لکھا جاؤں۔ خوب سمجھ لو۔

اسی قبیل سے یہ بات بھی ہے کہ اگر درویش کے پاس کوئی معتقد یا مرید ایسے وقت میں آئے کہ کسی ایسے کام میں مشغول ہے جو شان بزرگی کے خلاف ہے تو اس سے اسی حالت میں ملے۔ مثلاً مرید یا معتقد اس کے پاس ایسے وقت آیا جب کہ یہ مذاق کر رہا یا بہت ہنس رہا تھا تو اس کو چاہئے کہ آنے والے کی وجہ سے اپنی حالت کو نہ بدلے بلکہ بدستور ہنسی مذاق کرتا رہے جیسا کہ پہلے سے کر رہا تھا یا اگر وہ نہ آتا تو ہنسی مذاق شروع کرتا تو اب اس کے آنے کے بعد بھی اس کو ایسا ہی کرنا چاہئے، کیونکہ اس میں نفس بد کی عزت وناموس پاش پاش ہوتی ہے اور یہ اس سے آسان ہے کہ ہنسی مذاق چھوڑ کر بن سنور کر بیٹھو اور ریاکاری اور نفاق میں مبتلا ہو۔

ایسی حالت کی طلب نہ ہو جس سے صرف مخلوق کی نگاہ میں عظمت ہو

(۱۸) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اس کو کسی ایسی حالت کی طلب نہیں ہوتی جس سے مخلوق کی نگاہوں میں تو عظمت حاصل ہو اور خدا کے نزدیک عظمت حاصل نہ ہو جیسے اونی جبے پہننا اور عمامہ باندھنا اور شملہ لٹکانا کیونکہ ایسی چیزوں کی طلب کرنا قلت معرفت کی دلیل ہے (اگر اس کی معرفت کامل ہوتی تو ہرگز ایسی طلب نہ کرتا)۔

اسی لئے کاملین نے مخلوق سے اپنے مقام کو چھپایا ہے کیونکہ اس جگہ کی حکمت کا مقتضی یہی ہے (یعنی دنیا کا) جس میں وہ اس وقت رہتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی ان کے حال پر عنایت ہے کہ وہ ایسی جگہ میں ظاہر ہونا نہیں چاہتے جہاں ان کے مولیٰ (نے اپنے کو ظاہر نہیں کیا اسی لئے یہاں اس) کے ساتھ الوہیت میں منازعت ہو رہی ہے اور یہ صفات خداوندی کے ساتھ ان کا کمال تحقق (اور انتہائے تخلق) ہے کیونکہ ان کا مولیٰ بھی اس جگہ مستور ہی ہے جہاں یہ اس وقت موجود ہیں تو یہ بھی یہاں مستور ہی رہنا

چاہتے ہیں۱۲) اسی لئے وہ عام لوگوں کے سامنے اسی ظاہری عبادات کے طریقہ پر چلتے رہتے ہیں جس پر چلنے سے عادۃ انسان بزرگ اور عبادت گذار مشہور نہیں ہوتا اور کرامات وخوارق عادات کو چھپائے رکھتے ہیں پس ان کو وہی پہچان سکتا ہے جو ان کے مقام پر پہنچا ہوا ہو وہ خدا تعالیٰ کے خاص محبوب اور چھپی ہوئی دلہن ہیں جو خدا کے سوا کسی پر نظر نہیں رکھتے اور نہ اس کی محبت کبھی ان سے منقطع ہوتی ہے۔

اور (عزیز من!) بھلا یہ کہاں اور وہ لوگ کہاں جو شہرت کے طالب ہیں جو کبھی حصار کے اندر بیٹھتے ہیں کبھی چلہ کشی کرتے ہیں اور وہ اسماء پڑھتے ہیں جن کے ذریعہ سے جنوں کو تابع بنالیں تاکہ وہ مخلوق کے چہروں کو ان کی طرف (مسخر کرکے) پھیر دیں کسی اور کی طرف لوگ مائل نہ ہوں اور یہ حالت[1] اس شخص کو خدا تعالیٰ سے دور ہی کرتی رہے گی اور اس کے غضب ہی کو بڑھائے گی۔

صرف تعمیل حکم خداوندی کے لئے اپنے بازو کو جھکا ہوا رکھے

(۱۹) اور درویش کی شان یہ ہے کہ مسلمان کے سامنے محض تعمیل حکم خداوندی کے لئے اپنے بازو کو جھکا ہوا رکھے کسی اور علت کی وجہ سے نہیں مثلاً یہ کہ ایسا کرنے سے اس کو حسن خلق اور تہذیب اخلاق کی طرف منسوب کیا جائے اور یوں کہا جائے گا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سے متخلق ہے اور یہ کہ اس کا نفس مر چکا ہے اور یہ مشیخت وتربیت

---

[1] عزیز من! ان چار نمبروں میں غور کرو اور پھر دیکھو کہ اس طرز کے مشائخ آج کل کون ہیں الحمدللہ ہم نے اپنے مشائخ کو اسی رنگ پر پایا ہے وہ کسی آنے جانے والوں کی وجہ سے اپنے معمولات اور حالات میں تغیر نہیں کرتے اور نہ ایسی حالت بناتے ہیں جس سے شہرت حاصل ہو۔ اور عملیات ونقش وغیرہ سے تو ان کو طبعاً احتراز ہے اور اعمال تسخیر سے تو نفرت وکراہت ہے اور جنات کے تابع کرنے کو شرعاً حرام سمجھتے ہیں حضرت سیدی حکیم الامت فرماتے ہیں کہ عملیات میں زیادہ مشغول ہونے سے نسبت ضعیف اور بعض دفعہ سلب ہوجاتی ہے۔ نعوذ باللہ منہ ۱۲ مترجم۔

مریدین کا اہل ہے کیونکہ یہ بھی اپنے نفس کی اصلاح اور اس کے علاج (سے فارغ ہو چکنے) کی فرع ہے اور اس کے سوا (کوئی اور غرض بھی مقصود نہ ہو) اس کو خوب سمجھ لو۔

پس درویش کو اپنے مریدوں کے ساتھ گفتگوئے شیریں ان کی مصلحت کی وجہ سے نہ کرنا چاہئے مثلاً اس خوف سے نرم گفتگو نہ کرے کہ (سخت گفتگو کرنے سے) یہ ہمارے پاس سے بھاگ جائیں گے خصوصاً جب کہ وہ اس کو کچھ نفع بھی پہنچاتے ہوں مثلاً کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں اس کی امداد کرتے ہوں وغیرہ وغیرہ۔

کیونکہ آج کل زیادہ تر درویشوں کی خوراک لوگوں ہی کے ذمہ ہے بجز اس شخص کے جو اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہو اور ایسے بہت کم ہیں پس آج کل درویشوں کے ہاتھ میں جو کچھ بھی ہے وہ زیادہ تر لوگوں کے صدقات اور میل کچیل اور ہدایا ہی ہیں "نسال اللّٰہ العافیہ" تو ایسے درویش پر واجب ہے کہ وہ ہمیشہ حق کے ساتھ چلتا رہے اور اتباع حق کا ہر امر میں لحاظ رکھے اپنے نفسانی حظوظ کا اتباع نہ کرے (اور اپنے مریدوں کے ساتھ وہ برتاؤ کرے جو ان کے لئے مفید و مصلحت ہے اس میں اپنی اغراض کا لحاظ نہ کرے کہ اگر ہم ان سے ایسا برتاؤ کریں گے تو یہ ہم کو ہدیہ دینا اور ہمارے پاس آنا چھوڑ دیں گے ۱۲)۔

پس مریدوں کو طریق سلوک کی ترغیب صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لئے دینا چاہئے اور کسی غرض کے لئے نہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی مرید کسی دوسرے ہم عصر سے بیعت ہونے میں اس سے مشورہ کرے تو اس کو اسی طرح طریق کی رغبت دلائے جیسا کہ اس وقت رغبت دلاتا ہے جب کہ وہ خود اس سے بیعت ہونا چاہے۔

مگر ناقصین کی غالب حالت یہ ہے کہ جب کوئی ان سے کسی دوسرے بزرگ سے بیعت ہونے میں مشورہ کرتا ہے تو اسے یوں کہتے ہیں کہ تم تو بہت اچھی حالت میں

ہوتم کو کسی شیخ کی ضرورت نہیں، کیونکہ تم فرائض کو ادا کرتے اور قرآن کی تلاوت کرتے ہو اور علم میں مشغول ہو اور (اس کے سوا اور) کیا مقصود ہے؟

اور جب کوئی خود ان سے ہی بیعت ہونا چاہے تو اس کے برعکس باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طریق میں بہت امراض (اور مشکلات ہیں اور بندہ کے لئے کسی شیخ کا دامن پکڑنا ضروری ہے اور اس وقت اس سے یوں کہتے ہیں کہ تمہارے اندر سارے عیب موجود ہیں اس لئے تم کو ضرور بیعت ہونا چاہئے ۱۲) اس کو سمجھ جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہاری گھات میں ہیں (وہ ظاہر و باطن کو خوب دیکھ رہے ہیں ۱۲)۔

اپنے معمولات ووظائف کے وقت لوگوں کی آمدورفت سے خوش نہ ہو

(۲۰) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اپنے وظیفہ اور معمولات کے وقت میں لوگوں کی آمدورفت سے خوش نہ ہو۔ اور ان مجلسوں میں آنے سے بھی خوش نہ ہو جن میں لوگوں کے آنے سے نفس کو قوت حاصل ہوتی ہے بلکہ درویش پر واجب ہے کہ وہ اس کی خواہش کیا کرے۔ کہ کسی ایک شخص کے دل میں بھی میری تعظیم وتکریم (کا خیال) نہ پیدا ہو۔

اور (عزیز من!) گم نامی ایک بڑی نعمت ہے مگر ہر شخص اس نعمت سے انکار کرتا ہے اور ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ نے اپنے رسالہ میں فرمایا ہے کہ اپنے بھائیوں کی زیارت کے لئے تم ان کے آنے سے پہلے خود ہی جایا کرو۔ اس کو سمجھ جاؤ۔

اپنی باطنی حالت ومخفی واردات کو چھپائے

(۲۱) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اپنی باطنی حالت اور مخفی واردات کو جہاں تک ہو سکے چھپائے اور خشوع کی صورت اور بدن میں لرزہ پڑنے اور شانوں کے باہم ملانے اور سر جھکانے سے مزا نہ لے، بلکہ ان حالات کے ساتھ مزا لینے سے بہت احتراز کرے مگر یہ کہ مغلوب (الحال) ہو (تو مضائقہ نہیں) اور وہ بھی جہاں تک ہو سکے اس

حالت کو رد کرے کیونکہ جس شخص سے باوجود قدرت اخفاء کے یہ امور ظاہر ہو جائیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص بیت الخلاء میں ستر کھولے ہوئے بیٹھ جائے اور باوجود قدرت کے دروازہ بند نہ کرے تو اس پر ہر شخص جو بھی اس کو (اس حال میں) دیکھے گا لعنت ہی کرے گا۔

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں شانے ملائے ہوئے کھڑا تھا تو آپ نے اس کے درہ مارا اور فرمایا تیرا ناس ہو خشوع تو دل میں ہے (پھر تو شانے ملا کر جسم سے اس کو کیوں ظاہر کرتا ہے؟) پس ان باتوں سے احتراز کرنا چاہیے اور اگر کسی کو اس حال میں دیکھو تو اس کو ریا کاری پر محمول کرنے سے بچنا چاہئے۔ واللّٰہ یتولی ھداك وھو یتولی الصالحین۔

اپنے دوستوں کی مصالح پر نظر رکھے

(۲۲) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اپنے دوستوں کی مصالح پر نظر رکھے اور ان کو کوئی پیشہ اور دست کاری اختیار کرنے کا حکم کرے اور محض ولیمہ وغیرہ کی دعوتوں پر قانع بنا کر انہیں معطل نہ کرے اگرچہ وہ اس کی درخواست بھی کریں، کیونکہ وہ ناقص ہیں، اپنی مصلحت کو خود نہیں سمجھ سکتے۔

اور (یادرکھو کہ) جو ساعت انسان پر ایسی گذرتی ہے جس میں وہ کسی پیشہ میں مشغول ہو جس سے اس کو اور اس کے اہل وعیال کو نفع حاصل ہوتا ہے وہ شیخ کے ساتھ ہزار ولیموں میں حاضر ہونے سے بہتر ہے جن کی حاضری اس پر واجب نہیں۔

اس طرح درویش کو مناسب نہیں کہ مریدوں سے اپنی مجلس میں شریک ہونے کا عہد لے کیونکہ یہ قلت ادب ہے اور اس کے جاہل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اجتماع وافتراق کے اوقات مقدر ہو چکے ہیں پس ادب یہ ہے کہ (مریدوں سے کسی خاص وقت کی حاضری پر) عہد نہ لیا جائے (ممکن ہے کہ اس وقت تقدیر میں ملاقات نہ ہو تو

اس عہد سے تم تقدیر کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو۱۲) اور جو مقدر ہو چکا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا اور عارفین نے فرمایا ہے: من لا ینفع لحظہ لا ینفع قولہ ۔ جس کی توجہ نافع نہیں اس کی باتیں بھی نفع نہیں دے سکتیں۔ پس عارف وہ ہے جو لوگوں کو ان کے کاروبار کی مشغولی[1] ہی میں سلوک طے کرادے۔

اور میں نے عالم خیال میں درویشوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ اپنے اعمال صالحہ سے خالی تھے اور اعمال صالحہ پہاڑوں کے ٹکڑوں کی صورت میں ان سے دور تھے اور ان کے ساتھ بجز گناہوں کے کچھ نہ تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تمہارے اعمال صالحہ تم سے الگ کیوں ہیں؟ کہا ان کو ان لوگوں نے لے لیا جن کے لقمے (اور ہدایا) ہم دنیا میں کھایا[2] کرتے تھے کیونکہ ان کے لقموں سے جن طاعات کی قوت ہم کو حاصل ہوئی تھی اس قوت کا ثواب انہی کو مل گیا اھ۔

اسی لئے شارع نے ہاتھ سے کام کر کے کھانے کی رغبت دلائی ہے اور عارفین رضی اللہ عنہم بھی ہمیشہ اس کی رغبت دیتے ، اور حتی الامکان دوسروں کا مال کھانے سے احتراز کی تاکید کرتے رہے ہیں۔

---

[1] الحمدللہ ہمارے مشائخ اسی قدم پر ہیں کہ اپنے مریدوں کو ترک ملازمت وترک تعلقات کا امر نہیں کرتے ، بلکہ دنیوی ضروریات میں مشغول رکھ کر سلوک طے کراتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت اور سیدی مولانا خلیل احمد صاحب دامت برکاتہما کے بعض خلفاء مشغول تجارت ہیں اور بعض سرکاری جائز ملازمتوں میں لگے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کا سلوک بھی کامل ہو گیا ۱۲ مترجم۔

[2] یہ حالت غالباً ان لوگوں کی دکھلائی گئی ہے جو مخلوق کی امداد کے بھروسے پر کسب کو ترک کر دیتے ہیں جیسا کہ مدارس اور خانقاہوں کے اوقاف کی آمدنی پر بعض لوگ تارک کسب ہو کر علم اور سلوک کو حاصل کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص شغل علم کے ساتھ کسب پر قادر نہ ہو اور جو محض خدا پر نظر کر کے متوکل ہو اس کا یہ حال نہ ہو گا گو اس کو ہدیہ دینے سے بھی مہدی کو ثواب ملتا ہے، مگر وہ اس کے اعمال کا سارا ثواب نہیں لے سکتا۔ اور یہ تاویل کرنے کی اس وقت ضرورت ہے جب کہ اس کشف کو صحیح مانا جائے ورنہ ہم کو اس کی صحت میں کلام ہے کیونکہ

اور میرے دادا علی شعراوی رضی اللہ عنہ اہل ورع میں سے تھے یہاں تک کہ وہ بھینس کا دودھ بھی نہ پیتے تھے کیونکہ وہ اکثر اپنے مالک ہی کا مال کھانے پر اکتفا نہیں کرتی اسی طرح ان کبوتروں کا گوشت بھی نہ کھاتے تھے جو لوگوں کے کھیتوں سے دانہ چگ لیتے ہیں اور جب وہ آٹا پیسا کرتے تو (نیچے کے) پاٹ کو اٹھا کر آٹے سے اچھی طرح صاف کر لیا کرتے جو اکثر اس میں لگا رہتا ہے اور (اس کے بعد) اسے دھویا کرتے پھر آٹا پیستے تھے اور آخر میں وہ شہد کھانے سے بھی توقف کرنے لگے تھے کیونکہ شہد کی مکھی لوگوں کے مملوکہ پھولوں کو چوستی ہے۔

اور ایک شخص امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس ورع (وتقوی) سیکھنے کے لئے آیا تو انہوں نے فرمایا کہ بھائی میں اس قابل نہیں ہوں کہ مجھ سے ورع سیکھا جائے کیونکہ میں نے سلاطین کے مال کھائے ہیں (جو شبہ سے خالی نہیں) لیکن تم کوفہ کے فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ جو اپنے کھیت میں رہتا ہے اور اس کے پاس کچھ گائے بیل بھی ہیں جن کو اسی کھیت میں چراتا ہے اور وہیں ان کے پانی پینے کے لئے کنواں بنا رکھا ہے اور کھانے کے لئے بھوسہ جمع کر رکھا ہے۔

یہ شخص کوفہ پہنچا تو ان بزرگ کو اسی حالت پر پایا جو حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا (میرے پاس آنے سے) کیا مقصود

(**بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ**) احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کی اعانت سے دوسرا آدمی اعمال صالحہ کرے تو اعانت کرنے والوں کو عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے، ولا ینقص من اجورھم شئی۔[1] یعنی عمل کرنے والوں کا ثواب اس سے کم نہیں ہوتا۔

پس یا تو یہ کشف درست نہیں اور کشف میں غلطی ہو جانا ممکن ہے یا ان لوگوں کے اعمال صالحہ کسی اور وجہ سے بھی ان سے الگ ہوئے ہوں گے جس کا ذکر نہیں کیا گیا صرف ایک سبب بتلا دیا گیا باقی اس میں شک نہیں کہ جس میں قوت توکل کامل نہ ہو اس کو کسب ضرور کرنا چاہئے ۱۲ مترجم۔

(۱)　دیکھئے مسند احمد، ج:۴، ص:۳۶۲ و مصنف ابن ابی شیبة، ج:۳، ص:۱۰۹ مرتب

ہے؟ کہا میں آپ سے ورع (اور تقوی) سیکھنے آیا ہوں۔ پوچھا تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ کہا حسن بصریؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ میرے بھائی حسن کی مغفرت فرمائے ان کو میری پہلی حالت معلوم ہے مگر اب وہ حالت بدل گئی۔ آنے والے شخص نے پوچھا کہ حالت بدلنے کا سبب کیا ہوا۔ فرمایا میں نماز پڑھنے میں اپنے بیلوں سے غافل ہوگیا تو وہ میرے کھیت سے نکل کر پڑوسی کے کھیت میں چلے گئے اور اس حالت میں لوٹے کہ ان کے پیروں میں (دوسرے کھیت کی) مٹی لگی ہوئی تھی جو میرے (کھیت کی) مٹی میں مل گئی تو اب میں اس قابل نہیں رہا کہ مجھ سے ورع سیکھا جائے (کیونکہ آج کل میں خود ہی مشتبہ[1] مال کھا رہا ہوں) تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔

---

[1] ان بزرگ نے جو وجہ شبہ کی بیان کی ہے شرعاً یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ بیلوں کے پیر میں جو مٹی لگ جائے وہ بے حقیقت چیز ہے جس کی کوئی قیمت نہیں، اور فقہاء نے ایسی بے حقیقت چیزوں سے شبہ کرنے والوں کے لئے تعزیر کا حکم دیا ہے۔ دوسرے اس مٹی کا معاوضہ دیدینے سے بھی شبہ زائل ہوسکتا تھا یا معافی چاہ لیتے۔ پس یا تو یہ حکایت غلط ہے یا ان بزرگ کا غلبہ حال ہے جو حجت نہیں۔

اسی طرح اس سے پہلے جو بعض بزرگوں کا شہد سے یا کبوتر کے گوشت سے احتیاط کرنا مذکور ہے اس کو بھی غلبہ حال پر محمول کرنا چاہئے۔ ان کو غلط تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ خود حضرت مصنف اس کے بلاواسطہ راوی ہیں، مگر شرعاً محض اس وجہ سے کہ کبوتر اور شہد کی مکھی لوگوں کی مزروعہ زمین یا مملوک پھولوں کو چگتے اور چوستے ہیں گوشت یا شہد میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا اس لئے تاویل کرنا ضروری ہے۔

ایسی ہی حکایات نے عوام کے ذہن میں حلال روزی کو دشوار و محال بنا رکھا ہے اس لئے اب وہ قطعی حرام کی بھی پرواہ نہیں کرتے پس سمجھ لینا چاہئے کہ حلال شرعی کا ملنا محال یا دشوار ہرگز نہیں اور جن حکایات سے ایسا شبہ ہوتا ہے یا تو واعظوں کی گھڑی ہوئی ہیں جیسا کہ حکایات اخیرہ میں احتمال ہے اور علامہ کا اس کو بیان کر دینا اس لئے حجت نہیں کہ صوفیہ پر حسن ظن غالب ہوتا ہے یا وہ کسی شخص کے غلبۂ حال کی حکایات ہیں اور غلبہ حال کی تقلید جائز نہیں گو مغلوب الحال کو برا بھی نہ کہنا چاہئے کیونکہ وہ معذور ہے ۱۲ مترجم۔

حضرات فقراء رضی اللہ عنہم ایسے ہی ہوا کرتے تھے (کہ ہمیشہ اپنے نفس کو متہم سمجھتے اور کمال ورع کا دعوی نہ کرتے تھے) اس کو سمجھ جاؤ اور لوگوں کے کھانے اور مال تم سے جتنے بھی فوت ہو جائیں اس پر خدا کا شکر کرو (کہ اچھا ہوا میں اس کھانے سے بچا رہا اور یہ مال میرے پاس نہ آیا) اور کبھی اس شے پر غم نہ کرو جو تمہارے پاس نہ آئے واللہ یتولی ھداك وھو یتولی الصالحین ٥

اپنا اور اپنے دوستوں کا خیر خواہ ہونا چاہئے

(۲۳) اور درویش کی شان یہ ہے کہ وہ اپنا اور اپنے دوستوں کا خیر خواہ ہو بدون کسی قصد اور دعوے کے اور بغیر اس کے کہ اپنے آپ کو ان سے بڑا سمجھے بشرطیکہ یہ خیر خواہی اس کو اپنے اخلاق اور وسائس نفس کے علاج سے نہ روک دے کیونکہ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ بیمار کا لوگوں کو دوا بتلانا بہت ہی نازیبا ہے اور اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ اپنے عیوب (کے علاج) سے غفلت نہ ہونا چاہئے ورنہ دوسروں کو امر بالمعروف کرنا تو (ہر حال میں) انسان پر واجب ہے، چاہے وہ خود بھی اس گناہ کا مرتکب ہو جس سے دوسروں کو منع کر رہا ہے۔

پس (انسان کو چاہئے کہ) اپنے آپ کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے۔ اور دوسروں کو بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا رہے اگر ان میں سے ایک میں کوتاہی ہو جاوے تو اس سے دوسرا حکم ساقط نہ ہو جاوے گا۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

غیر کامل شیخ ہمیشہ حالت موجودہ کی مخالف حالت کو بہتر سمجھتا رہے

(۲۴) اور درویش کی شان یہ ہے کہ جب وہ قابلیت (بقدر ضرورت) سے پہلے مشیخت اور تلقین ذکر میں پھنس جاوے تو اس کو چاہئے کہ اپنے لئے ہمیشہ حالت موجودہ کی مخالف حالت کو بہتر سمجھتا رہے تاکہ اس حالت کی طرف اس کا نفس مائل نہ ہو جائے پھر ہلاک ہو جائے گا، کیونکہ یہ (ابھی تک) حظ نفس کو غیر حظ نفس سے ممتاز

کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا (اس لئے اس کو کبھی اپنی حالت موجودہ پر مطمئن نہ ہونا چاہئے ممکن ہے اس میں حظ نفس ملا ہوا ہو)۔

پس اگر لوگوں کو کلمہ توحید (یعنی ذکر نفی اثبات) کی تلقین کرے تو یوں سمجھے میرا تلقین نہ کرنا بہتر تھا، اور میں تو اس قابل ہوں کہ کوئی دوسرا مجھے کلمہ توحید تلقین کرے اگرچہ مقدر یہی ہے (کہ میں دوسروں کو تلقین کروں) کیونکہ ہم تقدیر پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر اس سے (اپنے فعل کے حسن پر) استدلال نہیں کرتے (یعنی یہ بات ضرور نہیں کہ جو بات جس کے لئے مقدر ہو وہ اس کے حق میں خیر ہی ہو بلکہ بعض دفعہ شر بھی ہوتی ہے) اور یہ (اپنی ناقابلیت کا اعتقاد) اس لئے ضروری ہے کہ ہماری تلقین کا کمتر نافع ہونا اور اس کا صحیح قاعدہ پر مبنی نہ ہونا مشاہد ہے کیونکہ قوم (صوفیہ) کے نزدیک تلقین ذکر کے قابل وہی مرید ہوتا ہے جس کے نفس کی دنیوی اور اخروی سب خواہشیں فنا ہو چکی ہوں یہ شرط ہے ان کے نزدیک (مگر آج کل بہت سے مرید اس سے پہلے ہی شیخ بن جاتے ہیں)

اور ظاہر ہے کہ آج کل عوام کے نزدیک جو کہ تعلیم سلوک دینے والے شیخ کے رتبہ سے ناواقف ہیں کسی کا تلقین ذکر کرنا اس کی علامت ہے کہ یہ تلقین کرنے والا ولی اللہ[1] ہے اور اس میں جن آفات کا سامنا ہے وہ مخفی نہیں ہیں۔ کہ بجز معدودے چند کے ان سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ پس جو شخص (قابلیت بقدر ضرورت کے بغیر) لوگوں کو (بیعت و) تلقین کرتا ہو۔ اس کو چاہئے کہ اس (حالت) کو حق تعالیٰ کی طرف سے اپنے لئے ابتلا سمجھے اور اپنے آپ کو (بزرگوں کا) نقال در نقال در نقال در نقال در نقال چھٹے درجہ میں نقال سمجھ کر تلقین کرے اور حق تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگے، اور اپنے دوستوں

---

[1] حالانکہ شیخ طریقت ہونے کے لئے ولی ہونا لازم نہیں بلکہ صرف وسائس نفس پر مطلع ہونا اور احوال ومقامات سے واقف ہونا اور طریقۂ اذکار واشغال کا جاننا شرط ہے اب چاہے وہ خود صاحب حال وصاحب مقام ہو یا نہ ہو جیسے طبیب کے لئے طریقۂ علاج سے واقف ہونا شرط ہے چاہے وہ خود تندرست ہو یا نہ ہو ۱۲ مترجم۔

کو بھی سمجھائے کہ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے اس منصب سے خلاصی ملنے کی دعا کریں اگر اس نے ایسا کیا تو یہ البتہ اس کی دلیل ہوگی کہ اس کو اس (مشیخت) سے سچی کراہت ہے۔

اور اگر خلوت و گوشہ نشینی اختیار کرے تو یہ سمجھے کہ گوشہ نشینی چھوڑ دینا اور لوگوں سے ملنا ملانا میرے لئے اچھا ہے اگر چہ اس کو خلوت سے نفع بھی ہوتا ہو کیونکہ بعض بزرگوں کے نزدیک خلوت کی بھی کچھ اصل ہے کیونکہ وہ مخلوق سے بھاگنے میں اپنے نفس کے لئے راحت اور مشاہدہ خلق میں تنگی اور پریشانی پاتے ہیں۔ اور اگر وہ ہر مخلوق میں ذات حق کا مشاہدہ کرتے تو اس سے ہرگز نہ بھاگتے اور (باوجود اختلاط کے) خود ہر وقت خلوت میں رہتے۔ کیونکہ جو شخص اس امر کا مشاہدہ کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ساتھ ہے۔ وہ کسی سے کیونکر بھاگ سکتا ہے اور مرد وہی ہے جو اپنے جسم سے خلق کے ساتھ ہو اور باطن سے حق کے ساتھ ہو۔

اور خبردار خلوت کی مشروعیت (اور ضرورت) پر حضور ﷺ کے غار حرا میں خلوت گزیں ہونے سے استدلال نہ کرنا کہ یہ قلت ادب ہے کیونکہ ان امور کو بجز ان کاملین کے جو انبیاء کے وارث ہیں جو خواہش (نفس) سے نکل چکے ہیں اور مقام توبہ میں راسخ القدم ہیں اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ خوب سمجھ لو۔

اور جاننا چاہئے کہ خلوت[1] و ریاضت کے ساتھ سلوک طے کرنا مشائخ کی ایک

---

[1] خلوت سے مراد چلہ کشی ہے جس میں کسی سے کسی وقت بھی ملنا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بعض اہل ریاضت سے منقول ہے کہ وہ مہینوں اور برسوں تک کسی پہاڑ یا غار میں خلوت گزیں رہے اور کسی سے نہ ملتے تھے۔ یہ طریقہ سلسلہ امدادیہ کے مشائخ نے بھی پسند نہیں کیا جیسا کہ علامہ شعرانی کے مشائخ نے پسند نہیں کیا۔ باقی دن رات میں سے کوئی خاص وقت خلوت کے لئے مقرر کرنا ہر سالک کو ضروری ہے کہ بدون اس کے ذکر کا رسوخ قلب میں نہیں ہوتا اور بعد رسوخ کے بھی اس کی بقاء کے لئے خلوت کا کوئی وقت ضرور ہونا چاہئے اور اس کے علاوہ بقیہ اوقات ملنے ملانے اور ارشاد و تلقین یا تحصیل معاش کے لئے ہونا چاہئے اور ان میں بھی زبان و قلب کو مشغول ذکر رکھے، علامہ جس خلوت کی نفی کر رہے ہیں وہ پہلی صورت ہے اور دوسری صورت کی نفی ان کے کلام سے نہیں ہوتی بلکہ بعض مقامات سے تائید ہوتی ہے ۱۲ مترجم۔

جماعت کا طریقہ ہے مگر یہ ہمارے مشائخ کا طریقہ نہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہر حالت میں راضی ہیں جس حالت میں بھی وہ رکھیں اور ان کو کسی مقام یا حال پر نظر اور التفات نہیں جس کے حصول کا انہیں انتظار و اشتیاق ہو۔ خوب سمجھ لو۔

اور جاننا چاہئے کہ خلوت سے اگر یہ مقصود ہے کہ اغیار پر نظر نہ پڑے تو اغیار تو خلوت نشین کے ساتھ ساتھ ہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو تو دیکھے گا۔ نیز دیوار اور چھت اور فرش اور لوٹا اور کھانے پینے کی چیزیں بھی دیکھے گا۔ تو جس چیز سے وہ بھاگتا ہے وہ تو اس کی ذات سے لگی ہوئی ہے جدا ہی نہیں ہو سکتی پھر وہ خلوت میں کہاں رہا۔

دوسرے (اگر اس کی ضرورت ہے بھی تو مبتدی و متوسط کو ہے اور جو اپنے کو شیخ کامل سمجھتا ہو اس کو چلہ کشی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ) شیخ کامل کو مشاہدہ خلق میں حق تعالیٰ سے مفارقت کا اندیشہ نہیں ہوا کرتا۔ تاکہ مخلوق سے میل جول کی قوت حاصل کرنے کے لئے خلوت اختیار کرنے کی ضرورت ہو تو اب اس کا عمل اپنے دعوے کے خلاف ہو گیا۔

تیسرے یہ جتنے خلوت کے مدعی ہیں۔ ان میں زیادہ وہ ہیں جو اپنے نفس کے ساتھ ہیں خدا کے ساتھ نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ خلوت (کاملہ بلا واسطہ) ہر زمانہ میں ایک شخص کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی اور وہ قطب غوث ہے (جس کو قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں) تمام مخلوق میں اسی کے ساتھ حق تعالیٰ منفرد اور مختلی ہوتے ہیں اور جب اس کا جسم منور (دنیا سے) جدا ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ کا تعلق کسی اور شخص کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

غرض ایک زمانہ میں دو شخصوں کے ساتھ حق تعالیٰ کو بلا واسطہ تعلق نہیں ہوتا۔ اور یہ خلوت (الٰہیہ) ان علوم اسرار میں سے ہے جن کی اشاعت نہیں کی جا سکتی (بلکہ اس کا ادراک ذوق سے ہوتا ہے) اور کتاب و سنت میں اس مضمون کا ثبوت موجود ہے، مگر بجز اہل اللہ اور خاص مقربین کے اور کوئی اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ ہمارے شیخ

رضی اللہ عنہ وارضاہ کا ارشاد ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ ہماری اس تقریر گذشتہ میں ان لوگوں پر انکار (واعتراض نہیں ہے جو خلوت اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ بعض صوفیہ کے نزدیک یہ طریقہ بھی مشروع ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سالک کو اپنی کسی حالت کی طرف التفات ومیلان مناسب نہیں کہ اس میں اس کی ہلاکت ہے (پس اہل خلوت کو اپنی اس حالت سے مطمئن نہ ہونا چاہئے کہ ہم کسی سے نہیں ملتے۔ اور ہر وقت خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں۔ تو ہماری یہ حالت بہت اچھی ہے) حالانکہ کبھی کوئی شخص دور دراز شہر یا کسی دور جگہ سے کسی ضروری کام کے لئے آتا ہے تو وہ شیخ (کے خلوت نشین ہونے کی وجہ سے اس) تک پہونچنے پر قدرت نہیں پاتا۔ اور یہ بہت بڑی قباحت ہے جو خلوت پر مرتب ہوتی ہے کیونکہ اس میں آنے جانے والوں پر اپنی عزت (وشوکت) قائم ہوتی ہے اور جب وہ شیخ سے ملنے کے لئے آتے اور اس کو خلوت گزیں پاتے ہیں تو (رنج وغصہ کی وجہ سے) یوں چاہتے ہیں کہ شیخ کو (حجرہ سے) باہر نکال دیں اور اہل اللہ کے نزدیک یہی ایک مصیبت[1] بہت کافی ہے (کہ خلوت سے گونہ امتیاز ہوتا اور لوگوں پر اپنی شان ظاہر ہوتی ہے)۔

---

[1] حضرت حکیم الامت دام مجدہم فرماتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ ارادہ کیا تھا کہ جنگل میں جا کر رہوں کیونکہ اختلاط سے وحشت ہوتی تھی۔ اور لوگ وقت بہت ضائع کرتے تھے میں نے حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ سے بذریعہ تحریر کے یہ خیال ظاہر کیا جواب میں تحریر فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ نہیں اور جو اس سے مقصود ہے وہ اس طرح حاصل بھی نہ ہوگا بلکہ اس وقت مخلوق کا اور زیادہ ہجوم ہوگا کیونکہ ایسے شخص کی شہرت زیادہ ہوتی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تو بہت ہی پہونچے ہوئے تارک الدنیا ہیں، بس اسلم یہی ہے کہ بستی میں سکونت رکھی جائے اس میں طالبین کو بھی سہولت ہے اور اپنے کو بھی اور ملنے ملانے سے اگر وحشت ہوتی ہے اور کام میں خلل پڑتا ہے تو بستی ہی میں رہو اور کسی سے ہرگز نہ ملو سب کے جھاڑ و مارو۔ اھ۔

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو کسی حالت سے مغلوب ہو اس لئے ملنے ملانے پر قادر نہ ہو یا مبتدی ومتوسط ہو جس کو اختلاط سے ضرر ہوتا ہو باقی منتہی کے لئے مناسب یہ ہے

بخلاف اس صورت کے جب کہ کوئی شیخ کے پاس آئے اور اس کو مزاح کرتا اور ہنستا ہوا پائے (کہ اس میں کوئی امتیاز نہیں) اور (خوب سمجھ لو کہ) جس شخص کا طریقہ خلوت گزینی نہیں ہے اس کو خلوت اختیار کرنے والوں پر انکار (و اعتراض بھی) مناسب نہیں، کیونکہ ہر شخص اسی حالت کو اختیار کرتا ہے جس میں اس کو جمعیت قلب حاصل ہوتی ہو۔ (یہ تو خلوت پر کلام تھا آگے جلوت کے متعلق کلام ہے)۔

اور اگر شیخ کبھی سوار ہو کر (اس حال سے) نکلے کہ ایک جماعت اس کے گرد پیادہ پا چل رہی ہو جس سے اس کو (دوسروں پر) امتیاز حاصل ہو رہا ہو تو اس کو یہ سمجھنا چاہئے کہ میرے لئے اس حالت کے خلاف دوسری حالت بہتر تھی چنانچہ ظاہر ہے۔

نیز اس واسطے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے چلنے سے منع فرمایا تھا۔ غرض اسی طرح اپنی حالت کو ہمیشہ سمجھتا رہے (کہ حالت[1] موجودہ کی ضد کو اپنے لئے بہتر سمجھے اور اپنی کسی حالت کو اچھا نہ سمجھے)

لیکن دوسروں کی حالت پر اعتراض کرنا اور ان کو حب ریاست و شہرت پر محمول کرنا یہ بالکل حرام ہے بلکہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی حالت کو بہت سی وجوہ (حسنہ) پر محمول کرتا رہے (کہ شاید اس کی نیت اچھی ہو۔ اور شاید اس نے یوں نہیں بلکہ اس کام کو اس طرح کیا ہو) اور اس سے بجز قلیل التوفیق (کم نصیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ اپنے اوقات منضبط کر دے جن میں کچھ وقت خلوت کے لئے ہو اور کچھ جلوت کے لئے۔ گو اختلاط سے تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔ ہم نے اپنے اکابر مولانا گنگوہیؒ اور مولانا نانوتویؒ (مولانا محمد یعقوب صاحب) کو دیکھا ہے کہ اختلاط سے ان کو بہت تکلیف ہوتی تھی مگر افادۂ خلق کے لئے اس کو گوارا کرتے تھے حقیقت میں یہ بڑا مجاہدہ ہے ۱۲ مترجم

[1] یہ بات یاد کر لینا چاہئے کہ علامہ نے یہ طریقہ ان لوگوں کے لئے بیان فرمایا ہے جو قبل از وقت شیخ بن جاتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

شخص) کے کوئی عاجز نہیں ہو سکتا۔جیسا کہ علامہ نو وی نے شرح مہذب میں فرمایا ہے کیونکہ افعال و احوال میں تاویل کر لینا کیا دشوار ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب کو پارسا سمجھ کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی نہ کیا کرے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دل سے تو تاویل کرے اور ظاہر میں احتیاطا اس خیال سے کہ وہ آئندہ کے لئے بچا رہے خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کر دے اور نصیحت کرتے ہوئے اس کو اپنے سے افضل سمجھے اور اس کو ہر شخص اپنے دل میں ٹٹول کر خود دیکھ سکتا ہے محض دعوی کافی نہیں " بل الانسان علی نفسه بصيرة ولو القى معاذيره "[1] ۱۲ خوب سمجھ لو۔

اور اگر لوگ سالک پر تعظیم و تکریم اور مدح و ثناء اور دست بوسی کے ساتھ متوجہ ہوں تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء (اور امتحان) ہے اس کو دل سے سمجھے محض زبان ہی سے نہیں ۔اسی طرح اپنے سب حالات (وکیفیات) کو جو بظاہر نیک (وعمدہ) معلوم ہوتے ہیں (ابتلاء ہی پر محمول کرتا رہے) اور ہمیشہ اپنے اعمال کو ریاء و نفاق اور سنت کی مخالفت پر محمول کرے گو ظاہر میں حضور ﷺ کے موافق ہی عمل کرتا ہو کیونکہ مخلوق حقیقی طور پر حضور ﷺ کی اقتدا سے عاجز ہے کیونکہ ان کی عبادت میں خواہ نماز ہو یا اور کچھ کوئی نہ کوئی نقص و خلل ضرور ہوتا ہے اور بس یہ (ہمارا اتباع سنت) اسی قبیل سے ہے "حسنات الا برار سيئات المقربين "کہ نیک آدمیوں کی طاعت مقربین کے لئے گناہ ہیں ۔ (اسی طرح جو اعمال ظاہر میں ہم حضور ﷺ کی سنت کے موافق کرتے ہیں حضور ﷺ کے حق میں یہ اعمال اس ہیئت سے جس طرح ہم ادا کرتے ہیں طاعات نہیں بلکہ گناہ ہوتے) ۔

اور فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو ریا کار دیکھنا ہو وہ مجھے دیکھ لے۔

اور معروف کرخی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میری خواہش یہ ہے کہ میری

---

[1] سورة قيامة : ١٤-١٥

وفات بغداد کے سوا کسی اور شہر میں ہو' (جہاں مجھے کوئی جانتا نہ ہو) لوگوں نے عرض کیا یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ زمین مجھے قبول نہ کرے (اور باہر پھینک دے) تو میں رسوا ہو جاؤں گا اور لوگ میری وجہ سے دوسرے مشائخ سے بھی بدگمان ہو جائیں گے۔ خدا ان بزرگوں سے راضی ہو (یہ کیسے اپنے کو مٹائے ہوئے تھے)۔

اسی طرح شیخ عبدالعزیز دیرینی رضی اللہ عنہ سے سفر کی حالت میں فقراء کی ایک جماعت نے کرامت (ظاہر کرنے) کی دراخواست کی اور کہا حضرت بستی میں داخل ہونے سے پہلے کچھ دکھلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ بسر وچشم پھر بستی میں داخل بھی ہو گئے اور کوئی کرامت نہ دیکھی تو دوبارہ درخواست کی آپ نے فرمایا کہ اس سے بڑی اور کیا کرامت ہوگی کہ حق تعالیٰ نے ہمارے لئے زمین کو روکے رکھا یہاں تک کہ ہم (بے تکلف) اس پر چلتے رہے اور ہم کو اس کے اندر نہیں دھنسا دیا۔

عزیز من! تم ان عارفین کے احوال میں غور کرو اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے اور وہی اپنے نیک بندوں کا محافظ ہے۔

ان کاموں میں بھی حضور ﷺ کی اقتداء کرے جو کام نفس پر گراں ہیں

(۲۵) اور درویش کی شان یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء اصلی کاموں میں کیا کرتا ہے جو نفس پر گراں ہیں جیسے رات کو اٹھنا اور (لوگوں کی) ناحق ایذا کا تحمل کرنا وغیرہ وغیرہ اور ہلکی باتوں پر اکتفا نہیں کیا کرتا۔ جو نفس کے لئے آسان ہیں مثلاً عمامہ شملہ دار باندھنا اور اونی کپڑے پہننا اور مسواک کرنا وغیرہ، کیونکہ جو شخص ایسی ایسی ظاہری ہلکی باتوں پر اکتفا کرے اور باطن میں ناشائستہ امور کا ارتکاب کرے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص جمعہ کے دن کتے کا گوہ اپنے تمام بدن اور کپڑوں کو مل لے اور جب جمعہ کی نماز کو جانے لگے تو اوپر سے کچھ گلاب چھڑک لے یا خوشبو کی دھونی لے لے پھر اس سے کسی ناصح نے کہا کہ یہ خوشبو لگانا چھوڑ دے۔ اور اپنے بدن اور

لباس کو پاک صاف کر لے کہ زیادہ ضروری ہے تو وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میں خوشبو لگانا نہ چھوڑوں گا اور اس سنت پر ضرور عمل کروں گا تو بتلاؤ اس خوشبو لگانے کا کیا فائدہ جب کہ اس کے نیچے گندگی اور بدبو بھری ہوئی ہے۔

پس عارفین کی اور ہر اس شخص کی نظر کا یہی حال ہے جس کی بصیرت حق تعالیٰ نے کھول دی ہے۔ اور اس کو اپنے اندر خبائث کا انکشاف ہو چکا ہے کہ وہ ظاہر کی آراستگی کو چھوڑ کر ان امور میں مشغول ہوتا ہے جن کے علاج میں ساری عمر ختم ہو جاتی ہے۔

حق تعالیٰ ان سے راضی ہوں بھلا کہاں تو یہ حضرات ہیں اور کہاں وہ شخص ہے جو محض لباس اور باتوں ہی سے اور اس کے سوا اور کچھ طریقے بزرگوں کے اختیار کرنے سے اپنے کو بزرگ سمجھتا ہے۔ جب یہ بات سمجھ گئے تو اول ہلاکت میں ڈالنے والی باتوں کا علاج کرو اور اپنے باطن کو ان سے پاک صاف کرو اور اس کے بعد ہلکی ہلکی باتوں پر عمل کرو اور من جملہ امور مہلکہ کے دینار و درہم اور جملہ متاع دنیا کی محبت ہے (اس کو دل سے نکالو)

اور سیدنا رسول اللہ ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ کسی تنخواہ کے بھروسہ پر رات نہ گذارتے تھے (بلکہ متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے) اور بازار کی طرف تشریف لے جاتے اور وہاں سے نمک اور گوشت اپنے ہاتھ اور گود میں لایا کرتے اور کسی کو ان کے اٹھانے کا موقع نہ دیتے تھے اور (اگر کوئی لینا چاہتا تو) فرماتے کہ صاحب متاع اپنے سامان کے اٹھانے کا دوسروں سے زیادہ مستحق ہے اور اس کے سوا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی اور بھی عادات تھیں (جن کو اختیار کرنا چاہئے)۔

اور خبردار! یہ مت سمجھنا کہ بازار جانے اور بازاریوں سے ملنے ملانے میں عزت کم ہو جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ اس خیال کا منشأ رعونت نفس اور اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا سمجھنا ہے حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے کیونکہ بازار والے (مسلمان

دوکاندار) بہت بڑے نیک کام میں (مشغول) ہیں وہ تم سے زیادہ مخلوق کونفع پہنچارہے ہیں اور جوشخص (مسلمان) باورچیوں اور تیلیوں کی حالت میں غور کرے گا وہ اپنے آپ کوان کا خادم بننے کے لائق بھی نہ پائے گا کیونکہ وہ لوگ دن بھر مخلوق کے منافع میں مشغول ہیں اور یہ شخص اکثر اوقات خالی رہتا ہے اس کے ہاتھ میں کوئی ایسا پیشہ نہیں ہوتا جس سے کسی دوسرے کونفع پہنچے لیکن ہر بات کا ادراک قلب ہی سے ہوسکتا ہے۔(اور آج کل قلوب ہی کا قحط ہے)۔

جب یہ سمجھ گئے تو درویش کو اپنا وقار پاش پاش کرنا چاہئے اور اس کے نظام و قاعدہ کو توڑ دینا چاہئے اور کسی خاص حالت کا پابند نہ ہونا چاہئے جیسے بڑا سا عمامہ باندھنا اور قیمتی اون کا لباس پہننا وغیرہ وغیرہ بلکہ اپنے تمام حالات میں سہولت اختیار کرے بس جومل گیا پہن لیا اور جو میسر ہوا کھالیا اور کبھی اپنے ہاتھ سے روٹی پکالی اور گھر میں جھاڑو دے لی اور کھانا پکالیا اور بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کا کام کاج کردیا ان کے لئے کنویں سے پانی بھر کر لادیا۔اور عوام سے اس طرح باتیں کرے کہ جیسے یہ بھی انہی میں سے ایک ہے، کسی بات میں ان سے ممتاز بن کر نہ رہے کیونکہ اس کے خلاف حالت اختیار کرنے میں اس کے لئے وقار اور شان ریاست پیدا ہوگی پھر وہ کسی حاجت مند کی اعانت کرنا چاہے گا بھی تو موقع نہ ملے گا کیونکہ حاجت مند (دل میں) یہ کہے گا کہ میں شیخ سے کیونکر خدمت لوں اور اس کو یہ خبر نہیں کہ دوسروں سے زیادہ شیخ ہی اس قابل ہے کہ اس سے خدمت لی جائے کیونکہ اس کا نفس مہذب ہو چکا ہے وہ بہ نسبت دوسروں کے جلدی خدمت کرنے پر آمادہ ہوگا (اور اس کے نفس پر کسی کی خدمت سے گرانی بھی نہ ہوگی) مگر جب لوگ شیخ کی ریاست اور شان کو دیکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس شان کو توڑنا شیخ پر بڑا گراں ہے تو اس سے خدمت لینا چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ان کے دل میں یہ بات جم گئی ہے کہ شیخ ایسے کاموں سے نفرت کرتے ہیں۔

اور درویش کو اپنے نفس کی نفرت (وحمایت) سے اور اس تاویل سے بچنا

چاہئے کہ میں تو یہ (شان ووقار) مخلوق کی اور طالبین کی مصلحت کے لئے (اختیار) کرتا ہوں کیونکہ شیخ کو مناسب ہے کہ وہ اپنے متبعین کے ساتھ زیادہ اختلاط اور میل جول نہ رکھے کیونکہ اس سے اس کی عزت طالبین کے دل سے نکل جاتی ہے پھر ان کو اس سے نفع نہیں ہوتا یہ (تاویل کرنے والا) اول تو اپنے آپ کو شیخ بناتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں شیخ ہوں، دوسرے یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں مخلوق کی ہدایت ہے اور یہ سب ایسی باتیں ہیں کہ جس (کے دل) میں ان کا وقوع ہو وہ اس کے ناقص اور کورا ہونے کی دلیل ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کھانا بھی کھاتے اور بازار میں بھی جاتے تھے (حضور ﷺ نے کبھی اس تاویل سے کام نہیں لیا اور نہ یہ سمجھا کہ میرے ہاتھ میں کسی کی ہدایت ہے) اور آپ پر تو یہ حکم نازل ہوا ہے "ما علی الرسول الا البلاغ"[1] رسول ﷺ کے ذمہ بجز تبلیغ کے کچھ نہیں اور یہ ارشاد نازل ہوا "ولو شاء اللہ لجمعهم علی الهدی فلا تکونن من الجاهلین"[2] اگر خدا تعالیٰ چاہتے تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتے پس آپ نادان نہ بنئے۔ اور اس کے سوا بہت سی آیات (اسی قسم کی) ہیں (جن میں حضور ﷺ کو مخلوق کی فکر میں پڑنے سے منع کیا گیا ہے)۔

اور اگر یہ مان لیا جائے کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ امور مذکورہ کے خلاف بھی کرتے تھے تو (اس سے تم کو اپنی حالت پر استدلال کا حق نہیں کیونکہ) حضور ﷺ وساوس نفس سے معصوم تھے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے عمامہ کے پیچ کو پانی کے گڑھے میں دیکھ کر درست کیا ہے اور عمدہ وقیمتی لباس بھی پہنا ہے جب کہ آپ کے پاس بعض لوگ سفیر بن کر آئے اور آپ مٹی کے چبوترہ پر بھی بیٹھے ہیں جب کہ صحابہؓ نے آپ سے درخواست کی کہ حضور دوسروں سے ممتاز جگہ پر تشریف رکھا کریں تاکہ آنے والا جلدی سے آپ کو پہچان لے اور احکام دین دریافت کرلیا کرے تو حضور ﷺ کا امتیازی حالت اختیار کرنا محض مسلمانوں کی مصلحت کے لئے تھا۔ پس جو شخص اس فعل میں آپ

---

[1] یٰسین:۱۷۔ [2] الانعام: ۳۵

کا اتباع کرنا چاہے اس کو صدق و خلوص کی رعایت کرنا چاہئے۔ اور جاننا چاہئے کہ درویش ناقص کو اکابر اقویاء (یعنی اولیاء کاملین) کی مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں۔ وہ تو (اس طرح) اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے گا کیونکہ وہ ابھی نفس شیطان اور خواہش کی آمیزش کو نہیں پہچانتا۔

مثلاً کوئی شخص سیدی علی بن وفاء اور سیدی شیخ مدین رضی اللہ عنہما اور ان کے سوا دوسرے عارفین کاملین کی مشابہت اختیار کر کے عمدہ لباس پہننے لگے (تو یہ حماقت ہے) بھلا اس کا حال اور ان کا حال کہاں؟ اور اس کا مقام اور ان کا مقام کہاں؟ یہ ان کی تو کرامتیں ہی اس بات کی سچی دلیل تھی کہ ان کی خواہشیں اور حظوظ نفس مر چکی ہیں کیونکہ جب تک کسی ولی میں حظ نفس باقی ہے خواہ دنیوی حظ ہو یا اخروی اس وقت تک اسے کسی کرامت کا عطا کیا جانا محال ہے۔

سیدی شیخ مدین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ان کی خانقاہ کا منارہ تعمیر کے فارغ ہونے کے ساتھ ہی جھک گیا حکام نے معمار کو کچھ سزا دینے کا ارادہ کیا تو شیخ (مدین) رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور اپنی کمر منارہ سے لگا دی وہ فوراً سیدھا ہو کر اپنی بنیاد پر جم گیا اور کچھ بھی جھکاؤ نہ رہا۔

اور ان کے ایک مرید کو یہ واقعہ پیش آیا کہ دریائے نیل میں دریا کے چڑھاؤ کے وقت اس کی ایک تھیلی دراہم کی گر پڑی اس نے آ کر شیخ کو اطلاع دی شیخ نے فوراً اپنی جانماز کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکال دی جس میں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

نیز ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت کے ایک مرید کی بیٹی کو بلاد فارس کے جنگل میں چھیڑنا شروع کیا (اور اس کو پکڑنا چاہا) شیخ اس وقت مصر میں پاخانہ کے اندر تھے۔ وہ لڑکی اس (بدنیت) شخص کے دفع کرنے اور ہٹانے سے عاجز ہو گئی۔ تو شیخ نے (مصر ہی سے) اپنی ایک کھڑاؤں پھینک کر اس شخص کے ماری جو اس کی گردن میں آ کر (زور سے) لگی اور وہ فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لڑکی نے وہ کھڑاؤں اٹھا لی اور اپنے

باپ کے پاس لے کر آئی اس نے پہچان لیا کہ یہ تو شیخ (مدین رضی اللہ عنہ) کی کھڑاؤں ہے، پھر جب وہ مصر آیا تو اس کو اپنے ساتھ لے کر آیا۔ اور اس کے سوا بہت سے کرامتیں مشہور ہیں۔

اور بزرگان شاذلیہ میں تو بعض اقطاب ہوئے ہیں اور ان کی حالت و کرامات مشہور ہیں تو ان جیسوں کو اختیار ہے کہ جیسا لباس چاہیں پہنیں ان کو کچھ ضرر نہ ہوگا مگر جس ناقص شیخ کے (دل میں) ایک کمزور سی بتی چمک رہی ہے اس کو تو ذرا سی ہوا بھی بجھا دے گی (اس کو ان حضرات کی ریس نہ کرنا چاہئے ۱۲) خوب سمجھ لو۔

اور اس خیال رکھو کہ جو کوئی اپنے کو قوی کہے اور یہ دعوی کرے کہ مجھے ایسی چیزیں ضرر نہیں کرتیں اس پر اعتراض کرنا مناسب نہیں، بلکہ اس کی حالت کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرو، کیونکہ اعتراض جائز نہیں اور یہ سمجھنا کہ اس شخص کے اندر اس لباس سے ناجائز کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں (بدگمانی ہے کیونکہ) یہ امر باطنی ہے جس کا ہم کو علم نہیں اس لئے تسلیم ہی اسلم ہے، اعتراض تو اس شخص پر ہو سکتا ہے جو محرمات ظاہرہ کا مرتکب ہو۔

اور اس دعوے کے سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر یہ شخص ایسے لوگوں کے سامنے جو اس کے معتقد نہیں ہیں خراب وخستہ لباس پہن کر چلا جاوے تو اس کے نفس میں کسی قسم کی پریشانی اور خجلت نہ ہو۔ اور اگر اس سے پریشانی اور خجلت ہوئی تو یہ اس کی دلیل ہوگی کہ اس میں ہوائے نفس باقی ہے اور یہ شخص قیمتی لباس محض ہوائے نفس سے پہنتا ہے نہ کسی اور وجہ سے باقی معتقدوں کے سامنے خراب وخستہ لباس پہن کر آجانا اور اس سے پریشانی نہ ہونا قوت کی دلیل نہیں کیونکہ اس میں پریشانی کی کوئی وجہ نہیں وہ جانتا ہے کہ ان کا تو اس سے اور اعتقاد بڑھے گا اور وہ سمجھیں گے کہ اس وقت شیخ پر کوئی خاص حالت ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ جس شخص کو کوئی دینی یا دنیوی ایسی حالت نصیب نہ ہو جس کی وجہ سے لوگ اس کی تعظیم کریں اس کا عمدہ (اور قیمتی) لباس پہننا مذموم نہیں کیونکہ

ایسا نہ کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ کوئی اس کو حقیر سمجھے اور تحقیر مسلم کی وجہ سے گناہ میں گرفتار ہو اور یہ بلا آج کل درویشوں میں بھی عموماً موجود ہے کیونکہ ان میں زیادہ وہ ہیں جن کے باطن میں نور نہیں جس سے کامل و ناقص میں تفریق کرسکیں پس وہ بھی اچھے لباس والے ہی کی تعظیم کرتے ہیں اور خراب لباس والے کی پرواہ بھی نہیں کرتے اگرچہ وہ اولیاء (کاملین) ہی میں سے ہوں۔

جب درویشوں کی یہ حالت ہے تو دنیا داروں کا تو کیا پوچھنا اور جس کو ایسی حالت حاصل ہو جس سے لوگوں کی نظر میں معظم ہو گیا ہو جیسے صلاح و زہد وغیرہ (اس کو قیمتی لباس پہننے کی ضرورت نہیں، کیونکہ گھٹیا لباس کی وجہ سے کوئی اس کی تحقیر نہ کرے گا بلکہ) لوگ پہلے سے زیادہ معتقد ہوں گے (تو یہ شخص عمدہ لباس سنبھل کر پہنے کیونکہ اس کو کوئی شرعی ضرورت تو ہے نہیں ممکن ہے کہ ہوائے نفس اس کا منشاء ہو سو جب تک پورا اطمینان نہ ہو جائے کہ نفس اور ہوائے نفس کو اس میں دخل نہیں بلکہ محض "ان اللّٰہ جمیل و یحب الجمال" اور حدیث "لیر علیك"[1] کا امتثال مقصود ہے اس وقت تک عمدہ قیمتی لباس نہ پہنے ۱۲) اس کو خوب سمجھ لو خدا تم کو ہدایت کرے وھو یتول الصٰلحین۔

اگر کوئی آپ کے درجہ سے انکار کرے تو مکدر نہ ہو

(۲۶) اور درویش (کامل) کی شان یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی اس کو اولیاء صالحین کے درجہ سے نکالے اور یوں کہے کہ فلاں کو تو طریق کا کچھ بھی ذوق نہیں تو یہ بات سن کر مکدر نہ ہو، کیونکہ اگر یہ عند اللّٰہ صالح ہے تو اس منکر کے کہنے سے عند اللّٰہ صلاح سے نہیں نکلے گا۔ اور اگر عند اللّٰہ غیر صالح ہے تو مخالف نے سچ کہا۔[2]

---

[1] دیکھئے مجمع الزوائد، ج:۵، ص:۳۲ و ۱۳۴

[2] ولنعم ماقال ذوق الدهلوی ؎

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق	اے ذوق ہے برا وہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے	پھر برا کہنے سے کیوں اس کے برا مانتا ہے

اب تو اس پر غیض کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں اور یہ بھی مناسب نہیں کہ منکر کے پاس کوئی نرم جواب کہلا کر بھیجے تاکہ اس کا اعتقاد اس سے اچھا ہو جائے کیونکہ یہ تو بڑا المباقصہ ہے (جو کبھی طے نہیں ہوسکتا) اگر اس سے ایک شخص راضی بھی ہو گیا تو دس اور مخالف پیدا ہو جائیں گے (پھر کس کس کو مناؤ گے) اور فقیر کو تو حق تعالیٰ کے سوا کسی پر بھی نظر نہ کرنا چاہئے اور اگر یہ اپنے نفس کی طرف داری کرے گا (اور مخالفوں کی باتوں کا جواب دے گا) تو پریشان ہی ہو گا۔

اور جو شخص اپنی نسبت لوگوں کی مدح وثنا سن کر خوش ہوا اور واقع میں بزرگی سے کورا ہو اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی یہ سن کر خوش ہو کہ میرا مرید یوں کہتا ہے کہ میرے پیر کے پاخانہ میں سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ اور یہ سن کر پیر صاحب "الحمدللہ رب العلمین" کہتے ہوں حالانکہ وہ اپنے دل میں اپنے پاخانہ کی پلیدی اور سڑاہند کو خوب جانے ہوئے ہے یہاں تک کہ قضائے حاجت کے وقت وہی خود اپنی ناک بند کر لیتا ہے (مگر باایں ہمہ مرید کی غلط تعریف سے خوش ہوتا ہے) بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا دھوکہ ہوگا (پس شیخ کو نہ کسی کی مدح سے اترانا چاہئے نہ کسی کی مذمت سے مکدر ہونا چاہئے) اور جو شخص چند افراد مخلوق کی ایذا کو برداشت نہ کر سکے وہ شیخ ومربی کیوں کر ہوسکتا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے کمتر سمجھے

(۲۷) اور درویش کی یہ شان ہے کہ وہ (حضرت حق کے) ادب کا ہمیشہ خیال رکھے اور اپنے کو خلق اللہ میں سب سے کمتر سمجھے پس مرید سے ایسی بات کبھی نہ کہے کہ اگر ذکر کے وقت شیطان وسوسے ڈالے تو میرا نام بلند آواز سے لے لیا کرو، شیطان بھاگ جائے گا، ایسی بات کہنا اس کی دلیل ہے کہ وہ اپنے کو اولیاء عارفین میں شمار کرتا اور اپنے کو انہی میں سے سمجھتا ہے "والظن اکذب الحدیث"[1] اور بھلا جب

[1] بخاری ج:۲، ص:۹۹۵ باب

شیطان اسی کو گراتا اور پچھاڑتا رہتا ہے تو اس کا نام لینے سے وہ کیوں کر بھاگ جائے گا، مثل مشہور ہے کہ جب مٹھائی کوڑے کھانے سے ملتی ہے تو کھٹائی کا تو پوچھنا کیا۔ اور ادب کا طریق یہ تھا کہ اس سے یوں کہتا کہ جب شیطان تیرے پاس آئے اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کر یا رسول اللہ ﷺ کا نام لے لیا کر یا حضرت عمرؓ کا نام لیا کر کیونکہ شیطان ان کے سایہ سے بھاگتا ہے اور جب (قاعدہ یہ ہے کہ) شیطان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بھاگتا ہے (کما ورد فی الحدیث و اذا ذکر اللّٰہ خنس ۱۲) تو وہ اغیار کے ذکر سے کیسے بھاگے گا۔ خوب سمجھ لو۔

اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ایک رات جنات نے رسول اللہ ﷺ کو پریشان کرنا چاہا۔ ایک شیطان اپنے ہاتھ میں آگ کا شعلہ لایا جس سے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کو ایذا دینا چاہتا تھا۔ تو اسی وقت جبریل علیہ السلام آئے اور حضور ﷺ کو چند کلمات بتلائے جن کو آپ نے پڑھا تو آگ بجھ گئی۔ اھ۔ تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بنی آدم پر کتنا تسلط دیا ہے (کہ وہ ملعون سردار بنی آدم سے بھی نہیں ڈرا اور حضور ﷺ کو ایذا دینے کی بھی ہمت باندھی ۱۲)

اور امام بخاری رضی اللہ عنہ نے "باب صفة ابلیس وجنوده" میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ (ایک رات) آپ نے نماز پڑھی پھر فرمایا کہ شیطان میرے سامنے آیا اور میری نماز توڑنے کے لئے مجھ پر حملہ کیا پھر حق تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو دے دیا۔ اھ۔ تو شیخ کو اس میں غور کرنا چاہئے (اور اس کے بعد سوچے کہ جس کی اتنی ہمت ہے وہ تم جیسوں کا نام لینے سے کیوں کر بھاگ جائے گا) والسلام۔

اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے مرید کو اپنا نام لینا اس لئے بتلایا ہے کہ وہ دوسروں کے مقام سے جاہل ہے تو ہم کہیں گے کہ پھر بھی ادب کی بات یہ تھی کہ تم اسے کسی ایسے کا نام بتلاتے جو رتبہ میں تم سے بڑا ہے کیونکہ یہ تمہارے مقصود کے (یعنی

اصلاح مرید کے) زیادہ قریب ہے اور اگر تم کو اس امر کا مشاہدہ ہو جاتا کہ واسطہ کے ساتھ اعتقاد کرنے سے نفع ہوتا ہے اس میں فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں (اور واسطہ کا اعتقاد محض واسطہ ہے)۔ تو تمہاری نظر میں اپنا واسطہ اور دوسرے کا واسطہ مساوی معلوم ہوتا۔

اور میرا جی چاہتا ہے کہ اس مقام پر امام حجۃ اللہ علی المحققین ولی کامل سہل بن عبداللہ تستری کا وہ مناظرہ جو ابلیس کے ساتھ ہوا تھا بیان کر دوں تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ شیطان کو مخلوق پر کس درجہ تسلط دیا گیا ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو حق تعالیٰ ہم کو اس سے کیوں ڈراتے۔

سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ابلیس سے ملا۔ اور میں نے اس کو پہچان لیا اور وہ بھی یہ سمجھ گیا کہ میں نے اس کو پہچان لیا ہے، اس کے بعد ہم دونوں میں باہم مناظر ہونے لگا۔ وہ اپنی کہتا رہا میں اپنی کہتا رہا اور باہم گفتگو بڑھ گئی اور نزاع طویل ہو گیا یہاں تک کہ وہ بھی خاموش ہو گیا اور میں بھی اور وہ بھی سوچ میں پڑ گیا اور میں بھی پھر اخیر بات جو اس نے کہی وہ یہ تھی کہ اے سہل! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" ورحمتی وسعت کل شئی "[۱] (میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے ۱۲)۔

تو حق تعالیٰ نے اس حکم کو عام کیا ہے کیونکہ لفظ کل عموم و احاطہ کو چاہتا ہے اور شئی بھی سب نکرات میں بڑا نکرہ ہے (تو عموم میں کیا شبہ ہے) اور یہ بات تم سے مخفی نہیں کہ میں بھی یقیناً شی ہوں تو مجھے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہے۔

سہل، بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا اس نے مجھے گونگا بنا دیا اور ایسی آیت کو پیش کر کے مجھے حیرت میں ڈال دیا کیونکہ وہ اس سے ایسی بات سمجھا جو میں نہ سمجھا تھا اس لئے میں دیر تک حیرت زدہ ہو کر سوچ میں پڑ گیا اور دل دل میں اس آیت کو پڑھنے لگا جب میں "فسا کتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوۃ والذین ھم بآیاتنا یؤمنون"[۲] پر پہنچا (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پھر میں آیت رحمت کو ان لوگوں کے

---

[۱] و [۲] الاعراف:۱۵۶

لئے خاص کردوں گا جو مخالفت حق سے بچتے ہیں اورزکواۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں) تو میں بہت خوش ہوا اور یہ سمجھا کہ مجھے بڑی حجت مل گئی اور اب میں شیطان پر ایسا غلبہ حاصل کروں گا جس سے اس کی گردن ٹوٹ جائے گی اور میں نے کہا اے ملعون! حق تعالی نے پہلی آیت کو ایسی خاص صفات کے ساتھ مقید کیا ہے جو اس کو عموم سے نکال دیتی ہیں چنانچہ اس کے بعد ہی ارشاد ہے "فسا کتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوة" الی آخر الآیات (جس سے معلوم ہوا کہ رحمت الٰہی اہل تقوی واہل ایمان کے لئے مخصوص کردی گئی ہے ۱۲)

تو اس پر ابلیس ہنسا اور کہنے لگا اے سہل! میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ تم اس درجہ جاہل ہو اور نہ یہ گمان تھا کہ تم اتنا ہی علم رکھتے ہو۔ اے سہل! تم کو معلوم نہیں کہ تقلید تمہاری صفت[1] ہے نہ کہ حق تعالیٰ کی صفت۔ اھ۔

---

[1] میں کہتا ہوں کہ اس جملہ میں ملعون نے سخت مغالطہ سے کام لیا ہے۔ بات یہ ہے کہ تقلید کے دو معنی ہیں ایک بمعنی احتیاج الی المکان والی الزمان والجھات وغیرھا یہ واقعی ممکنات کی صفت ہے حق تعالیٰ اور ان کی صفات اس سے منزہ ہیں اس تقیید کا مقابل استغناء ہے جو حق تعالیٰ کی اور ان کی صفات کی صفت ہے۔

دوسرے بمعنی اختصاص بالشئ جس کا مقابل عموم ہے تقیید بایں معنی صفات الٰہیہ میں فی نفسھا تو واقع نہیں لیکن باعتبار تعلق بالممکنات کے اس تقیید کا وقوع صفات حق میں ہوسکتا ہے کیونکہ تعلق حادث ہے تو اس درجہ میں صفات الٰہیہ کے اتصاف بالتقیید پر کوئی اشکال نہیں ورنہ عموم صفات (مثلاً عموم رحمت) پر بھی اشکال ہوگا کیونکہ صفات الٰہیہ فی نفسھا تو قائم بذات حق ہیں، اس درجہ ان میں عموم کہاں؟ بلکہ عموم بھی درجہ تعلق ہی میں ہے۔

پس ابلیس کے اشکال کا جواب ظاہر ہے جو کہ جس درجہ میں اس نے رحمت کو عام مانا ہے اس درجہ میں وہ تقیید کے بھی قابل ہے اور جس درجہ میں تقیید رحمت محال ہے اس درجہ میں عموم بھی جائز نہیں اور اگر مان لیا جائے کہ ابلیس بھی "وسعت رحمتی کل شیء" کے تحت میں داخل ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ وہ آخرت میں بھی مستحق نجات و مورد رحمت ہوگا کیونکہ وسعت رحمت کے تحقق کے لئے شیطان کا محل رحمت دنیویہ ہونا کافی ہے اور رحمت دنیویہ ابلیس کو اور تمام کفار کو عام ہے جس کی بدولت ان کو نعمت وجود وحیات ورزق وغیرہ حاصل ہے اور غالباً حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ پر اس وقت مذاق تنزیہ وتوحید کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ درجہ تعلق میں بھی تقیید رحمت کو بعید سمجھتے تھے اسلئے ابلیس کے سامنے خاموش رہے۔ ۱۲ مترجم

سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا مجھے اس نے گونگا بنا دیا اور میں نے دل میں سوچنے لگا اور میرا تھوک خشک ہو گیا جس کا نگلنا مشکل ہو گیا بخدا اس بات کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا اور شیطان کا منہ بند کرنے کے لئے مجھے کوئی راستہ نہ ملا۔ اور میں نے جان لیا کہ اس کو جو (رحمت الٰہی) کی طمع ہے وہ اس کے نزدیک بجا امید ہے (بے جا نہیں ہے) اس کے بعد وہ بھی چل دیا اور میں بھی لوٹ آیا۔ سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میرا یہ قصد ہوا کہ ابلیس سے طریق معرفت حاصل کروں گو وہ اپنی معرفت سے خود منتفع نہیں ہوا کیونکہ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے "انظر الی ماقال ولا تنظرالی من قال" کہ بات کو دیکھو اور یہ مت دیکھو کہ اس کا کہنے والا کون ہے۔ عزیز من! اس مناظرہ میں تامل[۱] کر و اس کے منافع تم کو خود ہی حاصل ہو جائیں گے۔ واللہ یتولی ھداك وھو یتولی الصلحین ٥۔

اپنے شیخ کا ادب ملحوظ رکھے

(۲۸) اور درویش کی شان یہ ہے کہ جب تک وہ طالب[۲] رہے اس وقت تک اپنے شیخ کا ادب ملحوظ رکھے اور جہاں تک ممکن ہو اس کے ساتھ اعتقاد رکھے کیونکہ اس سے انشاء اللہ اس کو نفع حاصل ہو گا مگر یہ اعتقاد نہ کرے کہ اس وقت کے تمام مشائخ میں اس کا شیخ سب سے زیادہ کامل ہے کیونکہ اس میں قطب اور اصحاب نوبت وغیرہ اولیاء

---

[۱] بزرگوں نے وصیت کی ہے کہ اگر کسی کی ابلیس سے ملاقات ہو جائے تو اس سے گفتگو کبھی نہ کرے، کیونکہ علم مغالطہ میں اس کو بڑی مہارت ہے بڑے سے بڑے عالم کو وہ ایسا مغالطہ دے دیتا ہے جس سے وہ چکر میں پڑ جاتا ہے۔ ۱۲ ظ

[۲] اس کا مطلب یہ نہیں کہ طلب کامل ہو جانے کے بعد ادب کی رعایت ضروری نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ زمان طلب میں تو اس کو بہ تکلف ادب واعتقاد رکھنا چاہئے گو اس کو شیخ کے مقام و درجات کا بھی علم نہ ہو اور کمال طلب کے بعد تو خود ہی بے اختیار ادب کرے گا کیونکہ اب اس کو شیخ کے درجات کا علم ہو چکا ہے۔ ۱۲ مترجم

کاملین کی بے ادبی (کا اندیشہ) ہے دوسرے اس (اعتقاد) میں بعض دفعہ کذب کا احتمال بھی ہے کیونکہ یہ تو محض تمہارا گمان ہی گمان ہے "والظن اکذب الحدیث"۔

پس ایک ولی کو دوسروں پر فضیلت دینا اسی شخص کا کام ہے جس کو خدا تعالی نے (بطور کشف صحیح یا الہام کے) بتلا دیا ہو، دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں اس کو سمجھ جاؤ (البتہ اس اعتقاد کا مضائقہ نہیں کہ میری نظر اور میری تلاش میں اس سے زیادہ کامل کوئی نہیں ۱۲)

اور محقق کامل، مدقق فاضل شیخ محی الدین ابن العربی کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کے قدم پر ایک ولی یا زیادہ اس نبی کے وارث ہوتے ہیں پس ہر زمانہ میں انبیاء کی شمار کے برابر ایک لاکھ چوبیس ہزار اولیاء تو ضرور ہوں گے اس سے بڑھ تو سکتے ہیں مگر کم نہیں ہو سکتے۔ اگر زیادہ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی ایک نبی کے علوم کو اس کے چند وارثوں پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ اور جب یہ قصہ ہے تو بدون تمام اولیاء کو پہچانے ہوئے ایک کو دوسرے پر کیوں کر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

اور امام ابو حنیفہؒ کے اس ارشاد میں غور کرو کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ اسود افضل ہیں یا علقمہ؟ تو آپ نے فرمایا کہ واللہ ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ ان حضرات کا ذکر ہی کر سکیں پھر ایک دوسرے پر فضیلت دینا تو بڑی بات ہے اس کے ہم کہاں اہل ہیں۔ عزیز من! امام صاحب کے ادب کو دیکھو کہ انہوں نے بے تحقیق بات کرنے سے اپنے کو کیسا بچایا اور یہ بھی دیکھو کہ انہوں نے اپنے نفس کو کیسا حقیر سمجھا اور تم بھی انہی کے طریقہ کو اختیار کرو۔ واللہ یتولی ھداك وھو یتولی الصٰلحین۔

قطب وغیرہ کے ساتھ ادب کو لازم سمجھے

(۲۹) اور درویش کی شان یہ ہے کہ قطب وغیرہ کے ساتھ ادب کو لازم سمجھے اور یوں نہ کہے کہ ہم قطب کی حکومت وولایت) کے دائرہ سے خارج ہیں کہ یہ پوری بے ادبی ہے اور تم کو یہ کہاں سے معلوم ہوا حالانکہ تم نے ہنوز نہ قطب کو پہچانا نہ اس سے

ملاقات کی اور اگر حق تعالیٰ کسی کو اس معاملہ کا انکشاف بھی عطا فرما دیں تو گو اس کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے مگر جب بھی یہ بات ادب کے خلاف ہی ہے باقی محض دوسروں کی تقلید میں ایسی بات زبان سے نکالنا تو کسی طرح بھی جائز نہیں مثلاً کسی نے اپنے مشائخ کو یہ بات کہتے ہوئے سنا اور یہ بھی ان کی تقلید میں یہی کہنے لگا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس نے اولیاء و اقطاب اور اصحاب خدمت کو پہچانا نہ ہو وہ تو (ایسی بات منہ سے نکالنے میں) معذور ہے کیونکہ ان کا ادب وہی پہچان سکتا ہے جو خود ان کو پہچانتا ہو (مگر اس کے ساتھ یہ بھی جان لینا چاہئے کہ ایسا معذور شخص خود بھی ولی نہیں) پھر وہ بدون اولیاء وقت کو پہچانے ہوئے یہ دعوی کیسے کرتا ہے کہ میں اولیاء اللہ میں سے ہوں کیونکہ قاعدہ ہے کہ ہر پیشہ والا اپنے ہم جنسوں کو ضرور پہچانا کرتا ہے نیز وہ یہ دعوی کیسے کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے درباریوں میں سے ہے۔ حالانکہ وہ اہل دربار میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتا ۔ خوب سمجھ لو۔

نہ کسی سے سوال کرے اور نہ کسی کا ہدیہ بلاوجہ رد کرے

(۳۰) اور درویش کی شان یہ ہے کہ نہ کسی سے سوال کرے نہ کسی کا ہدیہ (بلاوجہ) رد کرے اور نہ آئندہ کے لئے ذخیرہ جمع کرے۔ خاندان شاذلیہ کا یہی طریقہ ہے اور جس چیز کے متعلق ہم کو حلت کا گمان غالب ہوتا ہے اس میں ہمارا ابھی اس وقت تک یہی طریقہ ہے (کہ نہ ہم سوال کرتے ہیں نہ رد کرتے ہیں) اور ہم کو امید ہے کہ اس نعمت میں ہم کو ہمیشہ ترقی حاصل ہوتی رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسرے کے عیوب پر نظر نہ کرے

(۳۱) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے مقابلہ میں اپنی مشیخت ظاہر کرے تو یہ اس کی شاگردی قبول کرے اور اگر وہ اس کے سامنے اپنا ہاتھ بڑھائے کہ اس کو بوسہ دو تو یہ اس کے پیر چوم لے اور ہمیشہ دم کا آخری بال بن کر رہے

کیونکہ مار سب سے پہلے سر پر پڑا کرتی ہے اور درویش کو لوگوں کے عیوب سے نگاہ بند کر کے رہنا چاہئے کیونکہ دوسروں کے عیوب میں نظر کرنا اس کے اندر ایسے عیوب پیدا کردے گا جو پہلے سے اس میں نہ تھے۔

اپنی مشیخت ختم ہونے لگے تو مکدر نہ ہو

(۳۲) اور درویش کی شان یہ ہے کہ جب اس کی بستی میں کوئی دوسرا شیخ ظاہر ہو جائے اور اس کی جماعت اس کی طرف پلٹ جائے اور اس کی بیعت کو توڑ دیں تو یہ اس سے (مکدر نہ ہو بلکہ) خوش ہو کیونکہ اس نے اس کا بوجھ ہلکا کر دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہو گیا کہ اب اس کو عبادت سے کوئی چیز مشغول نہ کرے گی اور اگر اس کو اس بات سے تکدر ہوا تو یہ شخص طالب ریاست اور طالب شہرت ہے جو لوگوں کی نگاہ میں بڑا بننا چاہتا ہے۔

اور حب جاہ کی ایک علامت یہ ہے کہ جب اس کے سامنے اس کے ہم عصروں میں سے کسی کی تعریف کی جائے تو اس کو انقباض ہو اور چہرہ پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوں خصوصا اگر اس کے معتقدوں کے سامنے تعریف کر کے دوسرے کا درجہ بڑھایا جائے (اس وقت تو اس کو بہت ہی ناگواری ہو گی ۱۲)۔

پس معلوم ہوا کہ جو شخص پیری مریدی پیشہ بنائے گا وہ بے شمار امور مذمومہ میں مبتلا ہوگا کیونکہ اس کا کھانا، پینا اور پہننا سب اسی پیشہ سے ہوگا جس کے لوازمات میں سے یہ ہے کہ جو اغنیاء و اصحاب دولت اس پر احسان کرتے ہوں گے یہ ان کے سامنے عاجزی اور خشوع ظاہر کرے گا اور ان کے آنے کے وقت اپنا وقار ظاہر کرنا چاہے گا اور اپنے پاس اغنیاء کی آمد و رفت کا خواہش مند ہوگا خصوصا اپنی خاص مجلسوں اور خاص محفلوں میں۔

اور ہمیشہ اس اندیشہ میں رہے گا کہ یہ مالدار لوگ میرے پاس سے کہیں اور نہ

چلے جائیں اور یہ غلہ اور شہد و پنیر وغیرہ کی امداد بند نہ ہو جائے جو ان کے ذریعہ سے مجھے حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے درویشوں کا میرے پاس اجتماع ہے کیونکہ خانقاہوں میں بے حرفت درویشوں کا اجتماع ایسے شیخ کے پاس جس کا بجز مشیخت کے کچھ پیشہ نہیں اس امداد ہی کی بدولت تو ہے اور یہ خانقاہ والے یوں کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے فضل سے سر سے پیر تک نعمت میں غرق ہیں ہم کو کچھ خبر نہیں کہ یہ نعمتیں کہاں سے آتی ہیں۔ اور یہ لوگ اس بات کو بھول گئے کہ ان نعمتوں کا سبب یہ ہے کہ معتقدین ان کو دین دار سمجھتے ہیں کیونکہ وہ جو کچھ ان کی خدمت کرتے ہیں محض ان کی دینداری اور ظاہری بزرگی کی وجہ سے کرتے ہیں تو یہ لوگ دین کے ذریعہ سے دنیا کھاتے ہیں اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں بلکہ اس گمان میں ہیں کہ ہم دین فروشی سے محفوظ ہیں۔

اور فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ مجھے ڈھول اور بانسری بجا کر دنیا کمانا زیادہ پسند ہے اس سے کہ دین کے ذریعہ سے دنیا حاصل کروں یہ تو ان کا حال ہے جن کو دین حاصل ہے اور ان کی حالت معتقدوں کے اعتقاد کے موافق واقع ہیں درست ہے اور جس کی یہ حالت ہو کہ لوگ تو اس کی خدمت دین داری کی وجہ سے کرتے ہوں اور یہ اس سے کورا ہو، اس کا تو کھانا، پہننا سب حرام اور سخت حرام ہے۔ اس کو خوب سمجھ جاؤ۔

مریدوں کے مال سے اپنا خیال اٹھالے

(۴۳) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اس کے مریدوں کے پاس جو کچھ دنیا کا ساز و سامان ہے اس سے اپنا خیال اٹھالے اور جہاں تک ممکن ہو اپنی حاجت کو مریدوں سے چھپائے اور ان پر اپنا فکر نہ ڈالے۔

چنانچہ سیدنا رسول اللہ ﷺ بعض دفعہ بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے۔ (اور کسی سے اپنا حال ظاہر نہ فرماتے) اور صحابہ کو آپ کی بھوک پیاس کی

خبر محض چہرہ کی زردی دیکھ کر ہوتی تھی۔

اور درویش کو اپنے مال دار مریدوں کے سامنے تعریض و کنایہ کے طور پر بھی اپنی حاجت ظاہر کرنے سے احتیاط لازم ہے۔ جیسے ان کے سامنے پنیر یا لکڑی کا بھاؤ دریافت کرنا، یا عمامہ اور پٹکہ اور جوتہ اور زنانہ رومال۔ اور بچوں کی ٹوپی کی قیمت پوچھنا، جس سے معتقدین یہ سمجھیں گے کہ شاید درویش کو ان چیزوں کی ضرورت ہے اور وہ جانتے ہیں کہ ان کے پاس خریدنے کو کچھ ہے نہیں تو لامحالہ وہ ان چیزوں کے خرید کرلانے میں جلدی کریں گے۔ تو اس صورت میں گویا شیخ نے صراحۃً سوال کیا۔

اور جاننا چاہئے کہ درویش کا اپنے پاس رہنے والے فقراء کی ضرورتوں کو تعریضاً ظاہر کرنا خاص اپنی اور اپنے اہل و عیال کے ضرورتوں کے متعلق تعریض کرنے سے اخف ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ بازار کے کتے اور شکاری کتے میں مناظرہ ہوا۔ بازاری کتے نے شکاری کتے سے کہا کہ تو میری طرح کوڑی پر پڑے ہوئے ٹکڑوں سے کیوں قناعت نہیں کرتا۔ اور امراء و سلاطین کی صحبت سے الگ ہو کر راحت و آزادی کیوں نہیں اختیار کرتا، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ پھر بھی تیری عزت و خاطر کرتے ہیں۔ اور مجھے دھتکارتے اور ذلیل کرتے ہیں (اس کی کیا وجہ ہے؟) شکاری کتے نے کہا کہ میں گو امراء و سلاطین کے سر ہوں، مگر میں دوسروں کے لئے شکار کرتا ہوں اس لئے معزز ہوں اور تو اپنے لئے شکار کرتا ہے اس واسطے ذلیل و حقیر ہے اور تجھے کوڑیوں پر دھکے دیئے جاتے ہیں۔

اور عزیز من! اگر تم کو اپنے پاس آنے والے دوستوں کی امداد قبول کرنے سے چارہ ہی نہ ہو تو لوگوں کے دلوں میں اپنے متعلق اس قسم کا خیال ہرگز نہ ڈالنا کہ میں دست غیب سے کھانے پر قادر ہوں، اور اشیاء کی حقیقت بدل سکتا ہوں (کہ مٹی کو سونا بنادوں اور پانی کو دودھ کروں) لیکن محض ادب کی وجہ سے میں نے یہ طریقہ چھوڑ دیا

ہے خواہ واقع میں تم اس دعوے میں حق پر ہو یا باطل پر (ہر حال میں اس سے احتیاط کرو) کیونکہ اس کا ضرر بہت سخت ہے اور مریدوں کے دلوں میں اس قسم کے خیالات پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تم اولیاء کی حکایت بیان کر کے جن کے ہاتھوں سے حقائق اشیاء پلٹ گئی ہیں یوں کہو کہ یہ کچھ کمال نہیں، بلکہ نقص ہے۔ کاملین سے اس قسم کے تصرفات ظاہر نہیں ہوتے (جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہم کامل ہیں اس لئے ہم ایسے تصرفات نہیں کرتے) خوب سمجھ لو۔ واللّٰہ یتولی ھداک وھو یتولی الصالحین۔

غریبوں کے پاس اٹھا بیٹھا کرے

(۳۴) اور درویش کی شان یہ ہے کہ غریبوں کے پاس اٹھا بیٹھا کرے جن کے کپڑوں میں جوئیں چلتی ہوں، اور گاہے گاہے ان کے کپڑوں سے جوئیں پا دیا کرے خصوصاً اگر وہ اندھے بھی ہوں۔ اور ان کے پاس بیٹھنے میں اپنی حقارت نہ سمجھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر ایک نابینا صحابی سے ذرا سی بے رخی کرنے پر عتاب فرمایا ہے "عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰی اَوْیَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی" [1] ترجمہ: آپ ترش رو ہو گئے اور منہ پھیر لیا اس واسطے کہ آپ کے پاس ایک اندھا آ گیا تھا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ (گناہوں سے) پاک ہونے آیا ہو۔ یا وہ نصیحت قبول کرتا۔ اور نصیحت سے اس کو نفع ہوتا۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

صرف اپنی شہرت کے طالب نہ بنو

(۳۵) اور درویش کی شان یہ ہے کہ وہ اس بات کا طالب نہ ہو کہ (لوگوں میں) تنہا اسی کا نام مشہور ہو کیونکہ اس میں بے شمار آفات ہیں اور ادنیٰ آفت یہ ہے کہ اس کے ہم عصروں میں جو کوئی اس سے (شہرت میں بڑھ جائے گا یہ اس سے کراہت کرے گا اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور دنیا میں بے رغبت اور صاحب ورع وتقوی ہی

[1] سورۃ عبس: ۱-۴

کیوں نہ ہو، مگر چونکہ اس کی شہرت اس کے نام کو کھاتی ہے اس لئے یہ یوں چاہے گا کہ اس کا نام مجھ سے بلند نہ ہو تو (گویا) یہ شخص دوسرے کے لئے نقصان خیر کا طالب ہے تاکہ وہ اس سے ممتاز نہ ہو سکے یہ امر اس ارادہ کو لازم ہے جو اس سے منفک نہیں ہو سکتا تو اب یہ اور ابلیس دونوں بھائی بھائی ہو گئے (کیونکہ وہ بھی آدمیوں کے لئے نقصان خیر کا طالب ہے اور یہ بھی ۱۲)۔

علاوہ ازیں یہ کہ میں ابلیس سے ایک دفعہ عالم خیال میں ملا اور اس سے گفتگو ہوئی تو ابلیس نے کہا کہ مجھے طاعت کی کمی پر غیرت آتی ہے کیونکہ رحمت غضب پر غالب ہے (تو چاہئے کہ مرحومین کا وجود مغضوبین سے زیادہ ہو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ طاعات کا وجود معاصی سے زیادہ ہو کم نہ ہو۔ اس کے بعد علامہ نے ابلیس کی پوری تقریر نقل کی ہے جو دقیق ہے عوام کے لئے اس کا ترجمہ مناسب نہیں اس لئے ہم اس کا ترجمہ چھوڑ کر اس کے بعد سے ترجمہ شروع کرتے ہیں۔) اور بندہ کا اس میں کیا ضرر ہے اگر سارے آدمی عارف مربی صاحب تلقین ہو جائیں کیونکہ اس میں اس کے نبی کریم ﷺ کے لئے بڑا شرف ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بات ہے کہ آپ کی امت میں اقطاب و ابدال و اوتاد وغیرہ ہوتے ہیں تو (اب جو شخص یوں چاہتا ہے کہ شہرت میں مجھ سے کوئی نہ بڑھے۔) اس مسکین کو اہل تقویٰ سے ضرور کراہت ہوگی اور اگر یہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں سچا ہوتا تو مشائخ اور اصحاب سلسلہ کی کثرت سے خوش ہوتا کیونکہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کی خوشی کا باعث ہے (کہ آپ کی امت میں ہادی اور رہنما کثرت سے ہوں) خوب سمجھ لو۔

اپنی زبان کو اپنے معاصرین کے حق میں ہمیشہ سنبھالے

(۳۶) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اپنی زبان کو اپنے معاصرین کے حق میں ہمیشہ سنبھالے (یعنی ان کی برائی نہ کیا کرے اور یہ ایسا عام مرض ہے کہ اس سے بجز معدودے چند درویشوں کے کوئی بچا ہوا نہیں کیونکہ اگر کوئی صراحۃً اپنے معاصی کی

تنقیص نہ کرتا ہوتو وہ کنایۃً وتعریضاً تو ضرور کرے گا اور دونوں کا درجہ ایک ہی ہے کیونکہ (جو شخص تعریضاو کنایۃ تنقیص کرتا ہے) وہ صراحۃً غیبت کرتے ہوئے اس بات سے ڈرتا ہے کہ سننے والے جو شاگرد یا مرید وغیرہ ہیں اس کو غیبت کرتا ہوا دیکھ کر حقیر و ذلیل سمجھیں گے (کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو دوسروں کی غیبت کرتے ہیں پس تعریض کا منشاء بھی دین نہیں بلکہ اپنی جاہ کی حفاظت ہے ۱۲)۔

ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ (جھوٹے) مدعیوں کے بعض عیوب بیان کردیے جائیں تاکہ جو لوگ ان کے طریقہ کا اتباع کرنا چاہتے ہوں وہ اس ارادہ سے رک جائیں جیسا کہ آج کل اکثر مرید ہونے والوں کی عام حالت ہے (کہ وہ جھوٹے مدعیوں کی طرف زیادہ جھکتے ہیں) اور آج کل طریق کی طرف نسبت کرنے والوں میں زیادہ کی حالت تباہ وبرباد ہے (محقق تھوڑے ہیں جھوٹے مدعی زیادہ ہیں) جن پر اہل طریق (کیا زندہ اور کیا مردہ) سب کے سب لعنت کرتے ہیں کیونکہ وہ تصنع اور تکلف اور بناوٹ وسجاوٹ ہی میں رہتے ہیں کبھی عمامہ کی بندش کو دیکھتے ہیں کبھی شملہ کو، کبھی اس کی درستی اور پہننے سے پہلے اور آدمیوں کے سامنے آنے سے پہلے (بار بار) اسی کو دیکھتے ہیں (کہ کہیں خرابی تو نہیں رہ گئی) اور اس کے سوا بہت سی آفات میں مبتلا ہیں جو عام مومنین پر بھی مخفی نہیں رہ سکتیں (اگر وہ بنظر تحقیق غور کریں) پھر ایسا شخص یہ کیوں کر چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے (اور وصول کا دعوی کرے) تو ایسے لوگوں کے عیوب ان لوگوں کے سامنے بیان کرنا جائز ہے جو ان کے طریق میں داخل ہونے کا قصد کرتے یا ان سے اعتقاد پیدا کرنا چاہتے ہیں باقی ایسے لوگوں کے سامنے کسی درویش کی برائی کرنا جو ان کے سلسلہ میں داخل ہونا یا معتقد بننا نہیں چاہتے بالکل حرام اور سخت حرام ہے۔

پس اس سے بہت احتیاط چاہئے کہ اپنے متعلقین کے سامنے خوش طبعی کے طور پر اپنے معاصرین کی مذمت کا دروازہ کھولا جائے اور خیر خواہی یا تنبیہ کا بہانہ کیا جائے۔

جب اس کو سمجھ گئے تو درویش کو اپنے کسی معاصر کے نسبت یوں کہنے سے احتراز کرنا چاہئے کہ فلاں شخص کو تجلیات اور مقامات حاصل نہیں ہوئے جو قوم کے نزدیک سیر فی الطریق کی علامت ہے اگر ہم کو معلوم ہوتا کہ اسے ان امور کا کچھ بھی ذوق حاصل ہے تو ہم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی تنقیص کی اجازت اور گنجائش نہ ہوتی لیکن حق کا اتباع ضروری ہے (اس لئے ہم حق کو واضح کرتے ہیں) پھر اسی قسم کی باتوں سے اپنے بھائی کی غیبت میں مبالغہ کرتا چلا جاتا ہے۔

اور ان وسائس ہی کی وجہ سے تم درویشوں میں صفا و محبت بہت کم پاؤ گے اور بسا اوقات ایک درویش کو دعوت ولیمہ میں مدعو کیا جاتا ہے لیکن جب اس کو یہ معلوم ہوتا کہ دوسرا درویش بھی مدعو ہے تو یہ شرکت سے رک جاتا اور دوسرے کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے اور ان لوگوں کی وجہ سے مخلوق ہمیشہ بلاؤں میں گرفتار رہتی ہے اگر جانور (دنیا میں) نہ ہوتے تو لوگوں کو بارش کا قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! کیا نیک بندوں کے ہوتے ہوئے بھی ہم (عذاب سے) ہلاک ہوں گے فرمایا کہ ہاں۔ اے عائشہ! جب خباثت بڑھ جاتی ہے تو عذاب نیک و بد سب کو عام ہو جاتا ہے اھ۔

پس ان (جھوٹے) دعوے کرنے والوں کو لوگوں کے ساتھ استسقاء وغیرہ میں نکلنے سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ بعض دفعہ ان کی وجہ سے دعاء کی قبولیت میں توقف ہو جاتا ہے اس لئے کہ ان کے باطن میں دعوی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ منازعت (اور مقابلہ) ہے خصوصاً جب کہ ان کا گمان یہ ہو کہ مخلوق کو ہماری ہی وجہ سے بارش نصیب ہوئی اور ہم تمام حاضرین میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقرب ہیں اور اسی لئے وہ دعاء کے لئے سب سے آگے بڑھتے ہیں حالانکہ طلب حاجات کے لئے وہ لوگ بلائے جانے چاہئیں جن کے قلوب منکسر اور شکستہ ہیں اور ان مدعیوں کے قلوب تو پتھر

سے بھی زیادہ سخت ہیں خصوصاً اگر سلطان ان میں سے کسی خاص شخص کے پاس دعاء استسقاء کی درخواست بھیجے (اس وقت تو ان کے تکبر کی کچھ انتہا نہیں رہتی) خوب سمجھ لو۔

اور جان لو کہ کشف پر بھروسہ کرنا جائز نہیں جو کہ محسوس ہوتا ہے تو ایسی خوابیں دیکھنے پر بھروسہ کیوں کر جائز ہے جن سے تم کو اپنے معاصرین میں ممتاز و بلند ہونا معلوم ہوا ہے (بھلا خواب بھی کوئی حجت ہے جس سے آدمی اپنے کو مقرب اور بلند سمجھنے لگے بلکہ سالک کا تو یہ مذاق ہونا چاہئے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم   چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم ۱۲)

پس لوگوں کی اس بات سے کبھی خوش نہ ہونا کہ فلاں شخص کو فلاں بزرگ سے (یعنی تم سے) نفع حاصل ہو رہا تھا پھر وہ ان سے بدل کر دوسرے شخص کے پاس چلا گیا اور وہاں اس کو اتنے سال ہوگئے مگر حالت میں کچھ بھی تغیر نہیں اور نہ کچھ تجلیات اس کو نظر آئیں کیونکہ ایسی باتوں سے خوشی ہونا سم قاتل ہے اور اگر تم خود اس بات کو اپنی زبان سے اپنے مریدوں کے سامنے صاف صاف کہو تو اس (کے ضرر) کا تو کیا پوچھنا اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلا سے بچائے۔ امین۔

جب شیخ کی طرف سے تلقین ذکر کی اجازت ملے تو ہوشیار رہے

(۳۷) اور درویش کی شان یہ ہے کہ جب اس کو شیخ کی طرف سے تلقین ذکر کی اجازت ہو تو ہوشیار رہے کہ اس کے پیر بھائی یا مریدین اس کو نصیحت کرنا نہ چھوڑ دیں کیونکہ جب وہ ان سے یہ بات ظاہر کرے گا کہ مجھے تلقین کی اجازت مل گئی اور اب میں مریدین و سالکین کی تربیت کے قابل ہوگیا ہوں تو اس کے پیر بھائیوں یا مریدوں میں کوئی اس کو نصیحت کرنے کی جراءت نہ کرے گا، خصوصاً اگر ہر وقت سر جھکائے رہنے اور گریبان میں منہ ڈالے رکھنے سے معتقدین کے قلوب میں اس کی عظمت و ہیبت بھی قائم ہوگئی ہو اور اس کے علاوہ دوسرے اسباب بھی ہوں جن سے ہیبت قائم ہوتی ہے

خواہ ان کے اختیار کرنے میں یہ سچا ہو یا متصنع ہو۔ جب اس کو سمجھ گئے تو درویش کو چاہئے کہ اپنے دوستوں اور مریدوں سے درخواست کیا کرے کہ (اگر مجھ میں کوئی بات خلاف شریعت وطریقت دیکھو تو) مجھے نصیحت کر دیا کرو اور اس بارے میں ان سے اصرار کرے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کا امتحان کرنا چاہا اور فرمایا کہ اگر میں سیدھے راستہ سے ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم کیا کرو گے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہم تلوار سے تمہارا سر جدا کر دیں گے۔ اس جواب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہاں تم کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

پس شیخ ناقص کو اپنے مریدوں کے سامنے ایسی باتیں کرنے سے احتراز کرنا چاہئے ''کہ جو مرید اپنے شیخ کے ان افعال کو جو ظاہر میں برے معلوم ہوتے ہیں شریعت کی موافقت پر محمول نہ کرے اور ان میں تاویل کر کے اچھے محمل پر حمل نہ کرے اس کو کچھ حاصل نہ ہوگا'' یہ بات منہ سے نکالنا اولیاء کاملین ہی کو زیبا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے سچے وارث ہیں اور جو شخص ان کے درجہ کو نہ پہنچا ہو اسے کب جائز ہے کہ ایسی باتیں کہہ کر اپنے اوپر دوستوں کی نصیحت کا دروازہ بند کرے حالانکہ وہ وساوس وعیوب سے پاک ہونے کا محتاج ہے اور اگر کاملین سابقین میں سے کسی نے یہ بات کہی بھی ہو تو اس سے مقصود مریدوں کی مصلحت تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے پاس حجت واضحہ رکھتے ہیں جس کے ساتھ ان کے احوال کی شہادت بھی ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے مورث ہی کے قدم پر چلتے رہتے ہیں تو ان کا اپنے مریدوں کو یہ امر کرنا زیبا تھا کہ ان کے تمام حالات کو شریعت کی موافقت پر محمول کریں۔

لیکن جس شخص کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہو وہ اپنے مریدوں کو کیسے حکم کرتا ہے کہ اس کے تمام افعال کو شریعت کی موافقت پر محمول کریں (اور اس کے سب کاموں میں تاویل کیا کریں اور اس طرح اپنے آپ کو کلمۂ خیر اور نصیحت سے محروم کر دے اور (متقدمین میں سے کسی سے اگر یہ بات ثابت بھی ہو تو) اس حال کو ان اولیاء عارفین کے حال سے

کیا نسبت جو اپنے تمام احوال کو نفاق سے اور تمام افعال کو ریاء سے متہم سمجھتے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا اس شخص پر رحم کرے جو مجھے میرے عیوب پر مطلع کر دے اور حضرت عمر بعض دفعہ حضرت حذیفہ بن الیمان کے مکان پر جاتے اور ان سے کہتے کہ اے حذیفہ تم رسول اللہ ﷺ کے راز دار ہو اور منافقین کو پہچانتے ہو اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ حیات ہی سے ان کو جانتے ہو تو تم دیکھو کہ میرے اندر نفاق تو نہیں اگر ہو تو مجھے بتلا دو، وہ جواب دیتے کہ اے امیر المومنین بخدا میں آپ کے اندر نفاق بالکل نہیں پاتا اس پر حضرت عمر فرماتے کہ تم غور کرو اور اچھی طرح تامل کرو پھر حضرت حذیفہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دیر تک روتے رہتے یہاں تک کہ دونوں بے ہوش ہو جاتے حضرت حذیفہ کو تو حضرت عمر کی اس بات پر رونا آتا اور حضرت عمرؓ اس خوف سے روتے کہ شاید میرے اندر کچھ نفاق خفیف سا ہو جو مجھے اور حضرت حذیفہؓ کو محسوس نہ ہوتا ہو۔

تو دیکھو حضرت عمرؓ باجود یہ کہ ان کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کا ان سے راضی ہونا قطعی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے جنتی ہونے کی شہادت بھی موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے "لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونك تحت الشجرۃ۔ الآیۃ"[1] ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہو گئے جب کہ وہ شجرہ حدیبیہ کے نیچے آپ سے بیعت کرتے تھے) اور حضرت عمر بھی بے شبہ بیعت رضوان میں موجود تھے اس پر بھی وہ اپنے نفس کو نفاق سے متہم سمجھتے تھے۔ جب حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا تو ہم جیسوں کا تو کیا حال ہونا چاہئے۔ نسال اللہ العافیة۔

قطب ربانی سید احمد رفاعی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے خواطر وواردات کو ہمیشہ متہم نہ سمجھے وہ مردان طریق کے دفتر میں نہیں لکھا جاتا (یعنی وہ اولیاء

[1] سورۃ فتح: ۸۱

میں شمار نہیں کیا جاتا) وباللہ التوفیق۔

اگر کوئی شخص بغیر تعظیمی القاب کے شیخ کا نام لے تو اس سے مکدر نہ ہو

(۳۸) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اگر کوئی اس کو صرف اس کا نام لے کر پکارے اور سیادت اور مشیخت (کے مناسب کوئی تعظیم) کا لفظ نہ بڑھائے تو اس سے مکدر نہ ہو نہ اس پر غصہ کرے کیونکہ (صرف نام سے پکارنا) یہ سچی اور صحیح بات ہے جس میں کچھ بھی جھوٹ نہیں بخلاف سید اور شیخ کہنے کے (کہ اس میں کذب کا احتمال ہے) ممکن ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے نزدیک سید اور شیخ نہ ہو تو (اس حالت میں) تم کو سید اور شیخ کہنے والا کذب میں مبتلا ہو جائے گا۔

پس شیخ کو تو یہی چاہئے کہ اپنے متعلق ہمیشہ یونہی سمجھتا رہے (کہ شاید میں خدا تعالیٰ کے نزدیک بزرگ اور سید نہ ہوں) اور جو شخص اس کی تعظیم نہ کرے اس کے فعل کو اسی پر محمول کرے (کہ اس نے کذب سے بچنے کے لئے تعظیمی الفاظ استعمال نہیں کئے) رہا مرید (اور شاگرد) وہ تو شیخ کے ساتھ ادب (و تعظیم) ہی (کے برتاؤ) کا مامور ہے پس وہ شیخ کو صرف نام لے کر کبھی نہ پکارے۔ بلکہ سیادت و مشیخت وغیرہ (کے مناسب تعظیمی) الفاظ سے پکارے۔ نیز بُرے القاب سے بھی نہ پکارے گو وہ القاب سچے ہی ہوں (جیسے اعمش واعرج واعمی وغیرہ) اس کو خوب سمجھ لو۔

ایسی بات بیان نہ کرے جس میں اپنے نفس کی حمایت ہو

(۳۹) اور درویش کی شان یہ ہے کہ جب اس پر بکاء اور خشیت طاری نہ ہو تو ایسی باتیں بیان نہ کرے جن میں اپنے نفس کی حمایت (اور طرف داری) ہو مثلاً یہ کہ بکاء اور رقت ناقصین پر طاری ہوا کرتی ہے کاملین کسی کلام کے سننے سے متاثر نہیں ہوا کرتے اور نہ ان پر احوال کا غلبہ ہوتا ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کرنے لگے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو قرآن سن کر رو رہا تھا تو فرمایا:

کبھی ہم بھی ایسے ہی تھے یہاں تک کہ ہمارے دل سخت ہو گئے اھ۔

اور حضرت جنیدؒ کے قول کو بیان کرنے لگے کہ ایک دفعہ سماع سے سب لوگ حرکت میں آگئے اور حضرت جنیدؒ سکون کے ساتھ بیٹھے رہے لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا "وتری الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مرالسحاب "[1] (تم پہاڑوں کو دیکھ کر یہ سمجھو گے کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے یعنی نفخ صور کے وقت۔ مطلب یہ تھا کہ میری بھی یہی حالت ہے کہ ظاہر میں ساکن ہوں اور باطن میں متحرک ہوں)۔

اور اسی قسم کے بہت سی حکایتیں ہیں (ان کو اپنے نفس کی حمایت کے لئے بیان نہ کرنا چاہئے) کیونکہ اول تو یہ ان حضرات کے مقام پر نہیں ہے جن کی حکایتیں بیان کر رہا ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو کیا اور حالتوں میں بھی یہ ان کے ساتھ تھا (یا صرف گریہ اور رقت طاری نہ ہونے ہی میں ان کے ساتھ ہے)۔

اور جو شخص تامل سے کام لے گا اس کو معلوم ہوگا کہ عارفین پر زیادہ تر گریہ اور خوف ہی غالب رہا ہے یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کاش میں ایک پرندہ یا تنکا ہوتا۔ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کاش مجھے میری ماں نے نہ جنا ہوتا اور حضرت سیدتنا عائشہؓ فرماتی ہیں کاش میں ملیا میٹ ہو جاتی (کہ مجھے کوئی بھی نہ جانتا) اور فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی نبی مرسل یا فرشتۂ مقرب پر رشک نہیں ہوتا کیونکہ آخرت کے ہولناک مناظر کو وہ بھی دیکھیں گے بلکہ مجھے تو اس شخص پر رشک آتا ہے جو پیدا ہی نہیں ہوا (کہ وہ بہت مزے میں ہے)۔

اور ایک شخص سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کے بالاخانہ کے نیچے رات کو لیٹ گیا تھا اس کے اوپر (بالاخانہ کے پرنالہ سے) پانی گرنے لگا جس کا کچھ سبب سمجھ میں نہ آیا کیونکہ آسمان بالکل صاف تھا جس میں بادل کا نشان بھی نہ تھا وہ بالاخانہ کی چھت پر

---

[1] النمل:۸۸

چڑھا تو دیکھا کہ سیدنا عمر بن عبد العزیز سجدہ میں پڑے ہوئے رو رہے ہیں اور ان کے آنسو پرنالہ سے بہہ کر زمین پر گر رہے ہیں۔ تو کیا وہ ناقص تھے اور تم کامل ہو۔ پس سمجھ سے کام لو اور (ادب اختیار کرو کیونکہ) ادب میں بڑی خیر ہے۔

اور خبردار اولیاء سابقین میں سے کسی کے کلام میں تلوین کو دیکھ کر ان کا برائی سے ذکر نہ کرنا جیسے سیدی عمر بن فارض اور سیدی محی الدین (ابن عربی) وغیرہم کیونکہ ان حضرات نے جو کچھ آگے بھیجا تھا اس پر پہنچ گئے یہ ایک جماعت ہے جو گذر چکی (ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کمایا اور تم سے ان کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا بلکہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال ہوگا۔ پس اپنی خبر لو دوسروں کے پیچھے کیوں پڑتے ہو)۔

علاوہ ازیں یہ کہ جو شخص یوں کہتا ہے کہ سیدی ابن فارض یا ابن عربی اصحاب تلوین میں سے تھے اس نے تو خود اس تلوین کا بھی مزہ نہیں چکھا جس کی وجہ سے ان کو ناقص کہتا ہے تمکین تو دور رہی پس زیادہ تر جو لوگ ایسی باتیں بناتے ہیں وہ محض تقلید کی بناء پر یہ باتیں کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے محققین صوفیہ کی کتابوں میں جیسے رسالہ قشیریہ وغیرہ ہے یہ مضمون دیکھ لیا کہ تلوین ناقصین کو ہوا کرتی ہے مگر ان کا مطلب نہیں سمجھے کیونکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ تلوین بدون تمکین کے ناقصوں میں ہوتی ہے اور ان کے نزدیک کامل وہ ہے جس کو تلوین میں تمکین حاصل ہو جائے ورنہ اگر یہ مراد نہ ہو تو حق تعالیٰ شانہ ہر دن نئی شان میں نہ ہوتے۔ پس مرد کامل وہ ہے جو ہر سانس میں اپنے انقلابات سے واقف ہو۔ اور جس شخص کو ہر سانس میں اپنے اندر اور دوسروں کے اندر اختلاف آثار حق (اور انقلابات شیون الٰہیہ) کی خبر نہ ہو اس کو معرفت الٰہی کچھ بھی حاصل نہیں نہ وہ خدا کو جانتا ہے نہ اپنے کو نہ دوسروں کو (بلکہ نرا جاہل ہے)۔

پس سمجھ سے کام لو اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ادب کو لازم سمجھو کیونکہ تیرا ان پر اعتراض کرنا تیرے بے ذوق ہونے کی دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس

اعتراض سے فائدہ ہی کیا ہے کیونکہ جو لوگ عالم آخرت میں پہنچ گئے ہیں اب وہ استفادہ کے قابل نہیں رہے (کہ ان سے فیض حاصل کیا جا سکے) تو اب تمہارا کلام اس پر محمول نہیں ہو سکتا کہ تم طالبان سلوک کے لئے ان کے مراتب و مقامات کو ظاہر کرنا چاہتے ہو (تاکہ وہ ناقصین سے استفادہ نہ کریں) اور (جب یہ مطلب نہیں ہو سکتا تو) اب تمہارے اس کہنے کا کیا حاصل ہے کہ فلاں ولی ناقص تھا (اور فلاں تلوین میں تھا اب اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں کیونکہ وہ جیسا کچھ بھی تھا پہلے تھا اس وقت اس کے نقصان کو ظاہر کرکے تم کس کو ان سے روکنا چاہتے ہو)۔

جب یہ بات سمجھ چکے تو جان لو کہ تمہارا نہ رونا خود تمہارے ناقص اور قاسی القلب ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ویخرون للاذقان یبکون و یزیدھم خشوعا"[1] صحابہؓ کا اور رسول اللہ ﷺ کا تو یہی حال تھا (کہ آیات الٰہیہ کو سن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور وہ رونے لگتے تھے) اور اس کے خلاف جو سلف سے کچھ منقول ہے وہ حالت نادرہ ہے جو کسی وقت میں ان کو پیش آتی تھی (غالب حالت ان کی یہی تھی کہ وہ آیات کو سن کر رو یا کرتے تھے، لیکن ناقصین کی عادت ہے کہ وہ اپنے نفس کی حالت کو دیکھ کر اپنے مناسب اور اپنی حالت کے موافق حکایات سلف سے استدلال کیا کرتے ہیں جو کبھی کسی بزرگ کو عمر بھر میں ایک دو دفعہ پیش آئی ہیں کیونکہ اگر یہ ان کی غالب حالات کو بیان کریں تو ان سے خود ان ناقصین کے اوپر حجت قائم ہو جائے گی۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

اپنے نیک اعمال پر کبھی بھروسہ نہ کرے

(۴۰) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اپنے نیک اعمال پر کبھی بھروسہ نہ کرے اور جن میں نفس کی آمیزش ہو ان کا تو کیا پوچھنا اور میں نے ایک یہودی کو سنا کہ وہ دوسرے

---

[1] الاسراء: ۹-۱۔ یہ آیت سجدہ کی ہے جو صاحب پڑھیں سجدہ ضرور کرلیں۔ ۱۲ مدیر

سے کہہ رہا ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ نیک اور بھلائی کا گمان کبھی نہ کرنا اور اس کو کسی حالت اور کیفیت سے مانوس نہ ہونے دینا کیونکہ جس چیز میں نفس کی آمیزش ہو اس سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوسکتا اھ۔ جب یہودی بھی اس سے منع کرتے ہیں (جن کے مجاہدات و اعمال بوجہ کفر کے ھبـــاءً ومـنـثـورًا ہیں) تو بتلاؤ ہمارا تو کیا حال ہونا چاہئے "نسال اللّٰه تعالى العافية"۔

اور عزیز من! آج کل مشائخ میں ایک دوسروں کو نصیحت کرنے کا طریقہ گویا نہیں رہا کوئی کسی کو بھی نصیحت نہیں کرتا باوجودیکہ اس کو دوسرے کے وسائس نفس پر اطلاع بھی ہے (اور جانتا ہے کہ اس میں تکبر یا عجب یا ریاء وحسد کا مادہ ہے) اور ناقصین کو تو اکثر یہ خوف مانع ہوتا ہے کہ اگر ہم نے دوسرے کو نصیحت کی تو وہ بھی نصیحت کا دروازہ کھولے گا (اور آئے دن ہم کو نصیحت کیا کرے گا) جس سے بزعم خود دونوں کی مشیخت و بزرگی کرکری ہو جائے گی کیونکہ ہر ایک کے مرید یہ گمان کریں گے کہ اگر ان بزرگ میں کوئی نقص نہ ہوتا تو دوسرا ان کو نصیحت کیوں کرتا اور سلف صالحین کی تو یہ حالت تھی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت کیا کرتے اور بعض خط و کتابت کے ذریعہ سے ایک دوسرے پر اعتراض اور گرفت بھی کرنے اور کبھی کبھی دھمکی اور عتاب سے بھی کام لیتے تھے اور اس برتاؤ سے ایک دوسرے کو فرحت و سرور ہوتا تھا (رنج و ملال پاس بھی نہ آتا تھا)۔

جب یہ بات سمجھ گئے تو اب تم کسی کو نصیحت سے نہ چھوڑنا اگر چہ تمہارے معتقدین کی نظروں میں تمہاری عزت پاش پاش ہی کیوں نہ ہو جائے اور تمام لوگ تم کو ملامت ہی کیوں نہ کریں (مگر یہ ضروری ہے کہ اول آداب نصیحت سیکھ لو اور امر بالمعروف کا طریقہ معلوم کرلو ورنہ بجائے نفع کے نصیحت سے دوسرے کو نقصان پہنچے گا اور بجائے اصلاح کے فساد ہوگا اور سب سے پہلی شرط نصیحت کے لئے خلوص ہے کہ دوسرے کو محض خیر خواہی اور دل سوزی سے نیک راہ بتادی اپنے کو افضل اور اس کو حقیر سمجھ

کر نصیحت نہ کرے بقیہ آداب احیاء العلوم میں ملاحظہ ہوں)۔

اور عزیز من ! تم کو اپنی نسبت یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ میں تو صرف عوام کے نزدیک درویش ہوں۔ فقراء صادقین کے نزدیک میرا کچھ بھی درجہ نہیں اور (سمجھ لو کہ) آدمیوں میں بہتر وہ ہے جو گمنام ہو کہ اپنے نام کو اہل مشیخت کی فہرست ہی سے مٹا چکا ہو کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ فقر اسی وقت تک نور ہے جب تک فقیر اس کو چھپاتا رہے (اور جس نے ظاہر کرنے کا قصد کیا اس کے پاس ظلمت کے سوا کچھ نہیں رہتا، ہاں اگر کسی کو اللہ تعالیٰ چمکا دیں باوجودیکہ وہ اپنے کو چھپانا ہی چاہتا تھا تو یہ نعمت موہوبہ ہے، اس سے نور میں کمی نہیں ہوتی بلکہ ترقی ہوتی ہے ۱۲)۔

اور عزیز من ! اگر کبھی تم اپنے ناقص الحال دوستوں میں سے کسی سے ملو تو خبردار اس سے اپنے واقعات وحالات یا خواب وکشف وغیرہ کا تذکرہ کبھی نہ کرنا اور نہ اس پر اپنی فضیلت وفوقیت کا اظہار کرنا کیونکہ اس طرح تم اس کی حالت کو مکدر کردوگے، بلکہ تم کو چاہئے کہ اس سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرو (تاکہ وہ یہ سمجھے کہ تم اس کے معتقد ہو) پھر تعریض وکنایہ کے پیرایہ میں لطافت کے ساتھ چپکے چپکے اس کو نصیحت کرو (اور کلام کا رنگ وہ اختیار کرو کہ) گویا تم اس سے سیکھنا اور مستفید ہونا چاہتے ہو اور خبردار ! اس پر کسی بات سے یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ تم اس کے سامنے اپنی مشیخت جتلانا چاہتے ہو کیونکہ اس طرح اس کا نفس برافروختہ ہوجائے گا، پھر تمہاری بات سے اس کو کچھ نفع نہ ہوگا خصوصاً اگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ میرے مرید بھی اس بات کو تاڑ گئے ہیں (کہ تم ان کے پیر کو وعظ ونصیحت کرنے آئے ہو۔ یہ تو دوسروں کو نصیحت کرنے کے آداب تھے)۔

اور عزیز من ! (اگر تم کو کوئی شخص نصیحت کرے تو) خبردار ! اس کے متعلق جس نے تم کو نصیحت کی ہے یوں باتیں نہ بنانا کہ فلاں نے ہم کو ایک بات کی نصیحت کی ہے، مگر وہ غریب معذور ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ درویش اس کی نصیحت کے محتاج ہیں

حالانکہ درویشوں کو تو حق تعالیٰ نے نفسانی کدورتوں سے پاک صاف کر دیا ہے بلکہ اس نصیحت کے محتاج علماء (ظاہر) اور عوام ہیں اور فقراء میں تو بعض ایسے ہیں جو شیطان کو اور اس کے لشکروں کو جانتے بھی نہیں (کہ یہ کس کھیت کے بتھوے ہیں اور کہاں رہتے ہیں کیونکہ وہ ان کے پاس ہی نہیں آسکتے) تم اس قسم کی باتیں ہرگز نہ بنانا کیونکہ اس میں مخلوق کو یہ بتلانا ہے کہ جس عیب کی وجہ سے تم کو نصیحت کی گئی تھی اور جو بات تمہاری طرف منسوب کی گئی تھی گویا تم اس سے خالی اور پاک صاف ہو۔ نیز اس میں اپنے نفس کی نصرت وحمایت بھی ہے کہ تم نے اپنے کو ان درویشوں میں داخل کر لیا جن کو تم مدح وثنا کر رہے ہو اس کو سمجھ لو اور اپنی طرف سے کوئی جواب نہ دو (بلکہ خاموش ہو کر سب کی نصیحت سن لیا کرو) گو واقع میں تم اس عیب سے پاک ہی ہو جس کی بنا پر دوسرا تم کو نصیحت کر رہا ہے۔

اور خبردار! کسی کی نصیحت سے تمہارے نفس میں جوش نہ پیدا ہونے پائے کہ تم اس کی بات کے جواب میں ایک رسالہ تصنیف کر ڈالو جس میں بعض ناقص درویشوں کے اقوال واحوال جمع کئے جائیں (کہ فلاں درویش نے بھی وہ بات کہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں اور ان سے بھی وہ افعال سرزد ہوئے ہیں جو مجھ سے ہوئے ہیں ۱۲) کیونکہ اس میں اپنے نفس کی حمایت ہے اور اس کا وبال تم پر ہی لوٹے گا کیونکہ تم نے اپنے نفس کے ساتھ خیانت کی (کہ باوجود صدہا عیوب کے تم نے اس کو پاک وصاف ظاہر کرنا چاہا) خوب سمجھ لو۔

اور خبردار! اپنے ناصح کی نسبت یہ بات بھی نہ کہنا کہ اس کی نصیحت کا منشا (خلوص نہیں بلکہ) اس بات پر رشک ہے کہ اس کے پاس لوگوں کا اس درجہ اجتماع نہیں جتنا میرے پاس ہے اور نہ اس سے استفادہ کرنے والے اس قدر ہیں جتنے مجھ سے مستفید ہیں تو وہ مجھے نصیحت کر کے اس دروازہ کو بند کرنا چاہتا ہے (تاکہ اس بہانہ سے مخلوق کو میرے پاس آنے سے روک دے) کیونکہ یہ بات تو اس کی قدرت سے باہر

ہے کہ بدون کسی تدبیر وحیلہ کے مخلوق کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرے۔

اور خبردار! یوں بھی نہ کہنا کہ یہ بات میرے قبضہ میں نہیں (کہ میں مخلوق کے دل اپنے سے پھیر دوں اور اس کی طرف مائل کردوں) اگرچہ فی نفسہ یہ بات صحیح ہے مگر اس سے باطل کا قصد کیا گیا ہے (حقیقت کا قصد نہیں کیا گیا کیونکہ اس وقت ان باتوں سے بجز شفاء غیظ کے یا اپنی مدح کے تمہارا کچھ قصد نہ ہوگا ۱۲)

اور خبردار! یوں بھی نہ کہنا کہ جب حق تعالیٰ کسی بندہ کو مخلوق کی نفع رسانی کے لئے مقرر کرتے ہیں اس کی محبت قلوب میں ڈال دیتے ہیں چاہے حاسد کتنی ہی ناک رگڑیں کیونکہ ان باتوں سے نفس خوش ہوتا ہے اور یہ زہر قاتل ہے۔ نیز اس میں اپنی تعریف بھی ہے کہ گویا تم نے اپنے کو ان لوگوں میں داخل کیا جو مخلوق کی نفع رسانی اور بندوں کی اصلاح کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور تم رسول اللہ ﷺ کے نائب ہو اور اگر تم نظر بصیرت سے دیکھو اور غور کرو تو ایک باورچی اور پھل بیچنے والے کو بلکہ ایک تیلی اور کاشتکار اور کھیتی کاٹنے والے کو مخلوق کے لئے اپنے سے زیادہ نفع رسان پاؤ گے اور اس میں سوائے (دل کے) اندھے کے اور کوئی شک نہ کرے گا اور جو شخص بھوک کے وقت یا ننگے پیر ہونے کی حالت میں ایک روٹی اور شوربا یا جوتا ملنے کی منفعت میں غور کرے، پھر ان باتوں کے نفع کو دیکھے جو وہ اپنے پاس بیٹھنے والوں کے سامنے کیا کرتا ہے تو وہ میری بات کے صحیح ہونے کی تصدیق کرے گا (اور اقرار کرے گا کہ واقعی باورچی اور کاشتکار وغیرہ مجھ سے زیادہ خلق اللہ کو نفع پہنچا رہے ہیں)۔

کیونکہ ان پیشوں[1] ہی سے وجود عالم کا قیام ہے پس یہ پیشے والے بہت بڑی

[1] یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ذکر اللہ وعبادت الٰہیہ سے بھی تو عالم کا قیام ہے۔ پھر یہ پیشہ والے درویشوں سے زیادہ نافع کیونکر ہوئے؟ کیونکہ علامہ اس مقام پر ناقصین کو تنبیہ فرمارہے ہیں اور واقعی ناقص درویشوں سے تو یہ پیشہ والے ہی زیادہ نفع رسان ہیں کیونکہ ناقصین کی باتوں سے مخلوق کی اصلاح خاک نہیں ہوتی نہ ذکر اللہ وعبادت الٰہیہ میں ترقی ہوتی ہے۔

خیر کا کام کر رہے اور مخلوق کو بڑا نفع پہنچا رہے ہیں اور کمال یہ کہ اس کے ساتھ وہ اپنے کو حقیر و ذلیل بھی سمجھتے ہیں اور علماء ان کو جاہل بے وقوف گدھا کہیں تو ان سب باتوں کو تحمل سے سنتے ہیں، بلکہ ڈرتے ہیں کہ (عالم کی خفگی سے) کہیں ہم پر بلاء نازل نہ ہو جائے۔

اور عزیز من! اگر مریدوں کے مجمع کی کثرت سے ہی آدمی شیخ و بزرگ بن جایا کرے تو بازی گر (اور دھوکہ باز، کیمیا گر) سب سے پہلے بزرگ اور شیخ ہونا چاہئے (کیونکہ ان کے پاس سب سے زیادہ شاگردوں کا مجمع ہوتا ہے) چنانچہ میرے بعض دوستوں نے ایک بازی گر کے حلقہ کی شمار کی تو اس میں تین سو سے زیادہ آدمی موجود تھے کہ اتنی مقدار کوئی شیخ بھی اپنی مجلس ذکر میں جمع نہیں کر سکتا ہاں کوئی خوشی کی تقریب ولیمہ وغیرہ ہو تو اور بات ہے پس یہ سب دھوکہ کی چیزیں ہیں۔ خوب سمجھ لو۔

اور خبردار! اپنی نسبت یہ بات کبھی نہ کہنا کہ فلاں شخص کو مجھ سے نفع ہوا ہے کیونکہ ان باتوں میں تمہاری ہلاکت ہے اور جب تک تم اپنے گرد جمع ہونے والے آدمیوں کے تعلق کو ویسا ہی اپنے ساتھ نہ سمجھو جیسا کہ بازار والوں اور دوسرے شیخ کے مریدوں کے تعلق کو اپنے ساتھ سمجھتے ہو اس وقت تک تم دھوکہ[1] اور فتنہ میں مبتلا ہو، کیونکہ تم ہدایت خلق میں اپنا کچھ دخل سمجھتے ہو اور اگر چہ وسائط و آلات کا ہونا ضروری اور لابدی ہے لیکن (اپنے کو واسطہ و آلہ سمجھنا) یہ ایسی بات ہے جس کے ساتھ انسان کی عقل وفہم

(**بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ**) رہے کاملین تو ان سے یہاں بحث نہیں وہ البتہ سب سے زیادہ نفع رسان ہیں اور وجود عالم انہی کے وجود سے قائم ہے ۱۲ مترجم

[1] (مطلب یہ ہے کہ دوسرے شیخ کے مریدوں یا بازار کے تاجروں کی بابت تمہارا خیال ہے کہ ان کو مجھ سے کچھ فیض نہیں پہنچا۔ اس طرح اپنے مریدوں کو سمجھنا چاہئے کہ ان کو بھی مجھ سے کچھ فیض نہیں ہوا جو کچھ ہوا ہے بلا واسطہ محض فضل حق سے ہوا یا ان کے حسن ظن کی برکت سے ہوا اھ اور اگر تم نے دونوں میں کچھ فرق کیا اور یہ سمجھا کہ ان کو تو مجھ سے فیض ہوا ہے اور ان کو نہیں ہوا تو یقیناً تم دھوکہ میں ہو۔

غائب ہو جاتی ہے (کہ بعض دفعہ آلہ اور واسطہ ہونے کی حیثیت محض برائے نام لفظ ہی کے درجہ میں ہوتی ہے اور دل میں یہ مضمون ہوتا ہے کہ مجھ سے یہ نفع ہوا اور مجھ سے اتنا فیض ہوا اور میں نے اتنے آدمیوں کو کامل بنا دیا وغیرہ وغیرہ) پس خوب سمجھ لو اور ان بلاؤں سے بچنے کا پورا اہتمام کرو)۔

صرف درویشوں کی صورت بنانے پر اکتفا نہ کرے

(۴۱) اور درویش کی شان یہ ہے کہ درویشوں کی صورت بنانے اور ان جیسا لباس پہننے اور عمامہ کا شملہ چھوڑنے اور دعوتیں کھانے پر اکتفا نہ کرے (اور محض ان باتوں سے اپنے کو درویش نہ سمجھنے لگے) اور دل میں یوں نہ کہے کہ جب سے لوگ تیرے معتقد ہوئے اور مرید بڑھ گئے اس وقت سے تو بڑی خیر و برکت میں ہے پھر (اس کی یہ حالت ہو کہ) جس قدر مریدین و معتقدین کا مجمع بڑھتا چلا جائے اتنا ہی یہ دھوکہ میں ترقی کرتا رہے اور اس پر خدا کا شکر بھی کرتا رہے (کہ میرے بہت لوگ معتقد ہیں) اور جب معتقد کم ہو جائیں تو اس کے دل میں انقباض اور گھٹن پیدا ہو اور باطن قلب میں خدا تعالیٰ پر اعتراض ہو (اور اس حالت کا بدترین حالات ہونا ظاہر ہے جو خدا کی طرف نہیں بلکہ انسان کو شیطان کی طرف لے جاتی اور جہنم سے قریب کرتی ہے) بلکہ ان باتوں میں سے کسی پر بھی ذرہ برابر التفات نہ کرنا چاہیے۔

پس درویش کی شان یہ ہے کہ وہ ظاہراً و باطناً بالکل حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور انواع و اقسام کی عبادات و طاعات سے اسی کا قرب طلب کرے وہ اپنی ان ظاہری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس کا مطلب یہ نہیں کہ اپنے احباب اور مریدوں سے طبعی تعلق میں بھی بہ نسبت دوسروں کے فرق نہ ہو۔ طبعی تعلق میں فرق ہونے کا مضائقہ نہیں کیونکہ جو شخص زیادہ ملتا ہے اور بار بار اپنے پاس آتا ہے اس کے ساتھ انس و محبت کا بڑھنا اور جو بالکل نہ ملے یا کم ملے اس سے محبت کم ہونا طبعی امر ہے اور شرعاً بھی ملاقات و عدم ملاقات کے حقوق میں فرق رکھا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ دونوں میں عقلی فرق نفع و عدم نفع کے لحاظ سے نہ ہونا چاہیے۔ خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم

حالتوں سے بالکل غافل ہوتا ہے (کہ میرا لباس کیسا ہے؟ عمامہ کیسا ہے؟ اور میرا کون معتقد ہے؟ اور کون معتقد نہیں؟)۔

دیکھو یہ دنیوی بادشاہوں کے درباری جس وقت بادشاہ کے سامنے دربار میں بیٹھتے ہیں اس وقت ان کو اپنی ظاہری حالت پر کچھ بھی نظر نہیں ہوتی نہ وہ دربار میں جا کر عمامہ کو دیکھ سکتے ہیں نہ کپڑوں کے میلے اور صاف ہونے پر نظر کرتے ہیں نہ اپنے بیٹھنے کے لئے فرش و قالین تلاش کرتے ہیں (نہ اپنے نوکروں اور ملازموں کی کثرت پر اتراتے ہیں بلکہ اس وقت سب اپنے کو لاشے اور ناچیز سمجھتے ہیں) اور جن چیزوں پر ناواقفوں کو نظر ہوتی ہے (جو دربارشاہی کی جلالت سے واقف نہیں) ان کو ان پر نظر نہیں ہوتی (تو یہی حالت درویش کی ہونی چاہئے جو احکم الحاکمین کا درباری ہے)۔

اور جاننا چاہئے کہ بندہ کا اپنے اہل وعیال کے حقوق میں مشغول ہونا غفلت میں داخل نہیں کیونکہ یہ حقوق تو خود اللہ تعالیٰ نے اس پر مقرر فرمائے ہیں (تو ان میں حکم الٰہی کی وجہ سے مشغول ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہونا ہے کیونکہ احکام الٰہی کی بجا آوری میں مشغولی عین طاعت میں مشغولی ہے اور طاعت میں مشغول ہونا ہی خدا تعالیٰ کی طرف توجہ ہے اور غفلت یہ ہے کہ بندہ طاعت میں مشغول نہ ہو بلکہ معصیت میں مشغول ہو یا مباحات میں بدون قصد طاعت کے مشغول ہو)۔

اور اسی کی طرف اشارہ ہے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں کہ میرے لئے خدا کے ساتھ ایک خاص وقت ہے جس میں بجز حق تعالیٰ کے کسی کی بھی (میرے دل میں) گنجائش نہیں ہوتی واللہ العظیم۔ اس مقام میں کسی چیز کی (حضور ﷺ کے دل میں) گنجائش نہیں ہوتی نہ اپنے نفس کی نہ اور کسی چیز کی پھر (دوسرے اوقات میں) اس مقام سے اپنے اہل وعیال کی طرف رجوع کرنے کی بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی ہے (اس وقت آپ ﷺ سب اہل حقوق کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ تھی) کیونکہ اس مقام سے توجہ الی الخلق کی طرف حق تعالیٰ ہی آپ کو

لوٹاتے تھے کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ پر اہل حقوق کی طرف متوجہ ہونا بھی فرض کیا تھا۔

اور تم (اس جگہ یہ شبہ نہ کرنا کہ پھر حضور ﷺ میں اور دوسرے عارفین میں کیا فرق ہوا وہ بھی اہل حقوق کی طرف امر الٰہی سے متوجہ ہوتے ہیں اور حضور ﷺ بھی اسی لئے متوجہ ہوتے تھے۔ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی اور دوسروں کی توجہ الی الخلق میں زمین وآسمان کا فرق ہے حضور ﷺ توجہ الی الخلق کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ رکھتے تھے گو اس درجہ کی نہ ہو جو خاص وقت میں ہوتی تھی اور عارفین کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف اس حالت میں ناقص ہوتی ہے کامل نہیں ہوتی خوب سمجھ لو اور) حق تعالیٰ کے ارشاد میں غور کرو وَيَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا [1] کہ قیامت کے دن ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر پہنچائیں گے اور تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو پہنچایا جائے گا جو ان کے پاس نہ ہو (بلکہ دور ہو بس متقین خواہ وہ کسی درجہ کے متقی ہوں ایک حالت غیبت کی ضرور ہوتی ہے بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ ان کو کسی حال میں حضرت حق سے غیبت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم)

اپنے متعلقین کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرے

(۴۲) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اس کو ان لوگوں کے ساتھ شفقت ہو جو اس کے پاس رہتے (اور اس سے تعلق رکھتے) ہیں اور جو چیز ان کے قلوب کو متغیر کرنے والی ہے ان کو اس میں مبتلا کرنے کا سبب نہ بنے۔ پس اپنے متعلقین ومریدین کو دعوتوں میں ساتھ لے جانے سے احتراز کرے جب تک کہ دعوت کرنے والوں کی طلب صادق (اور محبت) ظاہر نہ ہو جائے کیونکہ اس (قسم کی دعوتوں) کا جن میں داعی کا طلب صادق نہ ہو بلکہ یوں ہی درویشوں کو مسکین وملاّ سمجھ کر ایصال ثواب کے لئے کھانا کھلانا چاہتا ہو) مریدوں پر برا اثر ہوتا ہے اور اس سے ان کو سخت ضرر پہنچتا ہے کیونکہ (ایسی دعوت ہاتھ کا میل ہے اور) وہ ابھی لوگوں کے میل کچیل کا تحمل کرنے سے عاجز ہیں

---

[1] مریم: ۸۵

(ان کے قلوب میں ذراسی ظلمت سے کدورت پیدا ہوجاتی اور تاریکی چھا جاتی ہے)۔

سیدی الشیخ ابراہیم تنبولی رضی اللہ عنہ اپنے مریدوں سے جوان کے ساتھ دعوت میں جانا چاہتے یہ فرمادیا کرتے تھے کہ تم لوٹ جاؤ کیونکہ میں تو زہر کھانے کے ارادہ سے جارہاہوں تو کیاتم بھی زہر کھاؤ گے اس پر وہ لوگ واپس ہوجاتے اگر شیخ کے مطیع ہوتے۔

نیز شیخ ابراہیمؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے بچو! میں تو سمندر ہوں میرے اندر زہر اثر نہیں کرتا (اور ظاہر ہے کہ مریدوں کو یہ مقام حاصل نہیں اس لئے ان کولوگوں کے میل کچیل سے ضرور نقصان پہنچے گا) خصوصاً جب کہ وہ مخلوق کے مشتبہ اموال کو نفسانی خواہش کے ساتھ (بڑی خوشی سے) کھاتے ہوں اور آپس میں ایک دوسرے سے یوں کہتے ہیں کہ حضرت شیخ کے ساتھ یہ دن بڑے مزے کے گزرے ہیں جو عمر کے ایام میں قابل قدر ہیں اور اگر کوئی مرید اپنے کسی حرفت و پیشہ کی وجہ سے جس کا نفع اس کو اور اس کے اہل وعیال کو پہنچتا ہے کسی دن دعوت میں حاضر نہ ہوسکے تو اس پر دوسرے مرید عتاب کرتے ہیں (کہ واہ میاں آج تم کہاں رہ گئے تھے بڑی دولت سے محروم رہے)۔

اور اگر کوئی شیخ ایسا ہو جس کو کوئی دعوتوں میں نہ بلاتا ہو نہ اس کی خدمت کرنے کی طرف کسی کو التفات ہو اور اس لئے شیخ خستہ حالی کے ساتھ موٹا جبہ اور موٹا پوستین پہن کر رہتا ہو اور مریدوں کو اس کے پاس جو وغیرہ کی خشک روٹی نمک کے ساتھ یا روکھی ہی کھانے کو ملتی ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کھایا کرتے تھے تو ان ایام کو یہ لوگ عمر کے (اچھے) ایام میں شمار نہ کریں گے، بلکہ ان کو مصیبت اور بلا کے دن سمجھیں گے بلکہ بعض تو ایسے شیخ کو نفرت کے ساتھ چھوڑ کر اس سے الگ ہوجائیں گے (تو ایسے پیٹ کے گدھوں کو تو جو پیٹ بھرنے ہی کو بڑی دولت سمجھیں دعوتوں میں ہرگز ساتھ نہ لے جانا

چاہئے) واللہ غالب علی امرہ۔

اپنے ہم عصروں کے عیوب چھپاوے

(۴۳) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اپنے ہمسروں (اور ہم عصروں) کے عیوب چھپاوے اور ان کی خوبیاں ظاہر کیا کرے اور ان کی مدح وثنا کرے اور ان کے نام کو مشہور کیا کرے اور اس میں اس کی کوئی خاص غرض نہ ہو مثلاً یہ کہ دوسرے بھی اس کی مکافات میں میرے ساتھ بھی برتاؤ کریں گے وغیرہ وغیرہ کیونکہ بعض لوگ اپنے دوسرے بھائی کی مدح وثنا اور نیک نامی سے شہرت اس لئے کرتے ہیں کہ دوسرا ہم کو نیک نامی سے مشہور کرے گا۔

اور بعض دفعہ اس لئے دوسرے کی تعریف کرتا ہے تا کہ اپنے اوپر سے حسد وغیرہ کا شبہ دور کر دے (کہ مجھ کو اپنے ہم عصروں پر حسد نہیں) اور تا کہ لوگ اس کو وسیع الاخلاق سمجھیں خصوصاً جب کہ وہ دوسرا شخص جس کی تعریف کی جارہی ہے اس تعریف کرنے والے پر اعتراض وطعن بھی کرتا ہو اس صورت میں تو اس کی تعریف کرنے سے سب لوگ کیا عوام اور کیا خواص اس کے بہت ہی زیادہ معتقد ہو جائیں گے (کہ یہ بڑے کامل ہیں ان کو اپنے دشمنوں سے بھی ملال نہیں، بلکہ بے تکلف ان کی تعریف و مدح کر رہے ہیں) ایسی حالت میں عارف کو یہ چاہئے کہ معترضین ومخالفین کی باتوں پر کبھی کبھی رنج وملال بھی ظاہر کر دیا کرے اور یہ کہ اس کو اس کلفت کے برداشت کی طاقت نہیں تا کہ اس کا (باطنی) حال مخفی رہے کیونکہ احوال باطنی چھپانے کی چیز ہیں (ظاہر کرنے کی چیز نہیں)۔

اور ہر حالت کے مناسب خاص گفتگو ہے (اس لئے بھی نہ چاہئے کہ ہمیشہ ہر حالت میں اپنے ہم عصروں کی مدح وثنا ہی کیا کرے بلکہ کبھی ان سے کدورت وملال بھی ظاہر کر دیا کرے جب کہ وہ اس کے ساتھ برائی سے پیش آئیں) جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب (سنو کہ) درویش کو اپنے ناقص ہم عصروں کے احوال میں ان کے پیچھے تو جہاں

تک ہو سکے تاویل کرنا چاہئے مگر سامنے سب باتوں کو صاف صاف کہہ دینا چاہئے اور اس کی پرواہ نہ کرے کہ نصیحت سے ان کا دل برا ہوگا کیونکہ یہ تو حقیقت میں ان کو نفع پہنچانا ہے مگر ان کو خبر نہیں اور ادنی نفع اس میں یہ ہے کہ کم از کم تمہاری نصیحت کے وقت تو وہ اپنے نفس کو ذلیل وحقیر سمجھیں گے۔

کبھی دعویٰ کی بات نہ کرے

(۴۴) اور درویش کی شان یہ ہے اگر کبھی اس (کی زبان) سے کوئی دعوے کی بات صادر ہو جائے تو اس کے بعد اس کے تدارک کے لئے ایسی باتیں نہ کرے جن سے سامعین پر دعویٰ سے اپنی براءت ظاہر کی جائے (تاکہ وہ اس کو مدعی نہ سمجھیں) حالانکہ اس کا دل (تو اندر اندر) صندوق کے برابر خوشی سے بھر گیا ہے جب کہ مریدوں کو اپنے دعوے کی تصدیق کرتا اور پہلے سے زیادہ معتقد بنتا ہوا دیکھتا ہے (پھر ایسی باتیں کرنے سے کیا نفع کہ ہم دعوے سے بَری ہیں)۔

اور جاننا چاہئے کہ کسی شخص کو حقیر وکمتر سمجھنے کے لئے یہ بات لازم ہے کہ تم اس کے تمام دوستوں اور ساتھیوں کی بھی (دل سے) بے وقعتی کرو گے کیونکہ ارواح باہم جمع کئے ہوئے لشکروں کی طرح ہیں پس مبغوض کا اجتماع مبغوض ہی سے ہوگا اور محبوب کا اجتماع محبوب ہی سے ہوگا (تو یہ نہیں ہو سکتا کہ جس سے تم کو نفرت ہے اس کے دوست احباب تمہارے محبوب ہوں یقیناً ان سب سے بھی تم کو نفرت ہوگی)۔

دو شخص جو کبھی باہم مجتمع ہو کر ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں ان میں باطنی طور پر ضرور کوئی وجہ مناسبت ہوتی ہے اس کو سمجھ لو (اور کسی کو حقیر وذلیل نہ سمجھو کیونکہ اس کا سلسلہ بہت دور تک چلے گا کہ اس کو ذلیل سمجھ کر تم اس کے تمام احباب واصحاب کو بے وقعتی کرو گے) اور دیکھو اگر کوئی (شیخ) تم کو کسی قابل نفرت آدمی کے اختلاط (اور میل جول) سے منع کرے تو خبردار یہ نہ سمجھنا کہ وہ (شیخ) اپنے آپ کو اس شخص سے اچھا سمجھتا ہے جس کے اختلاط سے تم کو منع کیا ہے۔

کیونکہ یہ لازم نہیں بوجہ چند وجوہ کے جن کو اہل اللہ اپنے ذوق سے ادراک کرتے ہیں (جن میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ اہل معصیت کے ساتھ بغض ونفرت محض امر الٰہی کی وجہ سے ظاہر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے صاحب معصیت کے ساتھ اسی برتاؤ کا ہم کو حکم فرمایا ہے۔ تحقیر و تذلیل کی وجہ سے یہ برتاؤ نہیں کرتے کیونکہ اہل اللہ جانتے ہیں کہ خاتمہ کا حال خدا کو معلوم ہے اور یہ منزل کسی کے قبضہ میں نہیں کیا خبر ہے جو شخص آج گنہگار ہے وہ کل کو خدا کے یہاں کس درجہ کا ہوگا اور جو آج نیک و بزرگ ہے خاتمہ اس کا کیسا ہو؟ اس تصور نے عارفین کے قلوب کو لرزا رکھا اور ان کی ارواح کو بے چین کر رکھا ہے ان کو اس کی کہاں فرصت کہ کسی کو اپنے سے کمتر سمجھیں بلکہ وہ تو اپنے کو کتے سے بھی بدتر جانتے ہیں۔

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد را   درسنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ راندان بادہ نوش   ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند[1]

اور جہاں تک ممکن ہو درویش کو اپنے مرید کی مدح سے بھی بچنا چاہئے کیونکہ اس میں مرید کا بھی نقصان ہے اور اس کا بھی اس لئے کہ اپنے مرید کی تعریف کرنا گویا اپنی تعریف کرنا ہے پس اس قسم کی باتوں (سے اپنی زبان) کو روکے کہ (ہمارے) فلاں (مرید) نے خلوت میں ستارے یا چاند دیکھے ہیں یا اس قسم کی اور چیزیں دیکھی ہیں جو (اکثر) بھوک (اور فاقہ) کے آثار ہوتے ہیں یا خشکی (دماغ کے) کیونکہ مثل مشہور میں کہا جاتا ہے "جعت حتی رأیت النجوم" کہ مجھے ایسی بھوک لگی کہ دن میں تارے نظر آنے لگے اور اگر مرید کی بات سچی ہو تو جو چیزیں اس نے خلوت میں دیکھی ہیں جلوت میں آنے کے بعد وہ اس کی نظر سے پوشیدہ نہ ہوتیں اور (بھلا) مصنوعی کھجور کو تازہ کھجور سے کیا نسبت۔

اور جاننا چاہئے کہ اولیاء کاملین کو ان احوال میں سے کسی کا بھی احساس نہیں

---

[1] ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔ ۱۲م

ہوتا اور نہ وہ کبھی اپنی طرف ان احوال کی نسبت کرتے ہیں کیونکہ وہ تو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف خالص عبدیت کے لئے بلاتے ہیں (اور ان احوال کو عبدیت سے کچھ واسطہ نہیں) اسی لئے اولیاء کاملین کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کس نے ہماری دعوت کو قبول کیا ہے اور کس نے نہیں (اور کون ہمارا مرید ہے اور کون نہیں کیونکہ ان کو دعوت و تلقین سے اپنی جماعت کا بڑھانا مقصود نہیں، بلکہ محض عبدیت اور امتثال امر مطلوب ہے، پھر ان کو مرید وغیر مرید میں امتیاز کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو ہر طالب کو فیض پہنچانے کے لئے تیار ہیں خواہ مرید ہو یا نہ ہو) "**یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ما ذا اجبتم قالوا لاعلم لنا**"[1] (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کر کے ان سے پوچھیں گے کہ تم کو (مخلوق کی طرف سے) کیا جواب ملا (کس نے تمہاری اطاعت کی اور کس نے نہیں) تو وہ عرض کریں گے کہ ہم کو کچھ علم نہیں اور (اس جواب میں) وہ سچے ہوں گے (کیونکہ رسول اس لئے دعوت الی اللہ نہ کرتے تھے کہ اپنی جماعت پیدا کریں) پس حقیقت حال یہی ہے (اور اسی طرح کام کرنا چاہئے)۔

اور جاننا چاہئے کہ یہ طریق (باطن) بہت خطرناک ہے اور اس میں ہلاکت کا اندیشہ زیادہ ہے اس کی مخفی آفتیں بے شمار ہیں جن سے بجز تھوڑے آدمیوں کے بہت کم لوگ بچتے ہیں، اسی لئے قطب ربانی امام ابوالحسن شاذلیؒ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اپنے کو اس طائفہ، (صوفیہ) کی طرف منسوب کرتے ہیں ان میں تباہ[2] (و برباد) ہونے والے زیادہ ہیں نجات پانے والے (اور سلامت رہنے والے) تھوڑے ہیں

---

[1] المائدۃ: ۱۰۹

[2] کیونکہ تصوف اور طریق باطن کو عام لوگ بزرگی اور ولایت سمجھتے ہیں، پھر جو شخص اس طریق میں داخل ہوتا ہے اس کو دوسرے تو ولی اور بزرگ سمجھتے ہی ہیں یہ داخل ہونے والا بھی اپنے کو ولی اور بزرگ سمجھنے لگتا ہے اور دوسروں کو حقیر و گنہگار خیال کرتا ہے۔ اس مرض سے بہت کم لوگ بچے ہوئے ہیں اور یہی علتِ ابلیس ہے۔ علت ابلیس انا خیر بدست ۱۲ ظ

بالخصوص جو لوگ بزرگی میں مشہور ہو جائیں اور لوگ ان کی طرف اعتقاد اور مدح وثنا کے ساتھ جھک پڑیں (ان میں تو سلامت رہنے والے بہت ہی کم ہیں)۔

اور سیدی الشیخ احمد ابن الرفاعی رضی اللہ عنہ اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ہمیشہ تابع ہو کر رہو سردار بن کر نہ رہو کیونکہ مار سب سے پہلے سر پر پڑتی ہے۔

اور (یاد رکھو!) مردوں کے گرد جوتوں کی کھٹ پٹ نے بہت سے سر (تن سے) جدا کر دیئے اور بہتوں کا دین برباد کر دیا (یعنی مریدوں اور معتقدوں کے آگے پیچھے چلنے سے بہت لوگوں کا دماغ بگڑ گیا اور دین تباہ ہو گیا کیونکہ وہ اپنے معتقدوں کا مجمع دیکھ کر اپنے کو بزرگ اور کامل سمجھنے لگے اور یہی بربادی کی صورت ہے ۱۲) ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے بھی اور سب مسلمانوں کے لئے عافیت کی درخواست کرتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان آفات سے بچائے رکھے) خوب سمجھ لو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بھلائی (کا طریقہ) سمجھا دیں۔

اپنے ہم عصروں سے اپنے آپ کو افضل وممتاز نہ سمجھے

(۴۵) اور درویش کی شان یہ ہے کہ جب وہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خاص اجازت (اور حکم) پا کر مخلوق کی ہدایت وارشاد کے لئے بیٹھے تو اس اذن کی وجہ سے اپنے کو دوسروں سے جن کو یہ بات حاصل نہیں ہوتی افضل نہ خیال کرے اور نہ اپنے کو ہم سروں میں ممتاز سمجھے کیونکہ جن کو اذن حاصل نہیں ہوا وہ اس کے برابر ہی ہیں (اذن سے کچھ اس کی فضیلت نہیں بڑھ جاتی) بلکہ بعض دفعہ اس سے استدراج اور دھوکہ میں ابتلا ہو جاتا ہے (جو الٹا موجب ہلاکت ہے فضیلت تو دور رہی۔

اور تمام مخلوق کو بیداری میں قرآن وحدیث کی نصوص سے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں (اور نیک کاموں کا حکم اور برے کاموں سے منع کریں) اور جو حکم بیداری میں دیا گیا ہے وہ اس حکم سے افضل ہے جو خواب میں دیا جائے، کیونکہ سونے والا (خواب کی بات کو) اچھی طرح ضبط نہیں کر سکتا (پس اگر

خواب میں کسی کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ارشاد و تلقین کی اجازت ہو جائے تو اس سے اس کو کوئی فضیلت خاصہ حاصل نہیں ہوئی)۔

دوسرے عارفین محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خاص اذن فقط اس قطب کو ہوتا ہے جو وراثت محمدیہ پر حاوی ہو (یعنی رسول اللہ ﷺ کا سچا جانشین اور کامل نائب ہو) اور اس کے سوا دوسروں کو جو اذن ہوتا ہے وہ اصحاب خدمت کی طرف سے ہوتا ہے جو عالم میں تصرف کرنے والے ہیں تو جو شخص (حضور ﷺ کی طرف سے) اذن خاص کا مدعی ہو گویا وہ اس بات کا مدعی ہے کہ میں قطب غوث ہوں جو کہ (اپنے درجہ میں) فرد اور (وراثت محمدیہ کا) جامع ہوتا ہے اور اگر یہ مدعی سمجھ دار (عارف) ہوتا جو (حقیقت سے) محجوب ہے تو اولیاء سب کے سب اس سے نفرت کرنے لگتے مگر وہ تو اس کو بالکل پاگل اور مجنون سمجھتے ہیں (اس لئے معذور سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں) اس کی ایسی مثال ہے جیسے بعض نقال آدمیوں کو ہنسانے کے لئے بڑے درباریوں کی نقل کرتے ہیں (اور کوئی بادشاہ بنتا ہے کوئی وزیر) یا کوئی بیوقوف مخبوط الحواس فقیریوں کہے کہ میں بادشاہ ہوں یا ان کے سوا اور کوئی شخص جو بارگاہ سلطانی سے دور ہے ایسا دعوے کرے تو اس کی بات پر کوئی جرم عائد نہیں کیا جاتا اور اگر دربار سلطانی کے حاضر باش لوگوں میں سے کوئی ایسا دعوی کرے خواہ دل سے سچ مچ ہو یا ویسے ہی دل لگی مذاق میں ہو تو اس پر فوراً جرم عائد کیا جائے گا اور اس کو جیل خانہ میں ذلت کے ساتھ بھیج دیا جائے گا۔

پس ایسے دعوی سے بچو کہ اس کا انجام ہلاکت ہے اور اگر تم کو یہ اذن سوتے ہوئے ایسے سچے خواب میں ہوا ہو جس میں تمام شرائط صدق وصحت کے موجود ہوں جب بھی تم کسی سے اس کو ذکر نہ کرو کیونکہ یہ کمزوری (اور کم حوصلگی اور بے احتیاطی کی بات ہے اور اگر تم کو خواب میں یہ حکم بھی دیا گیا ہو کہ لوگوں سے اس اذن کو ظاہر

کرو تو اس صورت میں محض حکم کی تعمیل کے قصد سے اس کو ظاہر کرنا اور کسی وجہ[1] سے ظاہر نہ کرنا (مثلاً یہ قصد نہ ہو کہ اس سے میری فضیلت لوگوں کو معلوم ہوگی کہ یہ سم قاتل ہے ۱۲) خوب سمجھ لو۔

اور (عزیز من!) لوگوں کو اس طرح نصیحت کرنا جس میں دعویٰ اور قصد کو دخل نہ ہو بہتر ہے کہ اس میں آفتیں کم ہیں اور (دعویٰ میں بہت آفتیں ہیں) کچھ بھی نہ ہو تو یہ آفت تو ضرور ہے کہ اس کا انجام دین فروشی ہے کہ تم اس دعوے کے بعد (بزرگ مشہور ہو کر) دعوتوں میں بلائے جاؤ گے اور لوگ تمہارے پاس اپنا میل کچیل زکوۃ وغیرہ کا روپیہ (ہدیہ کے طور پر) لایا کریں گے محض اس وجہ سے کہ وہ تم کو ولی (اور بزرگ) سمجھتے ہیں اور اگر وہ تمہارے واسطے کوئی کپڑا خریدیں گے تو (بازار والے) اس میں رعایت کریں گے اور اگر تم کو کسی چیز کا محتاج دیکھیں گے تو لوگ اس کے حاصل کرنے میں کوشش وسبقت کریں گے تو تم لوگوں کو (دعویٰ ولایت سے) کلفت ومشقت[2] میں مبتلا کرو گے حالانکہ اگر کوئی یتیم یا عاجز مسکین ان لوگوں سے (جو تمہارے واسطے ہدایا لاتے ہیں) ایک کپڑا یا ایک درہم مانگے تو وہ اس کو ہرگز کچھ نہیں دیں گے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ تم کو جو کچھ دیتے ہیں محض ولی سمجھ کر دیتے ہیں کہ یہ خوش ہو کر دعا دے گا تو دنیا کے بہت سے کام نکلیں گے ۱۲)۔

اور (عزیز من!) یہ بھی تو ممکن ہے کہ آدمی بازار میں جا کر ہزار آدمیوں کو کاموں کا حکم کردے اور برے کاموں سے منع کرے اور اس صورت سے ان کا شیخ بن جائے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو کیونکہ جو شخص کسی کو ایسی بات بتلاوے جو اس کو معلوم نہ تھی وہ

---

[1] بعض لوگ اپنے حالات وکیفیات ومنامات واسرار کو تحدث بالنعمۃ کے خیال سے ظاہر کیا کرتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ تحدث بالنعمۃ اور تحدث لحظ النفس میں فرق کرنا بڑے درجہ کے لوگوں کا کام ہے، عام حالت تو یہ ہے کہ ہم لوگ تحدث بالنعمۃ کے لفظ کو آڑ بنا کر حظ نفسانی کے لئے ان باتوں کو ظاہر کرتے ہیں فالحذر، فالحذر ۱۲ ظ۔

[2] اسی لئے ہر شخص کا ہدیہ قبول نہ کرنا چاہئے بلکہ امتحان کے بعد صرف مخلص محب کا ہدیہ قبول کرنا چاہئے ۱۲ ظ

اس کا شیخ بن گیا خواہ وہ (اس کو شیخ) مانے یا نہ مانے۔ تو جو شخص اس طرح لوگوں کو بدون قصد (مشیخت) کے نصیحت اور تلقین وارشاد کرے اور بدستور اپنے مشاغل اور پیشہ میں مشغول رہے (تلقین وارشاد کے لئے اپنے قدیم پیشے اور مشاغل کو نہ چھوڑے) وہ بڑی اچھی حالت میں ہے اور ان شاء اللہ اس کو پورا ثواب اور کامل اجر ملے گا اور (جو شخص ارشاد وتلقین کے لئے اپنے پیشہ اور مشاغل کو چھوڑ کر لوگوں کے ہدایا پر رہ جائے اس کا اجر ناقص ہے کیونکہ ۱۲) پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ جو عبادت[1] کسی کے لقمہ سے پیدا ہوگی وہ اسی لقمہ والے کی ہے (یعنی وہ بھی اس عبادت میں شریک ہے) اس کو سمجھ لو اور اس بات میں بحث (اور گفتگو) نہ کرو کیونکہ اس کا وبال تمہارے ہی اوپر پڑے گا جیسا کہ ہم نے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ والسلام۔

اپنے حالات وواقعات بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لے

(۴۶) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اپنے حالات اور واقعات کے بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لے اگرچہ ان کا بیان کرنا ہی خود نقص کی دلیل ہے جب کہ کوئی دینی مصلحت اس پر مرتب نہ ہو جب اس کو سمجھ گئے تو اس قسم کی باتوں سے ہمیشہ بچتے رہو کہ میں مخلوق کی ارشاد وتلقین کے لئے صرف خاطر حق کی وجہ سے بیٹھا ہوں (کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو بطور الہام کے اس کا حکم ہوا ہے) کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا (کہ اللہ تعالیٰ آج کل کسی کو بلا واسطہ حکم دیں ۱۲)۔

اس لئے کہ عارفین محققین کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ خاطر حق میں امر[2] ونہی

---

[1] یہ حکم اس لقمہ کا ہے جو بطور صدقہ خیرات دیا جاتا ہے اور جو بطور ہدیہ کے خلوص ومحبت سے محض تطییب قلب مہدی الیہ کے لئے دیا جائے اس کا یہ حکم نہیں اس میں مہدی کو صرف تطییب قلب کا اجر ملتا ہے عبادات میں شریک نہیں ہوتا گو تطییب قلب کا اجر اس سے بھی زیادہ ہو جتنا شرکت عبادات سے ہوتا۔ ووجہ ما قلنا قبول الانبیاء الهدایا دون الصدقات وکانوا لا یرضون باشراك الناس فی عباداتهم ۱۲ ظ

[2] اس مقام میں قادیانی فرقہ کو غور کرنا چاہئے جو مرزا قادیانی کے لئے نبوت غیر تشریعیہ ثابت کرنے کے

نہیں ہوا کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اوامر ونواہی کو رسول اللہ ﷺ کی زبان پر ختم کر چکے ہیں چنانچہ ارشاد ہے "الیوم اکملت لکم دینکم "[۱] (آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا) اور اس کے سوا بہت سی نصوص ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی جو اللہ تعالیٰ سے تم کو قریب کرتی ہو مگر اس کا حکم کر چکا ہوں۔ اور کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی جو اللہ تعالیٰ سے تم کو دور کرتی ہو مگر اس سے منع کر چکا ہوں۔ الحدیث۔ پس شریعت مکمل اور واضح ہو چکی اب خاطر (اور وارد) کا (نازل کرنے والا) فرشتہ کوئی حکم الٰہی کسی پر ہرگز نازل نہیں کر سکتا۔

اور اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو بلا واسطہ (فرشتہ کے) حکم دیا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ دعوی پہلے دعوے سے بھی زیادہ سنگین ہے کیونکہ اس صورت میں تم اس بات کے مدعی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے اس طرح کلام کیا ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ اور اگر بالفرض اللہ تعالی کسی سے (بطور الہام کے) کلام بھی فرمائیں تو صرف علوم واخبار کا القاء فرمائیں گے احکام اور شریعت کا القاء کبھی نہ ہوگا اور نہ کسی کو کچھ حکم دیں گے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اوامر ونواہی کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اب جو شخص سیدنا محمد ﷺ کے بعد اس کا مدعی ہوا) کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے امر ونہی فرمایا ہے) وہ ایک نئی شریعت کی وحی کا مدعی ہے خواہ وہ شریعت محمدیہ کے موافق ہو یا مخالف (موافقت کی صورت میں بھی وہ نئی شریعت کی وحی کا مدعی ہے کیونکہ اب شریعت کے موافق بھی کسی کو بطور الہام کے حق تعالیٰ کی طرف سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لئے بعض صوفیہ کی عبارات سے استدلال کیا کرتے ہیں تو علامہ شعرانی نے اس مقام پر صوفیہ کا اجماع اس بات پر نقل کیا ہے کہ ملک خاطر اب کسی پر امر ونہی نازل نہیں کر سکتا اور نہ اب بلا واسطہ حق تعالیٰ کسی کو امر ونہی کے ساتھ خطاب کرتے ہیں اور مرزا قادیانی اپنے الہامات میں امر ونہی کا مدعی ہے۔ پس یقیناً اس کے الہامات خواطر حق نہ تھے بلکہ شیطانی خواطر تھے جن کو اس نے خاطر حق سمجھ لیا ۱۲ ظ

[۱] سورۃ المائدۃ : ۳

امرونہی نہیں ہوسکتا) پس معلوم ہو گیا کہ امرونہی سب شریعت ہی کے اندر ہے شریعت سے باہر کسی کو امرونہی نہیں ہوسکتا کیونکہ اب تمام مخلوق (رسول اللہ ﷺ) کے تابع ہے ان کو بدون ان کے آقا سیدنا محمد ﷺ کے واسطہ کے کچھ بھی نہیں مل سکتا۔

اور اس غلطی میں ایک شخص ہمارے دوستوں میں سے مبتلا ہو گیا تھا اس نے ہمارے شیخ سے اپنی یہ حالت بیان کی (کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ارشاد وتلقین کا حکم فرمایا ہے ۱۲) شیخ نے فرمایا کہ عزیز من! یہ نفسانی خواہش (کا اثر) ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ریاضت ومجاہدہ اور خلوت نشینی اور ذکر سے تمہارا دلی مقصود شیخ اور مقتدا بننا تھا اور تم اس بات کے منتظر تھے کہ کوئی وارد غیبی اور خاطر ایسا وارد ہو جو تم کو شیخ بننے کی دعوت دے جب تمہارا یہ خیال پختہ ہو گیا اور دل پر یہ خواہش غالب ہو گئی تو تمہارے نفس ہی نے خود تم کو حکم دے دیا (کہ مخلوق کی ارشاد وتلقین کے لئے بیٹھ جاؤ) تم نے یہ سمجھ لیا کہ یہ خاطر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جس کی مخالفت تم کو جائز نہیں حالانکہ یہ وارد محض نفس کی طرف سے ہے جو مخلوق کے اوپر خدائی کرنے کا طالب ہے اور تم اپنے ضعف کی وجہ سے نفس کے اس خاطر کو رد نہیں کر سکے اور نہ تم کو اس کے رد کرنے کا خیال تھا کیونکہ یہ طلب تو برسوں سے (تمہارے دل میں) پختہ ہو رہی تھی پس جب تم نے اول وہلہ میں ہی اس خاطر کی قوت کا مشاہدہ کیا اسی وقت مضبوطی کے ساتھ تم نے اس کو قبول کر لیا۔

شیخ کی اس تقریر کو سن کر وہ شخص اول تو خاموش رہا۔ پھر کہا میں اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا ہوں، اور اس دعوے سے رجوع کیا حالانکہ وہ بہت لوگوں کو ذکر کی تلقین کر چکا تھا اور بہت لوگ اس کے مرید ہو گئے تھے اس نے سب سے تعلق قطع کر لیا اور اپنے پاس سے ان کو متفرق کر دیا۔ اور اگر ایسا شخص جس کو اس قسم کے خواطر پیش آئیں ان کو کسی عارف باللہ کے سامنے پیش کر دیا کرے تو وہ اس کے آگے خاطر نفس اور خاطر حق کو الگ کر کے رکھ دے گا۔ اب یہ شخص اپنی حالت کے متعلق بصیرت پر ہو گا کہ اس (قسم کے دعوے کے) دروازہ کو چھوڑ دے گا یا اس پر پیش قدمی نہ کرے گا اور اس کا

گواہ اس کے ساتھ ہوگا اور اس کو ان لوگوں کے متفرق کردینے (اور اپنے سے جدا کردینے) کی کچھ پروانہ ہوگی جو پہلے اس قسم کے اذن کی اشاعت سے معتقد ہوکر اس کے پاس مجتمع ہوگئے تھے۔ اور یہ ان لوگوں میں سے نہ ہوگا جن کے سامنے اپنے برے اعمال آراستہ کردئے گئے اور وہ ان کو اچھا سمجھتے ہیں۔

عزیز من! جب یہ سمجھ گئے تو اب اگر تم ایسے خاطر کو کسی عارف باللہ کے سامنے بھی پیش نہ کرو اور اس کو خاطر نفس بھی نہ قرار دو تو اس کو کسی (لطیفہ غیبی ہاتف یا) فرشتہ کا وارد سمجھ لو خاطر حق نہ سمجھو، چنانچہ سیدی الشیخ یوسف عجمی رضی اللہ عنہ کو ایسا واقعہ پیش آیا مگر انہوں نے اس کو بدون دلیل (وشاہد) کے قبول نہیں کیا ان پر تین مرتبہ یہ وارد (تقاضا کے ساتھ) نازل ہوا کہ مصر کی سرزمین میں جاؤ اور لوگوں کو ہدایت کرو تو انہوں نے دعا کی کہ الٰہی اگر یہ وارد (آپ کی طرف سے ہے اور) سچا وارد ہے تو میرے سامنے اسی وقت اس نہر کو (جو یہاں بہہ رہی ہے) خالص دودھ بنا دیجئے یہاں تک کہ میں اپنے پیالہ کو بھر کر اس سے پی لوں (یہ دعا کرنا تھی کہ) نہر اسی وقت خالص دودھ بن گئی اور شیخ نے اس میں سے (پیالہ بھر کر) پی لیا اس کے بعد انہوں نے زمین مصر کی طرف توجہ (کا سامان وتدبیر) شروع کی۔

عزیز من! خدا تم کو معاف کرے غور کرو کہ شیخ نے کس قدر تحمل سے کام لیا اور مشیخت اختیار کرنے میں اور ارشاد وتلقین کے درپے ہونے میں جلدی نہیں کی اور اس بات کا (اللہ تعالیٰ کے سامنے) اقرار کرلیا کہ میں اس وارد کے حق وباطل ہونے کی معرفت سے عاجز ہوں کیونکہ وہ اپنے نفس کو اس کی ہر خواہش میں متہم سمجھتے تھے (اسی طرح انہوں نے اس معاملہ میں بھی اپنے نفس کو متہم سمجھا کہ شاید اس وارد میں نفس کی ہوا وہوس کا کچھ دخل ہو اس لئے وارد کی حقانیت ظاہر ہونے کے منتظر رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کا حق ہونا ظاہر فرمادیا اس وقت اس پر عمل کیا ۱۲)۔

اور اگر آواز (غیبی) میں اپنے لئے خطاب سنے (کہ کوئی اس کو مخاطب بنا کر

کچھ کہہ رہا ہو) تو یہ پکارنے والا یا تو ہاتف ہے یا کوئی فرشتہ ہے یا جن ہے یا ابلیس ہے کیونکہ ابلیس عارفین کو بھی بہکا سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت (واجازت) کے بعد[1] اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ان عبادی لیس لك علیھم سلطان"[2] کا مطلب یہ ہے کہ اے ابلیس تجھ کو میرے خاص بندوں پر کچھ قابو نہیں مگر جب کہ میں تجھے قابو دینا چاہوں تو اور بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی خاص فعل کے پابند اور مقید نہیں ہیں کیونکہ "یمحو اللہ ما یشاء ویثبت"[3] "و کل یوم ھو فی شان"[4] کا اطلاق بہت وسیع ہے اور آیت میں یوم سے مراد یہ دن نہیں (جورات کا مقابل ہے ۱۲) کیونکہ اللہ تعالیٰ (زمانہ سے پاک ہیں ان) پر زمانہ نہیں گذرتا۔ خوب سمجھ لو۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ "ان عبادی لیس لك علیھم سلطان" میں تاویل کی حاجت غیر انبیاء علیہم السلام کے لحاظ سے ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام شیطان کے اغواء سے یقیناً معصوم ہیں اور عزیز من! جو شخص ان عبادی کی یاء نسبت میں تامل کرے گا (کہ اس میں حق تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں سے شیطان کے تسلط کی نفی کی ہے ۱۲) وہ دعوی کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ جائے گا اور اپنے اوپر شیطان کے تسلط سے ہمیشہ ڈرتا رہے گا کیونکہ خدا کا خالص بندہ جو اغیار کی غلامی سے نکل چکا ہو کبریت احمر سے بھی زیادہ نایاب ہے جس کا ذکر ہی ذکر ہے کہیں دیکھا نہیں گیا۔

اور جو شخص نظر بصیرت سے غور کرے گا وہ اپنے آپ کو بے شمار مخلوقات کا غلام پائے گا اس سے بجز بڑے کامل اولیاء کے جو انبیاء علیہم السلام کے سچے وارث ہیں کوئی نہیں خلاصی پا سکتا۔ ان کے سوا سب کی مختلف خواہشیں ہیں (اور وہ اپنی خواہش کی غلامی

---

[1] اس مقام کا ترجمہ پوری طرح واضح نہیں کیا گیا کیونکہ یہ مضمون عوام کے سمجھنے کا نہیں ہے اور جن کے سمجھنے کا ہے ان کو زیادہ توضیح کی ضرورت نہیں پس عوام اس میں غور نہ کریں ۱۲ ظ

[2] الحجر: ٤٢۔ [3] الرعد: ٣٩۔ [4] الرحمٰن: ٢٩

کرر ہے ہیں) کسی کو شملہ (لمبا کرنے) کی خواہش ہے اور کسی کو ترک شملہ کی خواہش ہے تاکہ لوگوں کو یہ دھوکہ دے کہ مجھے شہرت سے کراہت ونفرت ہے تو یہ بھی خواہش نفس میں گرفتار ہے ابھی اس سے نہیں نکلا۔ اور ایک شخص کو سفید عمدہ جبہ پہننے کی خواہش ہے (تاکہ بزرگی کی وضع سے اپنے کو بزرگ ظاہر کرے ۱۲) اور ایک شخص کو اس کی خواہش نہیں بلکہ میلے کچیلے جبہ کی خواہش ہے اور ایک شخص کی خواہش یہ ہے کہ حلقۂ ذکر وختم وغیرہ میں سجادہ پر بیٹھے اور اس کے سوا دوسری جگہ بیٹھنا اس پر گراں ہے اور دوسرے کی خواہش اس کے خلاف ہے (تاکہ سجادہ پر بیٹھنے سے کسی کو تکبر کا شبہ نہ ہو ۱۲) اور ایک کی خواہش سر منڈانے اور ایک گوشہ میں بیٹھنے کی ہے اور ان کا چھوڑنا اس پر گراں ہے اور ایک کی خواہش اس کے خلاف ہے (تاکہ کوئی بزرگی اور مشیخت کا طالب نہ سمجھے ۱۲) اور ایک کو خواہش یہ ہے کہ اپنے گھر سے خانقاہ میں خاص اوقات ہی میں جائے ہر وقت خانقاہ میں نہ رہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت وعظمت کم نہ ہو جائے کیونکہ اس نے زیادہ میل جول کر کے اس اثر کا مشاہدہ کیا ہے (کہ عظمت کم ہو گئی تھی ۱۲)۔

حالانکہ درویش کی شان یہ ہے کہ مخلوق کی توجہ اور بے توجہی کی مطلق پروانہ کرے اور ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ خانقاہ میں حلقۂ ذکر جمائے اور لوگ اس کو لگے لپٹے رہیں اور اس کو بت بنا کر ہاتھ پیر چوما کریں اور ایک کی خواہش اس خلاف ہے۔

اور ایک کی خواہش یہ ہے کہ اس کے پاس مجاوروں کا مجمع ہمیشہ رہا کرے کیونکہ اس کے خیال میں انہی کے ذریعہ سے اس کو روزی ملتی ہے انہی کے سبب سے لوگ اس کے پاس صدقہ خیرات کا مال بھیجتے ہیں اور انہی کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں اس کی عزت ہے بخلاف اس شخص کے جس کے پاس مجاور نہ ہوں کہ عام لوگوں کی نظر میں وہ شیخ نہیں ہوتا یا شیخ بننے والا ہے (مگر ابھی نہیں بنا) کیونکہ زیارت کرنے والا اس کو (ٹواں ٹون) بارش کی طرح اکیلا بیٹھا ہوا دیکھتا ہے (تو اسے کوئی شیخ کیونکر سمجھے ۱۲) بخلاف اس کے جس کے پاس ہر وقت کچھ شاگرد مرید ادب کے ساتھ سامنے گردن

جھکائے خدمت کے لئے تیار رہتے ہوں اور جب وہ سوار ہو کر چلتا ہو یا کسی کی سفارش کو یا کسی دعوت میں جاتا ہو تو خدام اس کے آگے آگے چلتے ہوں (اس کو ہر دیکھنے والا شیخ سمجھے گا ۱۲)

اسی طرح ایک کی خواہش (لوگوں کو) عمدہ ترکاری کے ساتھ کھانا کھلانے (اور لنگر جاری کرنے کی) ہے اور دوسرے کی خواہش زہد و تقویٰ اور احتیاط کی طرف مائل ہے (اور ظاہر ہے کہ احتیاط تقوی کے ساتھ لنگر جاری نہیں ہو سکتے کیونکہ درویشوں کے پاس زمین داری یا تجارت کی آمدنی تو ہوتی نہیں صرف ہدایا اور نذرانوں کی آمدنی ہوتی ہے۔ پس لنگر وہی جاری کر سکتا ہے جو ہدایا اور نذرانوں کے قبول کرنے میں وسعت سے کام لے کہ جس نے ہدیہ دیا لے لیا اور جو شخص قبول ہدایا میں احتیاط سے کام لے گا کہ حرام آمدنی والے کا ہدیہ قبول نہ کرے متکبر و مغرور کی نذرانہ لے بلکہ صرف مخلص اور دین دار کا ہدیہ قبول کرے وہ لنگر کیونکر جاری کر سکتا ہے ۱۲) مگر اس احتیاط و تقویٰ کا منشاء خوف خدا یا غیرت اسلامی نہیں ہوتی بلکہ منشا صرف یہ ہے کہ اس کے خلاف میں اس شخص کو اپنی بدنامی اور بے عزتی کا خطرہ ہوتا ہے۔

علیٰ ہذا ایک شخص کی خواہش یہ ہے کہ ظالموں اور حکومت کے ملازموں کے ہدایا واپس کر دے اور دوسرے کی خواہش یہ ہے کہ ان کو بھی جمع کرے بلکہ اس سے زیادہ اور بھی جمع کرے۔ اور ایک شخص کی خواہش یہ ہے کہ ان تمام باتوں سے الگ اور یکسور ہے اس کو (دنیوی جاہ و عزت کے لئے) نہ کسی فعل کی خواہش ہے نہ ترک کی جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

پس تم کو اس تقریر کے درمیانی جملوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس طرح برے کاموں کے کرنے میں نفسانی خواہش کو دخل ہوتا ہے اسی طرح کبھی برے کاموں کے چھوڑنے میں بھی خواہش نفس کو دخل ہوتا ہے کیونکہ نفس کی حالت یہ ہے کہ وہ بدنامی اور برائی سے دور بھاگتا ہے تو جب وہ دیکھتا ہے کہ میرے ہم عصروں میں سے

فلاں شخص فلاں سبب سے بدنام ہوگیا تو اس کام سے خود پرہیز کرے گا کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو میں بھی بدنام وحقیر ہو جاؤں گا اس صورت میں اس کا برے کام سے بچنا محض نفسانی خواہش کی وجہ سے ہے خوف خدا کی وجہ سے نہیں اسی طرح جب لوگوں کو اپنی نسبت یوں کہتا ہوا سنتا ہے کہ فلاں بزرگ پیر بننا اور شیخ بننا پسند نہیں کرتے بلکہ وہ تو پیری اور مشیخت کے طریقوں سے بھاگتے ہیں حالانکہ وہ ایسا کر سکتے ہیں کہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس طرح نکلا کریں کہ ان کے اردگرد مریدوں کا جھمکٹا ہو یا اراکین سلطنت کے پاس جایا کریں (اور لوگوں کی سفارش کیا کریں) مگر وہ بڑے عقل مند ہیں وہ ان خرافات میں نہیں پڑتے بلکہ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ سے ذرا نہیں ملتے تو ان باتوں سے نفس بہت خوش ہوتا ہے (اس حالت میں اس کا امراء کے دروازوں پر نہ جانا اور اپنے گرد مریدوں کے حلقہ کو پسند نہ کرنا سب خواہش نفس کی وجہ سے ہے خدا کے واسطے نہیں، خدا کے لئے کام کرنے والا وہ ہے جس کو مخلوق کی مدح وذم برابر ہو کہ کوئی عمل کوئی کام نہ مخلوق کی مدح کے لئے کرے نہ ان کی مذمت کے خوف سے چھوڑے بلکہ اس کا ہر عمل اور ترک عمل رضائے حق وخوف الٰہی کی وجہ سے ہو)۔

پس سمجھ لو کہ ان باریک دھوکوں سے بجز مردان کامل[۱] کے کوئی نہیں بچ سکتا اور جو شخص تیراک کی نقل اتارنے لگے حالانکہ اس کو تیرنا آتا نہیں تو جب وہ سمندر میں پہنچے گا یقیناً ڈوبے گا اور اپنے کو برباد وتباہ کر دے گا (پس حصول کمال سے پہلے کاملین کی نقل نہ اتارو ان کی طرح حقائق ومعارف بیان کرنے نہ بیٹھو۱۲) خوب سمجھ لو خدا تم کو ہدایت کرے اور وہی اپنے نیک بندوں کی نگرانی کرتا ہے۔

---

۱ حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ نے اپنے مرشد برحق شیخ العرب والعجم کی خدمت میں اپنا حال لکھا تھا جس میں ایک جملہ یہ تھا کہ بندہ کو مدح وذم برابر ہے حضرت شیخ نے اس پر بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ بہت بڑا مقام ہے جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ عزیز من! کہنے کو تو یہ دو لفظ ہیں کہ مدح وذم برابر ہے مگر بخدا اس کی تحصیل میں بہت عمریں ختم ہو گئیں اور بجز معدودے چند کے بہت کم لوگ کامیاب ہوئے۔ جعلنا اللہ من الفائزین بھذا المقام ۱۲

خلافت ملنے کے بعد مطمئن نہ ہو جائے

(۴۷) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اگر اس کو اپنے شیخ سے یا کسی اور کی طرف سے ارشاد و تلقین کی اجازت ہو جائے تو اس سے مطمئن (اور بے فکر) نہ ہو جائے کیونکہ یہ اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی ضمانت نہیں کرتی کہ اس پر (کبھی قہر نہ ہوگا یا یہ حالت سلب نہ ہوگی کہ اس پر اعتماد کر کے بے فکری کی جائے اور فرض کرلو کہ اجازت اس بات کی ضمانت بھی کر لے جب بھی بے فکری[1] جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں ہوسکتی تو یہ اجازت اپنی ضمانت کے پورا کرنے پر قادر نہیں اور جس شخص نے ارشاد الٰہی[2] "کل یوم هو فی شان ط" اور "یمحو اللّٰہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب" کے معنی سمجھ لئے ہیں وہ اس بات کی حقیقت کو سمجھ لے گا۔

اور جو لوگ اجازت (وخلافت) کے صحیح ہونے یا نہ ہونے میں جھگڑا کرتے ہوں یہ ان کے نزاع سے مکدر نہ ہوگا کیونکہ اجازت کے بعد بھی شب و روز وہ اپنی حالت کو کبھی ترقی اور کبھی تنزل میں دیکھے گا پس تنزل کے وقت تو یہ کسی شیخ کا محتاج ہے جو اس کی تکمیل کرے اور ترقی کے وقت اذن جدید کا محتاج ہے (کیونکہ پہلی اجازت تو تنزل کی وجہ سے کالعدم ہو چکی ۱۲)۔

خلاصہ یہ کہ انسان کو ایک حال پر قرار نہیں رہتا جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ اور اس میں وہی شخص منازعت کرے گا جس کا دل اندھا ہو۔ اور مجھے ایک درویش کے متعلق یہ خبر پہنچی کہ لوگوں نے اس کی اجازت (وخلافت) میں جھگڑا کیا (اور بعض نے یہ کہا کہ تجھ کو شیخ نے اجازت نہیں دی) تو اس نے قاضی مالکی کی عدالت میں اس کو ثبوت

---

[1] پس اگر کسی شیخ کے خلفاء ومجازین کی حالت کسی وقت بدل جائے اور شیخ اپنی اجازت کو منسوخ کردے تو اس سے شیخ کے کمال میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ۱۲ ظ

[2] اللہ تعالیٰ ہر وقت نئی شان میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں قائم رکھتے ہیں اور اصلی علم ان ہی کے پاس ہے ۱۲ ظ۔

دیا اور قاضی سے اس نزاع و اختلاف کے رفع کرنے کا فیصلہ چاہا اور خدا کی قسم اس مسکین نے طریق کو کچھ بھی نہیں سمجھا۔

اپنے اقوال، افعال اور احوال میں بیداری سے کام لے

(۴۸) اور درویش کی شان یہ ہے کہ جو اقوال و احوال اس سے صادر ہوتے ہیں ان میں تیقظ اور بیداری سے کام لیتا ہو پس اپنے پاس بیٹھنے والوں کے سامنے وہی (بات اور وہی حال) ظاہر کرتا ہو جس کو ان کی استعداد قبول کرتی ہو۔

جب یہ بات سمجھ گئے تو اب سنو! کہ اس زمانہ میں مشیخت اور ارشاد و تلقین کا دروازہ کھولنا مناسب نہیں کیونکہ تمام حضرات عارفین اس دروازہ کو بہت عرصہ سے بند کر چکے ہیں جیسے سیدی شیخ ابراہیم اور سیدی ابو العباس غمری اور سیدی محمد بن عنان اور سیدی منیر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سیدی محمد غمری کی جماعت نے ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سیدی ابو العباس غمری رضی اللہ عنہ سے درخواست کی تھی کہ اب آپ تربیت مریدین (اور ارشاد و تلقین) کا کام اپنے ہاتھ میں لیں تو سیدی ابو العباس نے اس سے اعراض کیا لوگوں نے بار بار اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو بتلاؤ کہ خالص خدا کا طالب کہاں ہے؟ (اور کون ہے؟) اس پر کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ آگے بڑھے (اور اپنے کو پیش کرے) بلکہ سب پیچھے ہٹ گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے دلوں میں سچائی کے خلاف بعض باتیں موجود ہیں حالانکہ وہ ایسے طریق پر تھے جس پر آج کل کے مشائخ بھی نہیں چلتے وہ صائم الدھر اور قائم اللیل تھے موٹے کپڑے پہننے والے تھے اور ان کی آپس میں یہ حالت تھی کہ جس شخص کی زبان سے ایک بات بھی مباح نکلتی جس کے دونوں پہلو برابر ہوتے اس کو سب چھوڑ کر الگ ہو جاتے اور یوں کہتے تھے کہ مباحات میں مشغول ہونا ہی ہمارا طریق نہیں ہمارا طریق تو رات دن مجاہدہ میں مشغول رہنا ہے

(پس افعال مستحبہ یا سنن و واجبات و فرائض کے سوا کوئی کام نہ کرنا چاہئے) یہ تو اس جماعت کی حالت تھی مگر شیخ ابوالعباس نے ان میں سے بھی کسی کو طریقت کا اہل نہیں سمجھا۔

اسی طرح سیدی محمد بن عنان کا واقعہ ہے جن کی (ولایت کی) بشارت سیدی ابراہیم متبولی نے (ان کو پیدا ہونے سے پہلے) دی تھی جب ان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت حجرۂ شریفہ کی خدمت آپ کے بعد کس کے سپرد ہوگی؟ فرمایا: بلاد مشرق سے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام محمد بن عنان ہے اور ظاہر ہے کہ اولیاء اولیاء ہی کی بشارت دیا کرتے ہیں تو حالانکہ سیدی ابراہیم متبولی نے شیخ محمد بن عنان کی ولایت پر ان کے وجود سے بھی پہلے شہادت دی تھی مگر بایں ہمہ شیخ محمد بن عنان نے (تربیت وارشاد سے) انکار کیا اور قسم کھا کر فرمایا کہ میں طریق الٰہی کو نہیں جانتا (یعنی میں ایسا طریق نہیں جانتا جس سے یقینی طور پر مرید کو واصل الی اللہ بنادوں اور یہ قسم سچی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی شیخ کو بھی ارشاد و تلقین کے بعد مرید کے واصل ہو جانے کا یقین نہیں ہوسکتا محض گمان اور ظن غالب ہوسکتا ہے پس شیخ کی قسم سچی تھی اس میں اعتراض کی گنجائش نہیں ۱۲) غرض محمد بن عنان نے اس دروازہ کو بند کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس زمانہ میں شہرت سے کچھ نفع نہیں۔

اسی طرح اور مشائخ نے بھی اس دروازہ کو بند کر دیا ہے کیونکہ وہ کامل تھے اور حق تعالیٰ کے سامنے مؤدب تھے وہ مخلوق میں تقدیر کے تصرفات کا مشاہدہ کرتے تھے اس لئے وہ اس چیز کے کامل کرنے کا قصد نہ کرتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے ناقص کرنا چاہا ہے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب اللہ تعالیٰ نے وجود کو ہر طرف سے کم کرنے کا قصد فرمالیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے[۱] " اولم یروا انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها "[۲] (کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں کہ ہم زمین کو تمام جوانب سے کم کرتے آرہے ہیں) اس کے سوا اور بہت سی آیات و احادیث ہیں۔

---

[۱] اس آیت سے اس مسئلہ کا استنباط بطور تفسیر کے نہیں بلکہ بطور علم اعتبار کے ہے۔ فافہم ۱۲ ظ۔

[۲] الرعد: ۴۱۔

اور شیخ محمد شنادی کی جماعت نے ان کی وفات کے بعد اس فقیر سے تلقین و ارشاد کی درخواست کی میں نے انکار کیا انہوں نے اصرار کیا اور شیخ کا ارشاد بیان کیا کہ وہ فرما گئے ہیں کہ میرے بعد فلاں شخص میرا خلیفہ ہے (یعنی شیخ عبدالوہاب شعرانی ۱۲)۔

مجھ پر یہ بات گراں ہوئی کیونکہ میں اپنی حالت کو خود جانتا تھا (مگر شیخ کی بات کورد بھی نہ کر سکا ۱۲) غرض میں نے ایک جماعت کو کچھ تلقین کیا تو میں دیکھتا تھا کہ حالت یہ ہے کہ میں ایک جوتا کو خوب مضبوط گانٹھتا ہوں مگر جب سلائی ختم ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود کھل جاتا اور جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہو جاتا ہے، میں نے اس کی وجہ دریافت کی اور معلوم ہوا اب کام ختم ہو چکا، اللہ تعالیٰ (ہمارے) شیخ پر رحمت (کی بارش نازل) فرمائے (انہوں نے جو مجھ کو اپنا خلیفہ ظاہر کیا) یا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں حسن ظن غالب تھا یا ان کو زمانہ آئندہ کا کشف ہوا ہو تو شاید آئندہ کچھ حالت پیچھے کو لوٹ جائے (اور سلف صالحین کا نمونہ نظر آئے) ورنہ یہ فقیر تو شیخ کا مرید بننے کے بھی لائق نہیں۔

میں نے ایک دفعہ آسمان و زمین کے درمیان ایک لوح (معلق) دیکھی جس میں کچھ لکھا ہوا تھا من جملہ اس کے ایک یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ۹۶۴ھ سے ہر چیز کے وجود کو کم کرنے کا ارادہ[1] فرما لیا ہے (پس طریق باطن اور احوال قلوب میں بھی کمی شروع ہو گئی)۔

---

[1] حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب کسی کو اصلاح خلق کے بہت درپے دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ ہاں بھائی کرو تم کو ثواب ملے گا مگر اصلاح کی امید نہ رکھو اب اصلاح نہ ہوگی بلکہ فساد ہی بڑھے گا۔ بس اب تو امام مہدی علیہ السلام ہی آ کر امت کی اصلاح فرمائیں گے۔ اھ حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ ابتدا میں یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی، مگر اب مشاہدہ ہو گیا کہ واقعی حضرت نے سچ فرمایا تھا اب اصلاح کی امید نہیں فتنوں کی گھٹائیں آ رہی ہیں ایک چڑھتی ہے ایک اترتی ہے۔

یک من و خیلے آرزو دل بچہ مدعا دہم تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم ۱۲ ظ (۲)

(۲) ایک دل اور بے شمار خواہشات اب دل کو کس کس خواہش پر ڈالوں۔ پورا جسم داغ داغ ہے پھایا کہاں کہاں رکھوں؟۔ مرتب

اب جو شخص بدون بصیرت کے اس دروازہ کے (کھولنے کے) درپے ہے وہ اگر مسندارشادو تلقین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے لئے ابتلاء (وامتحان) نہیں سمجھتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا ادب بجالانے میں کمی کررہا ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ کم کرنا چاہ رہے ہیں یہ اس کو پورا کرنا چاہتا ہے "واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لایعملون"[۱] (حالانکہ خدا ہی کی بات غالب ہوتی ہے مگر بہت لوگ نہیں جانتے) لیکن یہ شخص انشاء اللہ دھوکہ میں ہے کیونکہ وہ (حقیقت سے) محجوب ہے (اس لئے امید یہ ہے کہ اس پر کچھ مؤاخذہ بھی نہ ہوگا) اور اگر اللہ تعالیٰ اس پر بھی عالم وجود کی موجودہ حالت کو منکشف کردیتے۔ جیسا عارفین کاملین پر منکشف کردی گئی ہے تو وہ زمین میں زندہ گڑھ جانے کی تمنا کرتا اور اس دروازہ کو چھوڑ کر الگ ہوجاتا۔ اسی لئے تم دیکھو گے کہ شیخ ہزار آدمیوں کو بلکہ اس سے زیادہ کو تلقین و تعلیم کرتا ہے اور ان میں سے ایک بھی کام کا نہیں بنتا جیسا کہ مشاہدہ سے معلوم ہے اور عزیزمن! ٹھنڈے لوہے پر چوٹ لگانے سے کیا نفع؟ جس کے گرم ہونے کی آئندہ بھی امید نہیں۔

اور یہ خوب سمجھ لو کہ ہم نے جو کچھ خطرہ بیان کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذکر و تلقینِ ذکر کو چھوڑ دیا جائے جیسا کہ بعض ناقصین کو اس تقریر سے یہ وہم پیدا ہوا ہے بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ (از خود ارشاد و تلقین کے دروازہ کو کھولنے کا قصد نہ کرو اور ۱۲) جس پر بدون اس کی طلب کے یہ دروازہ کھول دیا جائے (مثلاً شیخ اس کو اجازت و خلافت دیکر ارشاد و تلقین کا امر کرے) تو اس کو چاہئے کہ اس کو اپنے حق میں ایک بلا سمجھے اور یہ اعتقاد رکھے کہ میں مشیخت و تلقین وارشاد کا اہل نہیں ہوں اور اس میں میری ہلاکت (کا خطرہ) ہے اور مریدوں کو تو تلقین ذکر سے انشاء اللہ خیر و برکت ہی حاصل ہوگی کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے طالب ہیں اور اپنے کو حقیر سمجھتے ہیں۔ خوب سمجھ لو۔

اور جان لو کہ شیخ کا اپنے معتقدوں اور تعظیم کرنے والوں کے سامنے صرف

---

[۱] یوسف : ۲۱

زبان سے اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ میں تو اس کام کا اہل نہیں یہ بھی ایک بلا ہے جو ہم لوگوں پر نازل ہو رہی ہے (کہ زبان سے اپنی نااہلیت ظاہر کرنے کو کمال سمجھتے ہیں) کیونکہ اس سے تو مخلوق کو اس کا اعتقاد پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ شیخ کی تواضع کو تو دیکھو کہ باوجود اس کمال وجلالت کے اپنے کو کتنا حقیر سمجھتے ہیں (پس زبان سے ایسی باتیں نہ بناؤ کیونکہ اس میں بھی حظ نفس کا شائبہ ہے ۱۲) بلکہ دل سے اپنے کو نااہل سمجھو۔ اور سمجھنا چاہئے کہ اگر یہ شخص اس دعوے (نااہلیت) میں سچا ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ مجھ سے یہ منصب واپس لے لیا جائے اور تضرع وزاری کے ساتھ دعا کرتا کہ مجھے اس سے عافیت دی جائے اور فقراء وسالکین کی بھی خوشامد کرتا کہ اس کے لئے (اس سے) عافیت کی دعا کریں۔ ان وسائس کو سمجھ لو۔

اور جان لو کہ آج کل جو شخص مشیخت کا دروازہ کھولتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مدرس غروب آفتاب کے وقت مکتب کھول کر بیٹھے اور بچوں کا انتظار کرنے لگے (کہ اب پڑھنے آئیں گے) تو ان کو تعلیم دوں گا (سو ظاہر ہے کہ اس وقت کون پڑھنے آتا ہے اور کون اس سے تعلیم حاصل کر سکتا ہے یہی حال آج کل دروازہ مشیخت کھولنے والے کا ہے) کیونکہ ہم لوگ قیامت کی دہلیز میں (داخل ہو چکے) ہیں اور ہر چیز اپنے موقعہ سے نکل چکی ہر کام قرب قیامت کی وجہ سے نااہلوں کے سپرد ہو چکا ہے جیسا وہ لوگ اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں جن کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے کھول دیا ہے۔

غور کرو جس وقت کشتی کنارہ کو آلگتی ہے تو اس کی رسیاں کھول دی جاتی ہیں اور پردے لپیٹ کر باندھ دیئے جاتے ہیں اور مسافر بھی اپنے وطن کے نشانات دیکھ کر سامان باندھ لیتے اور بکھرے ہوئے اسباب کو لپیٹ لیتے ہیں اور ان کا تمام نظام جو سفر کی حالت میں تھا درہم برہم ہو جاتا ہے۔ تو اب مشیخت کا بازار گرم کرنے والے کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کشتی کنارہ پر لگ جانے کے بعد یوں چاہے کہ مسافروں کا سامان اسی طرح جما رہے جس طرح سفر کی حالت میں تھا اور اب بھی وہ اسی نظام پر قائم رہیں

جس پر پہلے قائم تھے کہ ہر شخص کا بستر ہ اور سامان اسی جگہ پر لگا رہے جہاں سمندر کے بیچ میں لگا ہوا تھا یقیناً اس کو سب لوگ بے وقوف سمجھیں گے اور کوئی بھی اس کی بات نہ مانے گا۔

پس جو شخص اس زمانہ میں جو ہر برائی کا سرچشمہ اور ہر بھلائی کا خاتمہ کرنے والا ہے مشیخت کے درپے ہو اس کی یہی حالت ہے اور عوام بھی ایسے شخص کو بے وقوف سمجھتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص پیر بن گیا ہے تو گویا مشیخت اور پیری بھی کوشش سے حاصل ہونے لگی اور (وہ بھی سچ کہتے ہیں کیونکہ) ان کا مشاہدہ یہ ہے کہ آج کل کے (اکثر) مشائخ (اعمال میں) سست کاہل اور شریعت وحقیقت سے جاہل ہیں اس لئے آج کل (کوشش سے) پیر بن جانا بہت آسان ہو گیا کیونکہ اس کا مدار زیادہ تر دعووں پر رہ گیا ہے (کہ جو زیادہ باتیں بنائے لمبے چوڑے دعوے کرے وہی پیر ہے)۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت لوگ حقیقی مشائخ کی بھی بے وقعتی کرنے لگے اگرچہ وہ حقیقت میں کیسے ہی قابل واہل ہوں جس کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کا ناقص رکھنا منظور ہے اس لئے ان کے رابطہ اعتقاد کو فاسد کر دیا اب وہ مشائخ کاملین کے کلام سے نفع حاصل نہیں کر سکتے تا کہ امر مقدور پورا ہو جائے "والی اللہ عاقبة الامور والیہ یرجع الامر کلہ"۔[1]

اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ آج کل درجۂ ولایت کی تحصیل سے یہ امر مانع نہیں ہے کہ کوئی شیخ سلوک وتربیت کا اہل ہی نہیں بلکہ اس کا سبب وہ ہے جس کو جاننے والے جانتے ہیں اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام نے بہت لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا مگر بہت کم لوگوں نے ان کی اطاعت کی حالانکہ انبیاء معصوم بھی تھے اور سچے بھی تھے (پس کیا یہاں بھی کسی کو یہ کہنے کا منہ ہے کہ مخلوق کو درجۂ ولایت اس لئے حاصل نہ ہوا کہ مزکی کامل موجود نہ تھا ہرگز نہیں؟)۔

پس اگر کسی شیخ کے ہاتھ سے کسی کو بھی کامیابی حاصل نہ ہو اور سامعین کے قلوب

---

[1] سورۃ لقمان : ۲۲

پر اس کے کلام کا اثر نہ ہو تو اس کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ اگر اس واعظ کا کلام صدق دل سے ناشی ہوتا ہے تو مخلوق کے قلوب پر اس کا اثر ضرور ہوتا (کیونکہ تاثیر نہ ہونے کا سبب واعظ کا عدم اخلاص ہی نہیں بلکہ سامع کی ناقابلیت بھی ہے) خوب سمجھ لو۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہمارے سب بھائیوں اور دوستوں اور سب مسلمانوں کو حسن خاتمہ عطا فرمائے کیونکہ صرف اسلام کے درجہ پر موت آجانا گو اس سے زیادہ کچھ نہ ہو یہ بھی اس زمانہ میں بڑی نعمت ہے جس کے برابر کوئی نعمت نہیں اور جو شخص بے ہودہ دعوی کرتا (اور اسلام سے زیادہ اپنے لئے درجات عالیہ ثابت کرتا) ہے وہ جھوٹا ہے اور دھوکہ میں ہے وہ اپنے احوال کو (پہلے زمانہ کے عام) مسلمانوں کی حالت کے بھی مطابق نہ پائے گا مؤمنین اور عارفین کے احوال تو بہت دور رہے جن میں وہ اپنے کو شمار کرنا چاہتا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

اور میں نے جو وسائس اور دھوکے اور مردودیت ومطرودیت کی علامتیں بتلائی ہیں ان میں غور کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس تقریر پر عمل کی توفیق مانگو اور اپنے خیر خواہ کی اس نصیحت کو قبول کرلو کیونکہ تم آج کل کے مشائخ میں سے کسی کو اس راستہ کی طرف ہدایت کرنے والا نہ پاؤ گے چنانچہ مشاہدہ ہے (کہ امراض قلب و وسائس نفس پر کوئی مطلع نہیں کرتا) اور اگر تم اس نصیحت کو قبول نہ کرو گے تو اس کا وبال تم ہی پر عائد ہوگا۔ میں نے تم کو چند علامتیں بتلا کر دوسری علامات پر متنبہ کر دیا ہے۔

ف: اس تقریر سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ مشیخت کسبی چیز نہیں بلکہ وہبی عطا ہے پس جو لوگ پیر بننے کی کوشش کرتے ہیں اور تدابیر سے اس میں کامیاب ہوتے ہیں وہ سچے مشائخ نہیں بلکہ جھوٹے ہیں حقیقی مشائخ کبھی اس کے لئے سعی نہیں کرتے بلکہ اس منصب سے گھبراتے اور عافیت طلب کرتے ہیں اور محض اپنے مشائخ کے امر سے مجبور ہو کر اس فرض کو انجام دیتے ہیں۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مقام پر علامہ نے جو دروازۂ مشیخت کھولنے سے منع

فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خود اس کے لئے کوشش نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ زمانہ اس کے لئے مناسب نہیں اور یہ مطلب نہیں کہ جن کو ان کے مشائخ نے بیعت وتلقین کی اجازت دی ہے از خود طالبین آئیں تو تعلیم وتلقین نہ کریں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے اخلاص کا امتحان کر کے تعلیم وتلقین کیا کریں اور انشاء اللہ ہر زمانہ میں مخلصین ضرور ملیں گے گو قلیل سہی فقد قال النبی ﷺ لایزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لایضرهم من خذلهم[1] ۱۲ مترجم)

ایک بات اور سمجھو کہ انسان جن عیوب کے متعلق اپنے دوستوں کو نصیحت کرتا ہے وہ سب ناصح کے دل پر بھی ضرور گذرتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو کوئی کسی کو کسی عیب کے ترک کرنے کی نصیحت نہ کر سکے، کیونکہ اس کے دل پر اس کا خطرہ بھی نہیں گذرا اور یہ اس کو جانتا ہی نہیں تو نصیحت کیسے کرے گا۔

پس عیوب میں تمام مخلوق شریک ہے فرق اتنا ہے کہ بعض لوگ عیوب پر جم جاتے ہیں اور ان سے عیوب کا صدور کثرت سے ہوتا ہے اور بعض ان پر جمتے نہیں اور ان سے صدور بھی کم ہوتا ہے اور بعض ان سب سے الگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے میزان شریعت) عطا فرمائی ہے یعنی قرآن و حدیث تو ان کے دل میں جس قدر خطرات گذرتے ہیں وہ ان کو اس میزان سے وزن کرتے ہیں اگر قرآن وحدیث کے موافق خطرہ ہوا اسے قبول کر لیا اور خلاف ہوا تو رد کر دیا (یہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین کا مقام ہے کہ معاصی کا وسوسہ اور خطرہ تو ان کے قلب پر بھی ہو سکتا ہے مگر عمداً عمل کبھی نہیں ہوتا پھر انبیاء سے تو معاصی کا صدور محال ہے اور اولیاء سے محال نہیں ۱۲) اور جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ میزان عطا نہیں فرمائی وہ مشیت الٰہی کے تحت میں ہے (کہ اللہ تعالیٰ جس گناہ سے چاہتے ہیں اس کو بچا لیتے ہیں اور جس میں چاہتے ہیں پھنسا دیتے ہیں، یہ خود کسی گناہ سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتا۔

---

[1] مسلم ج ۳: ص ۱۵۲۳ حدیث نمبر ۱۹۲۰ و ابن ماجہ ج ۱: ص ۱۴۔ مرتب

جب یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو اب اپنے کوکسی سے افضل نہ سمجھو کیونکہ عیوب سے تم بھی بری نہیں بلکہ دوسروں کے ساتھ تم بھی ان میں مبتلا ہو، صرف قلت وکثرت کا فرق ہے اور انبیاء واولیاء کاملین کے مقام سے تم کو کیا نسبت وہ تو خاص لوگوں کا حصہ ہے۱۲) اس کو سمجھ لو خدا تم کو ہدایت کرے اور وہی اپنے نیک بندوں کا محافظ ہے۔

آیات متشابہ اور معانی صفات واسماء الٰہیہ اور حروف مقطعات میں غور وخوض نہ کرے

(۴۹) اور درویش کی شان یہ ہے کہ آیات متشابہہ اور معانی صفات واسماء الٰہیہ اور معانی حروف مقطعات وغیرہ میں غور وخوض نہ کرے اور اس میں اس زمانہ کے فقراء بہت مبتلا ہیں کہ ان کا سارا دن (اسی قسم کی) گفتگو میں گذر جاتا ہے اور وہ اس کو اعمال عبادات سے بھی افضل سمجھتے ہیں مگر یہ ان کی غلطی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو جہنم میں منہ کے بل زبانی باتوں کے سوا کوئی چیز نہیں گراتی (یعنی زیادہ تر دخول جہنم کا سبب یہی ہے) پھر جو لوگ ان باتوں میں مشغول ہیں زیادہ تر محض تقلید سے مشغول ہیں کہ خود ان کو (ان اسرار سے) ذرا بھی ذوق نہیں۔ بس فصوص وغیرہ شیخ اکبر کی تصانیف دیکھ لیں اور اپنی فہم وفکر کے موافق گڑبڑ کرنے اور حقائق کو بدل کر بیان کرنے لگے جس سے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے اور ان کے عقیدے خراب کرنے لگے۔

اور شیخ اکبر محی الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگوں کی کتابیں دیکھنا اس شخص کو حرام ہے جو ہمارے مقام میں نہیں ہے (یعنی جس کو ہمارے مقام کا ذوق حاصل نہیں)۔

پس غیر عارفین کا ایسی باتوں میں غور وخوض کرنا ان کے دین وعقائد کے لئے مضر ہے اس لئے اس میں مشغول ہونا عارف کامل کے سوا کسی کو لائق نہیں اور جو شخص لوگوں کی باتیں یاد کرنے اور حقائق جمع کرنے ہی میں رہے اور ہمیشہ اہل طریقت

کا ناقل ہی بنا رہے وہ دوسری زندگی کہاں سے لائے گا جس میں علم فناء علم بقاء میں مشغول ہو کیونکہ حضرات عارفین تو اہل محبت ہیں ان میں سے ہر شخص اپنی زبان عشق اور اپنے ذوق کے موافق کلام کرتا ہے (اور ہر شخص کا ذوق اور لون محبت الگ ہے) تو ان کا کلام احاطہ اور حصر سے باہر ہے (جس کے جمع کرنے کو عمر طویل بھی کافی نہیں) یہ تو دریائے ناپیدا کنار ہے جس میں بہت لوگ غرق ہو چکے مگر کوئی اس کی تہ تک تو کیا پہنچتا ساحل تک بھی نہیں پہنچا۔

قطب ربانی سیدی ابراہیم دسوقی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جتنے لوگ علم توحید و علم تفسیر کی تعبیر کرنے والے اور اس میں گفتگو کرنے والے ہیں وہ قرآن کے کسی ایک حرف اور ایک کلمہ کی حقیقی مراد کا دسواں حصہ بھی نہیں سمجھے۔

اور ہمارے شیخ عارف باللہ شیخ افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ موجودات میں سے کسی چیز کی حالت کو کیوں کر بیان کیا جائے جب کہ وہ ہمارے بیان ہی کے وقت اپنی پہلی حالت سے بدل چکی ہے اور کلام اللہ کے کسی حصہ کی تفسیر کیوں کر کی جائے جب کہ اس میں تمام چیزوں کا مجموعہ موجود ہے اور بھلا حادث قدیم کا کیونکر احاطہ کر سکتا ہے؟ پس عالم کی تمام صفات میں جو صفت اس کے لائق ہے وہ عجز ہے (کہ نہ وہ حقیقت کو سمجھ سکتا ہے نہ بیان کر سکتا ہے اور جو کچھ بیان کرتا ہے وہ ناتمام اور ناقص محض ہے اور جو شخص بعض موجودات حادثہ کی حقیقت بیان کرنے سے بھی عاجز ہے وہ قدیم کو اور اس کی ذات و صفات کو کیونکر بیان کر سکتا ہے پس عاجزی اختیار کرو اپنے قصور فہم کا اقرار کرو اور اپنے کو ہر طرح عاجز سمجھو۔

ف: اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن وحدیث کی تفسیر و شرح نہ کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے کو حقیقت شناس نہ سمجھو نہ اپنے علم و فہم کو خطا سے محفوظ سمجھو، بلکہ اپنے[1] علم کو جہل اور اپنی دانائی کو نادانی سمجھتے رہو اور متشابہات و ذات و صفات کے میدان میں قدم

[1] مگر اس کے ساتھ ہی نعمت موجودہ کا شکر بھی ادا کرو اور اس علم قلیل و ناقص ہی کی قدر کرو، بلا بودے اگر

نہ رکھو ۱۲ مترجم۔

اپنی تعریف کی طرف توجہ نہ کرے

(۵۰) اور درویش کی شان یہ ہے کہ لوگوں کے اس کہنے کی طرف کہ فلاں شخص بزرگ اور شیخ ہے التفات نہ کرے نہ اس سے خوش ہو کہ لوگ اس کو مشائخ زمانہ میں شمار کرتے اور مشائخ کے زمرہ میں تذکرہ کرتے ہیں بلکہ (دل سے) یوں سمجھے کہ اس کو تو طریق ولایت کی ہوا بھی نہیں لگی۔

اور فرض کرلو کہ تم آج لوگوں کے نزدیک شیخ اور بزرگ ہو مگر (یاد رکھو! کہ) ابھی خطرہ میں ہو اور (حقیقی طور پر) بزرگ کا لفظ صرف اسی شخص پر صادق آسکتا ہے جو پل صراط اور میزان عمل سے پار ہو جائے اور جس وقت اعمالنامے اٹھائے جائیں گے اس وقت اس کو غضب الٰہی سے نجات و امن کا پروانہ مل جائے۔ ان شدائد و خطرات (سے نجات پانے) سے پہلے جو کچھ بھی حالت ہو اس کا کچھ اعتبار نہیں جیسا کہ ایک صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ) بعض لوگ ظاہر میں جنتیوں کے سے کام کرتے ہیں مگر وہ (درحقیقت) جہنمی ہیں الخ۔

اسی لئے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ مجھے آخرت میں نجات حاصل ہو جانے کا کسی وقت بھی پورا بھروسہ نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے پابند اور مقید نہیں ہیں وہ جو چاہیں لکھ دیں اور جو چاہیں مٹا دیں ادب اسی کا نام ہے اور انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کا خائف و لرزاں رہنا باوجودیکہ وہ معصوم ہیں اسی پر دلالت کرتا ہے (کہ انسان کو اپنے کسی عمل پر مغرور نہ ہونا چاہئے بلکہ ہر وقت لرزاں و ترساں رہے)۔

نیز جبرئیل و میکائیل کی اس حالت سے بھی کہ جس وقت ابلیس (کی ملعونیت و مردودیت) کا واقعہ پیش آیا تو یہ دونوں (مقرب فرشتے) رونے لگے اور اللہ تعالیٰ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایس ہم بنوادے (اگر یہ بھی نہ ہوتی تو مصیبت ہوتی) ''لئن شکرتم لازیدنکم'' (ابراھیم:۷) وعدہ ربانی ہے ۱۲ ظ

ان سے فرمایا کہ تم کو ایسا ہی ہونا چاہئے اور میرے امتحان سے بے فکر نہ ہونا چاہئے یہی معلوم ہوتا ہے (کہ بڑے سے بڑے مقرب کو بھی بے فکری جائز نہیں) اگرچہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ کفار جہنم سے نہ نکالے جائیں گے تغیر کو قبول نہ کرے گا (اور وقوع اسی کے موافق ہوگا مگر اس کا خلاف عقلا تو محال نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف پر بھی قادر ہیں گو باوجود قدرت کے خلاف نہ کریں ۱۲) اس کو سمجھ لو خدا تم کو ہدایت کرے اور وہی اپنے نیک بندوں کو ہدایت کرتا ہے۔

ف: علامہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ اپنے کسی عمل یا حال ومقام پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے نہ اس پر مغرور رہنا چاہئے کیونکہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں پس انجام کے معلوم نہ ہونے کا خیال کر کے لرزاں وترساں رہنا لازم ہے۔ اطمینان و بے فکری نہ ہونا چاہئے۔ یہ مطلب نہیں کہ خدا کی رحمت سے امیدوار بھی نہ ہو کیونکہ جس طرح بے فکری جائز نہیں ناامیدی بھی جائز نہیں پس انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ اعمال حسنہ ومقامات حمیدہ عطا فرمائیں ان کو نعمت الٰہیہ سمجھ کر ان کا شکر بھی ادا کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے امیدوار رحمت بھی رہے، مگر اسی کے ساتھ عظمت وجلالت حق کا تصور کر کے بے فکر و مطمئن بھی نہ ہو جائے اسی امید وبیم کا نام ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا ایمان پر خاتمہ فرمائے آمین ۱۲ مترجم)۔

(فصل) عزیز من! ہم نے اس باب میں بارادۃ اللہ طویل گفتگو محض اس لئے کی ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس طریق پر چلنے والوں میں رسوا کن دعوے اور امراض خفیہ بہت پائے جاتے ہیں اور یہ باتیں عبدیت کے بالکل خلاف ہیں اور ہم نے یہ رسالہ آداب عبودیت ہی کے بیان کرنے کو تصنیف کیا ہے کیونکہ اصل چیز وہی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون "[1] (ترجمہ: اور ہم نے جن وانسان کو کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا سوا اس کے کہ میری عبادت کریں) یعنی اپنے ظاہر و باطن سے غلامی ظاہر کریں۔

---

[1] الزاریات: ٥٦

پس مخلوق کو ربوبیت میں ایک قدم رکھنے کی بھی اجازت نہیں، کیونکہ ربوبیت اور عبدیت میں کسی طرح بھی کچھ شرکت نہیں (بلکہ ایک دوسرے کے منافی ہے) پس رب وہ ہے جس میں غلامی اور بندگی کی کوئی شان نہ ہو اور عبد وہ ہے جس میں ربوبیت کی کوئی شان نہ ہو اور بندہ ایک صفت سے جتنا نکلے گا اسی قدر دوسری صفت میں داخل ہوگا، پس عبد وہ ہے جس میں ربوبیت کا ذرا بھی شائبہ نہ ہو۔

جب اس کو سمجھ گئے تو اب جان لو کہ بندگی کی شان ذلت اور عاجزی ہے اور تمام حالات میں اپنی تقصیر کو پیش نظر رکھنا۔ اور اس کے خلاف اپنے کو معزز اور بڑا سمجھ کر دعوی کرنا اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود سے تجاوز کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ حد سے باہر نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور جس کو خدا ہی پسند نہ کرے وہ اس کی طرف رہنمائی نہیں کرسکتا اگرچہ طریقت کو کیسا ہی جانتا ہو جیسے شیطان ابلیس (کہ گو وہ طریقت سے ناآشنا نہیں علوم سے بے بہرہ نہیں مگر جب خدا کو اس کی حالت پسند نہیں تو ایسا علم و معرفت سب بے کار ہے ۱۲) خوب سمجھ لو خدا تم کو ہدایت کرے اور وہی اپنے نیک بندوں کو ہدایت کرتا ہے۔

اپنے نفس کو ہمیشہ برائی کے ساتھ متہم سمجھے

(۵۱) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اپنے نفس کو ہمیشہ برائی کے ساتھ متہم سمجھے اور اس کی کسی بات اور کسی حالت کو اچھا نہ سمجھے بلکہ ان میں سے کسی پر نظر و التفات بھی نہ کریں اور جتنی برائیاں لوگ اس کی طرف منسوب کریں مثلاً یوں کہیں کہ یہ درپردہ فسق و فجور کرتا ہے یا ریاء کار ہے یا بڑائی اور مشیخت کا طالب ہے تو ان سب برائیوں کے ساتھ اول وہلہ ہی میں اپنے نفس کو متہم سمجھے اور اگر تامل و تفکر کے بعد نفس کو متہم سمجھا تو ابھی یہ شخص معالجہ کا محتاج ہے اور جب تک تامل و تفکر کی احتیاج باقی ہے اس میں اپنے نفس کی طرف داری اور حمایت باقی ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ جو شخص اپنے نفس اور اپنے افعال کے ساتھ حسن ظن رکھے گا وہ کسی کی نصیحت سے منتفع نہ ہوگا کیونکہ وہ تو یہ سمجھے گا کہ جتنی باتیں میرے متعلق کہی گئی ہیں اور جن عیوب کی وجہ سے مجھے نصیحت کی گئی ہے میں سب سے مبرا ہوں اسی لئے تم اس کو دیکھو گے کہ اپنے نفس کی طرف سے حتی الامکان جواب دہی کرتا اور اپنے عیوب کی تاویلیں کرتا ہے) اور یوں سمجھتا ہے کہ اس نصیحت کے لائق (میں نہیں بلکہ) میرے دوسرے ہم عصر ہیں، کیونکہ وہ دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اگر وہ خود اپنے کو اسی نگاہ سے دیکھتا جس سے دوسروں کو دیکھتا ہے تو (سب سے پہلے) اپنے ہی کو ہر نصیحت کے قابل سمجھتا اور فوراً توبہ کیا کرتا اور غلطی سے رجوع ظاہر کرتا (کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی مجھے اپنی خطا کا اعتراف ہے (آئندہ ایسا نہ ہوگا ۱۲) لیکن وہ تو اپنے اندر کوئی نقص دیکھتا ہی نہیں کیونکہ وہ (اپنے عیوب سے) اندھا ہے اسے کچھ نظر نہیں آتا اس کو خوب سمجھ لو (اور اس حالت کے ازالہ کی کوشش کرو اور تمام عیوب سے اپنے کو متہم سمجھو ۱۲)۔

ف: **سوال** جب بندہ اپنے کو برائی سے متہم سمجھے گا اور اپنے کسی قول وحال وعمل کو اچھا نہ سمجھے گا تو اس حالت میں نماز وروزہ واذکار واوراد پر شکر الٰہی کیونکر بجالائے گا؟۔

جواب: اس کو چاہئے کہ ان احوال واعمال کو عطائے الٰہی سمجھے اپنی کمائی نہ سمجھے پھر یوں سوچے کہ میں تو ہر برائی کا سرچشمہ ہوں مگر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام ہے کہ ایسے نالائق وبد کو یہ نعمتیں عطا فرمادی اور فی نفسہ تو یہ نعمت بہت قیمتی ہے مگر جتنا میرا تعلق اس کے ساتھ ہے اسی قدر اس میں نقص آگیا کیونکہ میں نے اس کی پوری حفاظت نہیں کی نہ نماز کا پورا حق ادا کیا نہ روزہ کا نہ ذکر وورد کا۔

پس میری مثال ایسی ہے جیسے چمار کو بادشاہ یاقوت دیدے کہ اس کے پاس یاقوت تو ضرور آگیا مگر خود چمار ہی ہے اب اگر یہ شخص یاقوت مل جانے کے بعد یوں

سمجھے کہ میں چمار نہیں ہوں بلکہ شاہزادہ ہوں جبھی تو مجھے یاقوت ملاتو یقیناً وہ جوتے کھانے کے قابل ہوگا یا اپنے کو چمار سمجھ کر یاقوت کی بے قدری کرنے لگے کہ یہ تو کانچ ہے ورنہ چمار کو یاقوت کیوں دیا جاتا تو اس صورت میں بھی وہ مستحق عتاب شاہی ہوگا۔ پس اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ یاقوت کو یاقوت سمجھے اور اس پر بادشاہ کا دل وجان سے شکریہ ادا کرے اور اپنے کو چمار ہی سمجھے اور یوں خیال کرے کہ یاقوت تو بڑا قیمتی ہے مگر میرے میلے ہاتھوں میں آکر اس کے خراب ہوجانے کا اندیشہ ہے میں اس کی حفاظت کا حق ادا نہیں کرسکتا اور ممکن ہے کہ میری کوتاہی اور قلت حفاظت کی وجہ سے اس کی قیمت گھٹ گئی ہو اس صورت میں یقیناً پوری طرح شکریہ ادا کرے گا کیونکہ وہ اپنے کو اس عطا کے قابل بھی نہیں سمجھتا۔ اس تحقیق کے بعد بحمد اللہ کوئی اشکال باقی نہ رہا اور عبدیت وشکر کا جمع کرنا سہل ہوگیا اور وہذا من برکات سیدی حکیم الامۃ دام مجدہ وعلاہ ۱۲ مترجم۔

کوئی نصیحت کی بات دوسروں کے متعلق بھی سنے تو اس کو اپنے نفس پر منطبق کرے

(۵۲) اور درویش کی یہ شان ہے کہ جب کوئی نصیحت کی بات دوسروں کے متعلق بھی سنے تو اس کو اپنے نفس پر منطبق کرے اور اس سے نفع حاصل کرے اور یوں سمجھے کہ گویا (دوسروں کو واسطہ بنا کر) مجھے نصیحت کی جارہی ہے اور جب یہ خود دوسروں کو نصیحت کرے تو فرض وتقدیر کے طور پر نصیحت کرے (کہ اگر بالفرض تمہارے اندر یہ عیب ہو تو اس کو ترک کردو اور اس کی اصلاح کرو یہ نہ سمجھے کہ مخاطب میں یقیناً یہ عیب اس وقت موجود ہے، کیونکہ ہر ساعت میں محو واثبات ہوتا رہتا ہے تو ممکن ہے کہ جو عیب مخاطب میں پہلے تھا اب نہ رہا ہو ۱۲)۔

ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "فی لمحۃ تقع الصلحۃ" کہ ایک ہی

پلک جھپکنے میں صلح ہو جاتی ہے۔ نیز ناصح پر لازم ہے کہ دوسرے کو نصیحت کرنے کے وقت اس بات کو دل سے سمجھتا رہے کہ جس حالت میں مخاطب اس وقت مبتلا اور جس عمل میں مشغول ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا۔ اس کی پیشانی اس کے قبضہ میں ہے (اس مراقبہ و مشاہدہ کی ضرورت اس لئے ہے) تاکہ اس سے حقیقت کا حق ادب پوری طرح ادا ہو جائے کیونکہ کوئی شے بھی خواہ متحرک ہو یا ساکن ہو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے باہر نہیں۔

ف: اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کو اختیار بالکل نہیں دیا گیا اور وہ مجبور محض ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان کا اختیار بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے سے باہر نہیں، انسان اپنے اختیار سے بھی کام کرتا ہے حق تعالیٰ کے ارادہ کے بعد ہی کرتا ہے اور جب ان کا ارادہ اسی طرح ہے کہ یہ کام زید اپنے اختیار سے کرے گا تو یقیناً وہ اختیار ہی سے کرے گا مجبور ہو کر نہ کرے گا، کیونکہ ارادۂ الٰہی کے خلاف وقوع نہیں ہوسکتا اور اسی اختیار کی وجہ سے اس پر ملامت و عتاب ہوتا ہے، مگر ناصح کو چاہئے کہ نصیحت کے وقت جیسا مخاطب کے اختیار پر نظر کرتا ہے اس پر بھی نظر کرے کہ اس کا اختیار بھی خدا کے ارادہ سے باہر نہیں اس لئے مخاطب کے فعل کو تو برا سمجھے مگر اس کی ذات کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے۔

اس سے زیادہ اس مسئلہ کی توضیح عوام کے فہم سے باہر ہے وہ صرف اہل علم کا حصہ ہے اس لئے عوام اس میں زیادہ کاوش نہ کریں کہ سلامتی اسی میں ہے ہاں اتنی بات اور سمجھ لیں کہ ارادہ اور رضا میں فرق ہے دنیا میں جس قدر اعمال قبیحہ ہیں سب خدا کے پیدا کئے ہوئے اور اس کے ارادہ سے ظاہر ہوتے ہیں مگر وہ ان کو پسند نہیں کرتے اور اعمال حسنہ بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے اور اسی کے ارادہ سے ظاہر ہوئے ہیں اور ان کو وہ پسند بھی کرتے ہیں رہا یہ کہ جب اعمال قبیحہ پسند نہیں تو ان کو پیدا کیوں کیا اور ان کے ساتھ ارادہ ہی کیوں متعلق ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ باغ میں جیسے پھول ہوتے ہیں ایسے ہی باڑھ کے

واسطے کانٹے بھی لگائے جاتے ہیں اور یقیناً مالک باغ کو کانٹے مطلوب نہیں نہ وہ ان کو پسند کرتا ہے مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے باغ کے چاروں طرف کانٹے لگاتا ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھو کہ کسی چیز کے ساتھ ارادہ کا متعلق ہونا اس کے مطلوب و پسندیدہ ہونے کو مستلزم نہیں۔

اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ارادہ کے تعلق سے پھول اور کانٹے دونوں برابر نہیں ہوگئے بلکہ پھول پھول ہے اور کانٹا کانٹا ہے وہ اچھا ہے یہ برا ہے مگر جس طرح مالک باغ کا باغ کے چاروں طرف کانٹے لگانا برا نہیں کیونکہ وہ حکمت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اعمال قبیحہ وصور قبیحہ کا پیدا کرنا اور ارادہ کو ان کے ساتھ متعلق کرنا برا نہیں، بلکہ برائی خود مخلوق کے ساتھ لگی ہوئی ہے خالق کے تو ہر فعل میں حکمت ہی ہے۔ اب انسان کا کام یہ ہے کہ اپنے اختیار کو جہاں تک ہو سکے اعمال حسنہ کی طرف مائل کرے اور اپنی گود میں پھول جمع کرنے کی کوشش کرے، کانٹے جمع کرنے کے درپے نہ ہو اور اگر کوئی اپنی گود کو کانٹوں سے بھرنا چاہے گا تو خدا بھی اس کی گود کو کانٹوں سے بھر دے گا کیونکہ اس کے باغ میں گل کے ساتھ خار بھی موجود ہیں جو جس کا طالب ہوگا وہی اس کو دے دیا جائے گا۔ اب قصور اپنی طلب کا ہے کیونکہ ہمارا اپنی گود کو کانٹوں سے بھرنا کسی حکمت پر مبنی نہیں نہ اس میں ہمارا کچھ نفع ہے، اس لئے ہم محل عتاب و قابل ملامت ہیں اور خالق کا دنیا میں گل و خار کا پیدا کرنا اور ہر طالب کو اس کا مطلوب عطا کر دینا حکمت پر مبنی ہے۔ خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم

اور میں نے ایک دفعہ اپنے باطن سے ایک یہودی پر اعتراض کیا اور دل میں یوں کہا کہ اس شخص کے دل نے خدا کے ساتھ کفر کرنا کیسے گوارا کر لیا یہ خطرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ میں خود اس بلا میں گرفتار ہو گیا جس میں وہ مبتلا تھا یہاں تک کہ میں اسلام (کے لفظ) کو بھی نہ سن سکتا تھا اور اس حالت میں مجھے ایسا انبساط و انشراح حاصل تھا جس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں اس وقت کوشش کرتا تھا کہ توحید کا قائل ہوں مگر

قدرت نہ پاتا تھا بلکہ یوں کہتا تھا کہ نظام عالم بدون تین معبودوں کے کامل نہیں ہوسکتا، نہ اس سے زیادہ ہوسکتے ہیں نہ کم، پھر میں نے تین سے زیادہ کے قائل ہونے کی کوشش کی تو اس پر بھی قادر نہ ہوا اور کم کرنے کی کوشش کی تو اس سے بھی عاجز ہوگیا، مگر یہ خدا کا شکر ہے کہ میں نماز کے اوقات میں اسلام کی طرف لوٹا دیا جاتا اور اس وقت مجھے اس حالت سے افاقہ ہوجاتا تھا، پھر جہاں نماز سے فارغ ہوا فوراً ہی وہ جنون سوار ہوجاتا اور یہودیوں کے دین کی باتیں دل دل میں کرتا رہتا، چنانچہ جمعہ کے دن عصر کے وقت سے لے کر اگلے دن کے ظہر کے وقت تک میں یہودیوں کے دین پر رہا پھر اللہ تعالیٰ نے نماز ظہر کے لئے وضو کرتے ہوئے اس حالت کو مجھ سے زائل کر دیا اس وقت مجھے اس آیت کا مطلب بطور اشارہ کے معلوم ہوا "وکذلك زینا لکل امة عملهم"[1] کہ اسی طرح (جیسا تجھ کو پیش آیا) ہم نے ہر امت کے سامنے ان کے اعمال کو مستحسن وخوشنما کر دیا ہے۔

نیز اس وقت مجھے اختلاف مذاہب کی حکمت بھی معلوم ہوگئی اور اس کے بعد جو میں کفار وغیرہ پر اعتراض کرتا تھا تو اس سے مجھے کچھ ضرر نہ ہوتا تھا (کیونکہ اب اعتراض کے ساتھ اس پر بھی نظر تھی کہ ارادۂ خداوندی ان کے ساتھ یوں ہی ہے اور یہ لوگ اپنے مذہب ہی کو اچھا سمجھتے ہیں اس لئے اس میں مبتلا ہیں اگر ان کے دل سے پردہ اٹھ جائے تو کبھی اس حالت میں نہیں رہ سکتے ۱۲)۔

اور یہ حالت (جو مجھ کو پیش آئی) بعض عارفین کو مجھ سے پہلے) بھی پیش آچکی ہے مگر وہ نماز کے اوقات میں بھی اسلام کی طرف واپس نہ آتے تھے، ان پر بوجہ ان کی بلندی مقام کے زیادہ سختی کی گئی۔

جب اس کو سمجھ گئے تو اب تم کو چاہئے کہ پہلے اس ذات کو پہچانو جس کے قبضہ میں ہر کافر و عاصی کی پیشانی ہے اس کے بعد کفار و فساق پر اعتراض کرو تو تم کو کچھ

[1] انعام: ۱۰۸

ضرر نہ ہوگا کیونکہ اس وقت تم اللہ تعالیٰ کا ادب بھی بجالاؤ گے اور امر بالمعروف کا حق بھی ادا کرو گے۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرے اور منہیات کا ارتکاب کرے اس کو (ان اعمال سے) یہ سمجھتے ہوئے روکو کہ اس کی پیشانی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور تم اور وہ دونوں کے دونوں خدا کے قہر کے ماتحت ہو کیونکہ تم دونوں تقدیر کے تختہ مشق ہو اور جس عمل قبیح کو تم دوسرے کے اندر دیکھ رہے ہو ممکن ہے کہ وہ کسی وقت تمہاری طرف منتقل ہو جائے (یہ سمجھتے ہوئے امر بالمعروف کرو گے تو اپنے کو مخاطب سے افضل نہ سمجھو گے)۔

اور پہلے میرا یہ خیال تھا کہ امر بالمعروف تسلیم کے منافی ہے (کیونکہ تسلیم کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ عالم میں ظاہر ہو اس سے منازعت نہ کرے اور امر بالمعروف میں مخاطب کو ایک عمل سے روکنا ہے جو اس کے ہاتھوں ظہور پذیر ہو رہا ہے اور یہی منازعت ہے اور منازعت تقدیر تسلیم کے منافی ہے) تو میں نے ایک ہاتف کو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب تم کسی بات کو فقط میری طرف سے ظہور پذیر ہوتا ہوا دیکھو اس وقت تسلیم سے کام لو اور جب اس کو دوسروں سے ظاہر ہوتا ہوا دیکھو اس وقت ان باتوں پر انکار کرو جو میرے حکم کے خلاف ہیں (مطلب یہ ہے کہ ہر امر میں دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ میں اس کا خالق ہوں دوسرے یہ کہ بندہ کے ہاتھوں اس کا ظہور ہو رہا ہے پس پہلی حیثیت پر نظر کر کے تسلیم کرو اور دوسری حیثیت پر نظر کر کے منہیات کے ارتکاب پر انکار کرو۔ خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم)۔

اور یہ حال بعض اوقات ناقص پر طاری ہوتا ہے تو اس کی عقل اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتی کہ مخلوق کو کسی فعل میں کچھ بھی دخل ہے، اس لئے علماء تو اس کو جبری کہنے لگتے ہیں حالانکہ جبر سے اس کو کچھ بھی واسطہ نہیں، بلکہ اس کے سامنے ایک حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہے اس لئے اس کو اپنے مشاہدہ کے خلاف کسی بات کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی گو

اس کے سامنے کتنی ہی دلیلیں بیان کی جائیں اوراس کا ادراک ذوق ہی سے ہوسکتا ہے لیکن عارف کامل ہر فعل کو خالص خدا کا فعل مشاہدہ کرتے ہوئے بھی اس کے ظہور میں مخلوق کے تعلق کا مشاہدہ کرتا ہے اس کے لئے ایک مشاہدہ دوسرے مشاہدہ سے مانع نہیں ہوتا۔

جب اس کو سمجھ گئے تو اب ادب اختیار کرو اور دوسروں کو بری بات سے منع کرتے ہوئے یہ سمجھتے رہو کہ شاید ان کی حالت تم سے اچھی ہو اور ممکن ہے کہ اس گناہ کا ارتکاب اس کے لئے درجات عالیہ میں ترقی کا سبب بن گیا ہو، کیونکہ وہ اپنے نفس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے اوراس سے کسی قسم کا دعوی متصور نہیں ہوسکتا کیونکہ عاصی کو اپنی معصیت پر کچھ بھی دعوی نہیں ہوتا بخلاف اطاعت کرنے والے کے (کہ اس کو اپنی اطاعت پر دعوی ہوسکتا ہے ۱۲) اور یہ امر بھی ذوق ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کی زبانوں پر حق اور صدق ہی کو جاری[1] فرماتے ہیں تو جو لوگ اہل حق ہیں وہ تو نصیحت کو اللہ تعالیٰ سے (بلاواسطہ) لے لیتے ہیں جو نور علی نور ہے اور جو اہل نفس ہیں وہ اس نصیحت کو دوسرے کے نفس سے لیتے ہیں جس میں تاریکی ہی تاریکی ہے (یعنی جس وقت ایک شخص دوسرے کو نصیحت کرتا ہے تو اہل حق تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے منہ سے نکلی ہے وہ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور اہل نفس اس نصیحت کو ناصح کے نفس کی طرف منسوب کرتے ہیں اس لئے ان کو نفع نہیں ہوتا بلکہ وہ ناصح سے منازعت ومخالفت کرنے لگتے ہیں ۱۲)۔

اور ہر برتن میں جو چیز ہوتی ہے وہی اس سے ٹپکتی ہے (اہل حق سے حق کا ظہور ہوتا ہے اور اہل نفس سے نفسانیت کا ۱۲)" **فاما الذین آمنوا فزادتھم ایمانا وھم یستبشرون واما الذین فی قلوبھم مرض فزادتھم رجسا الی**

---

[1] اور بعض دفعہ لوگوں کی زبان سے جو غلط باتیں نکلتی ہیں وہ ممکن ہے کہ اس وقت کے لحاظ سے غلط ہوں، مگر ماضی یا استقبال کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہیں۔ اس میں غور کرو ۱۲ ظ۔

رجسھم وماتوا وھم کافرون "[1] جولوگ مؤمن ہیں ان کوتو آیات قرآن سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں کھوٹ ہے ان کی پلیدی پہلے سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرجاتے ہیں۔

(اور یہ فرق کیوں ہوا حالانکہ آیات قرآن سب کے سامنے یکساں ہی تھیں؟ صرف اس وجہ سے کہ مؤمنین کے دل میں حق تھا انہوں نے قرآن کو نظر حق سے دیکھا اور کفار کے دل میں کھوٹ تھا انہوں نے قرآن کو رسول کا بنایا ہوا سمجھ کر دیکھا ۱۲)۔

اور جب تم کو یہ بات معلوم ہے کہ ہر لمحہ میں محو و اثبات ہوتا رہتا ہے (کہ اللہ تعالیٰ ایک چیز کو مٹاتے ہیں اور دوسری نئی چیز پیدا کرتے ہیں) تو ناصح کو یہ نہ چاہئے کہ کسی شخص کو ناقص حالت میں دیکھ کر یہ سمجھتا رہے کہ اب تک وہ اسی حالت میں ہے تاکہ اس کو خاص طور سے نصیحت کا مخاطب بنائے کیونکہ ممکن ہے کہ تمہارے مشاہدہ کے بعد ہی فوراً اس کا دل اس کام سے ہٹ گیا ہو اور اس نے توبہ کرلی ہو۔ پس تم اگر کسی کو نصیحت کرنا چاہو تو ابہام کے ساتھ نصیحت کرو۔ جس میں کسی خاص شخص کی تعیین نہ ہو اسی لئے رسول اللہ ﷺ یوں فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگوں کا کیا حال ہے وہ ایسا کرتے ہیں، ویسا کرتے ہیں حضور ﷺ کسی کا نام تعیین کے ساتھ نہ لیتے تھے کیونکہ آپ ﷺ ہر لمحہ میں تبدیل و تحویل کا مشاہدہ فرماتے تھے۔

نیز تم نصیحت میں یہ نیت بھی رکھو کہ جس شخص میں یہ مخفی عیوب اور وسائس ہوں گے وہ میری نصیحت کو سن کر اسی وقت متنبہ ہو جائے گا اس صورت میں تو تم کو نیک راہ بتلانے کا ثواب ملے گا۔ اور اگر سامعین میں سے کسی میں وہ عیب نہ ہوا جس کے متعلق تم نے نصیحت کی ہے تو تم کو آئندہ کے لئے انہیں ہوشیار کردینے کا ثواب ملے گا۔ واللہ غالب علی امرہ۔

اور عزیز من! جب تم اپنے کسی دوست کو نصیحت کرو اور وہ نصیحت بے موقع

---

[1] توبة: ۱۲٤-۱۲٥

ثابت ہو مثلاً اس میں وہ بات نہیں ہے جس کی وجہ سے تم نصیحت پر آمادہ ہوئے تھے تو اس صورت میں تم کو اس صورت سے زیادہ خوش ہونا چاہئے جب کہ تمہارے ذریعہ سے کوئی شخص بری حالت سے رجوع کرے کیونکہ پہلی صورت میں تو تمہارا مقصود زیادہ حاصل ہے (مقصود تو یہی تھا کہ تمہارا بھائی عیوب سے بچا رہے تو جس صورت میں تمہاری نصیحت بے موقع ہوا اور مخاطب پہلے ہی سے عیوب سے بری ہو یہ تو زیادہ خوشی کی بات ہے ۱۲) تمہارے نزدیک مخلوق کا اللہ تعالیٰ کی طرف بغیر تمہاری نصیحت کے واسطہ کے رجوع ہونا اس سے زیادہ محبوب ہونا چاہئے کہ تمہارے واسطہ سے رجوع ہوں، کیونکہ اس میں اپنے آپ کو ناصح و مصلح سمجھنے کی آفت سے پوری سلامتی ہے (اور دوسری صورت میں تم اپنے کو ناصح و مصلح سمجھو گے اور اس میں خطرہ ہے ۱۲) خوب سمجھ لو۔

اور جب کوئی تم کو نصیحت کرے اس سے ہرگز مکدر اور متغیر نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس نے تو اپنی کوشش کے موافق تمہاری خیر خواہی کی اور اس کے علم میں جو اعلیٰ درجہ کی بات تھی تم کو اس کی طرف رہنمائی کی ہے۔ اب اگر تمہارے اندر وہ عیب موجود ہے جس کے متعلق وہ نصیحت کر رہا ہے تب تو تمہارا بگڑنا حماقت ہے اور اگر نہیں ہے تو اس نے آئندہ کے لئے تم کو ہوشیار کیا ہے کیونکہ جب تک تم زندہ ہو اس عیب کا محل بن سکتے ہو دوسرے اگر تم کو کچھ ذوق حاصل ہے تو تم ناصح کی نصیحت کا منشاء سمجھ جاؤ گے کہ (اس کا منشاء تنگ خیالی ہے یا وسعت خیال۔ تنگی کی صورت میں تم اس کو معذور سمجھو گے اور وسعت کی صورت میں اس کے احسان کا شکریہ ادا کرو گے۔ جیسا کہ اکثر عوام جو قوم (صوفیہ) کے مذاق سے ناواقف ہیں اہل ذوق درویشوں پر (محض تنگ خیالی کی وجہ سے) اعتراض کیا کرتے ہیں تو درویش کو اس اعتراض کے مقابلہ میں سختی سے اور نفرت ظاہر نہ کرنا چاہئے اسے ہر نصیحت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا چاہئے پس ناصح کی بات کو رد کرنے کے درپے ہونا اگرچہ رد صحیح کیوں نہ ہو خالص جہل وغرور ہے۔ درویش کی شان تو یہ ہے کہ اگر کوئی اسے ناحق برا کہے اس سے بھی متغیر نہ ہو پھر یہ کیسی بات ہے کہ

نصیحت کرنے سے بُرا مانتا ہے۔اس کو خوب سمجھ لو۔

اور جاننا چاہئے کہ جب کسی شخص میں بھلائی کی قابلیت ہوتی ہے اس کے لئے بھلائی کے اسباب بھی مہیا ہو جاتے ہیں اور من جملہ ان اسباب کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے دوست احباب اس کو نصیحت کرنے والے زیادہ ہوں اور جب بھلائی کا دروازہ اس کے واسطے بند کر دیا جاتا ہے تو نصیحت کرنے والوں کے لبوں پر مہر لگا دی جاتی ہے اب وہ اس کے سامنے کوئی بات نصیحت کی نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں قبول کی صلاحیت ہی نہیں۔

پس ناصح کی نصیحت بعض دفعہ اس کے لئے اس بات کی بشارت ہوتی ہے کہ اس کے دل سے عدم صلاحیت کی مہر دور کر دی گئی ہے اور بشارت دینے والے کا حق تو یہ ہے کہ جس کو بشارت سنائی جائے وہ غایت مسرت سے اس کو خلعت وانعام دے اور اس کا بہت زیادہ اکرام کرے کیونکہ جو شخص کسی کو زہر کھانے سے ایسی حالت میں روک دے کہ یہ اس کی طرف ہاتھ بڑھا چکا تھا اس کا صلہ یہی ہے۔خوب سمجھ لو۔

اپنے لئے مذمت کو اور صفات نقص کی طرف نسبت کو پسند کرے

(۵۳) اور درویش کی شان یہ ہے کہ اپنے لئے مذمت کو اور صفات نقص کی طرف نسبت کو پسند کرے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھے "ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك"[1] (ترجمہ) تم کو جو کچھ بھلائی پیش آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی پیش آتی ہے وہ تمہارے نفس کی وجہ سے۔تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو اس کی اجازت نہیں کہ صفات کمال سے اپنی مدح وثناء کو پسند کرے کیونکہ یہ تو اس کے آقا ہی کے شایان شان ہے۔

پس عارف اسی بات کو پسند کیا کرتا ہے کہ سراپا نقص کے ساتھ ممتاز ہو اور اگر کسی وقت وہ اپنی مدح وثنا سے خوش ہوگا تو یہ حالت اصل کے خلاف ہے کیونکہ عارف

[1] نساء: ۷۹

اس وقت مدح وثنا کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشاہدہ کرتا ہے مگر اولیاء میں اس درجہ کے لوگوں کا وجود بہت نادر ہے (جو مخلوق کی مدح وثنا کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشاہدہ کر کے خوش ہوں ۱۲)

اور بعض عارفین کی ملاقات ابلیس سے ہوئی تو اس نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ تمام نقائص وعیوب میری طرف منسوب کئے جائیں ان میں سے کوئی بات بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کی جائے تو جب ابلیس اپنے واسطے برائی کو اس واسطے پسند کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا وقایہ بن جائے تو درویش اس امر کا زیادہ لائق ہے (کہ خدا کا وقایہ بن جائے ۱۲)۔ خوب سمجھ لو۔

تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے

(۵۴) اور درویش کی شان یہ ہے کہ تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔ اور مخلوق کے خلاف شریعت کاموں پر اعتراض وانکار کرنا تسلیم کے خلاف نہیں کیونکہ عارف تمام تصرفات کو جو اللہ تعالیٰ مخلوق میں ظاہر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کرتا اور ان پر راضی ہوتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ مخلوق کی باگ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ہاں وہ مخلوق سے ان کاموں میں منازعت کرتا ہے جس میں وہ خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

اور اسی لئے انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کفار سے جہاد کیا ہے باوجود یہ کہ وہ جانتے تھے کہ جس بات کی وجہ سے جہاد کیا جارہا ہے وہ بھی قضاء وقدر کی طرف سے ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ہی نے اس بات کو پیدا کیا ہے۔ نیز وہ یہ بھی جانتے تھے کہ کفار (کی حالت اور ان کے افعال) بھی مشیت وارادۂ حق سے باہر نہیں کیونکہ رحمت کے لئے ایک حد ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتی (اور کفار حد رحمت سے باہر ہیں اس لئے ان پر رحمت نہیں ہوسکتی) پس جس نے ہم کو جانوروں کے ساتھ نرمی

اور رحمت کا امر کیا ہے اسی نے ہم کو ان کے ذبح کرنے کا بھی حکم کیا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

اور خبردار! ناصح سے یوں کبھی نہ کہنا کہ تم کو نصیحت کی کیا ضرورت ہے؟ تم ہماری حالت کو تقدیر کے حوالہ کر کے بے فکر رہو اور خود اپنے نفس کو نصیحت کرو۔ اھ۔ کیونکہ یہ جواب محض جاہلانہ جواب ہے اور یہ تمہاری بدبختی کی علامت ہے اگر مخلوق کی یہ حجت قبول کر لی جائے کہ جو کچھ ہوتا ہے ارادہ حق سے ہوتا ہے تو تمام ادیان برابر ہو جائیں گے (اور حق و باطل کا امتیاز اٹھ جائے گا) اور جو شخص تمام ادیان کو مساوی سمجھے وہ یقیناً بالاجماع کافر ہے اور میں تم کو اس بات سے اس لئے منع کر رہا ہوں کہ آج کل بزرگ بننے والے بہت زیادہ اس غلطی میں مبتلا ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے مقام پر ہیں اور یہ سراسر شیطانی دھوکہ ہے اور اس غلطی میں زیادہ تر وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو طریق باطن میں بدون شیخ محقق کی اتباع کے قدم رکھتے ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ واللہ یتولی هداك وهو یتولی الصلحین۔

☆☆☆☆☆

(نوٹ) الحمد للہ اس مقام پر اصل رسالہ کا ترجمہ تمام ہو گیا صرف خاتمہ کا ترجمہ باقی رہ گیا، مگر خاتمہ کے مضامین اس قدر دقیق ہیں کہ مجھے اس میں پس و پیش ہے کہ ترجمہ کے بعد بھی عوام کی سمجھ میں آ جائیں گے یا نہیں اور بعض مقامات کو خود اپنی فہم سے بالاتر پاتا ہوں اس لئے اس وقت تو ترجمہ کتاب کو اسی جگہ ختم کرتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو شاید کسی وقت خاتمہ کتاب کا ترجمہ بھی مقدر ہو جائے۔ وصلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد العبد الکامل وعلی آله واصحابه اولی الفضائل والفواضل والحمد لله رب العالمین O